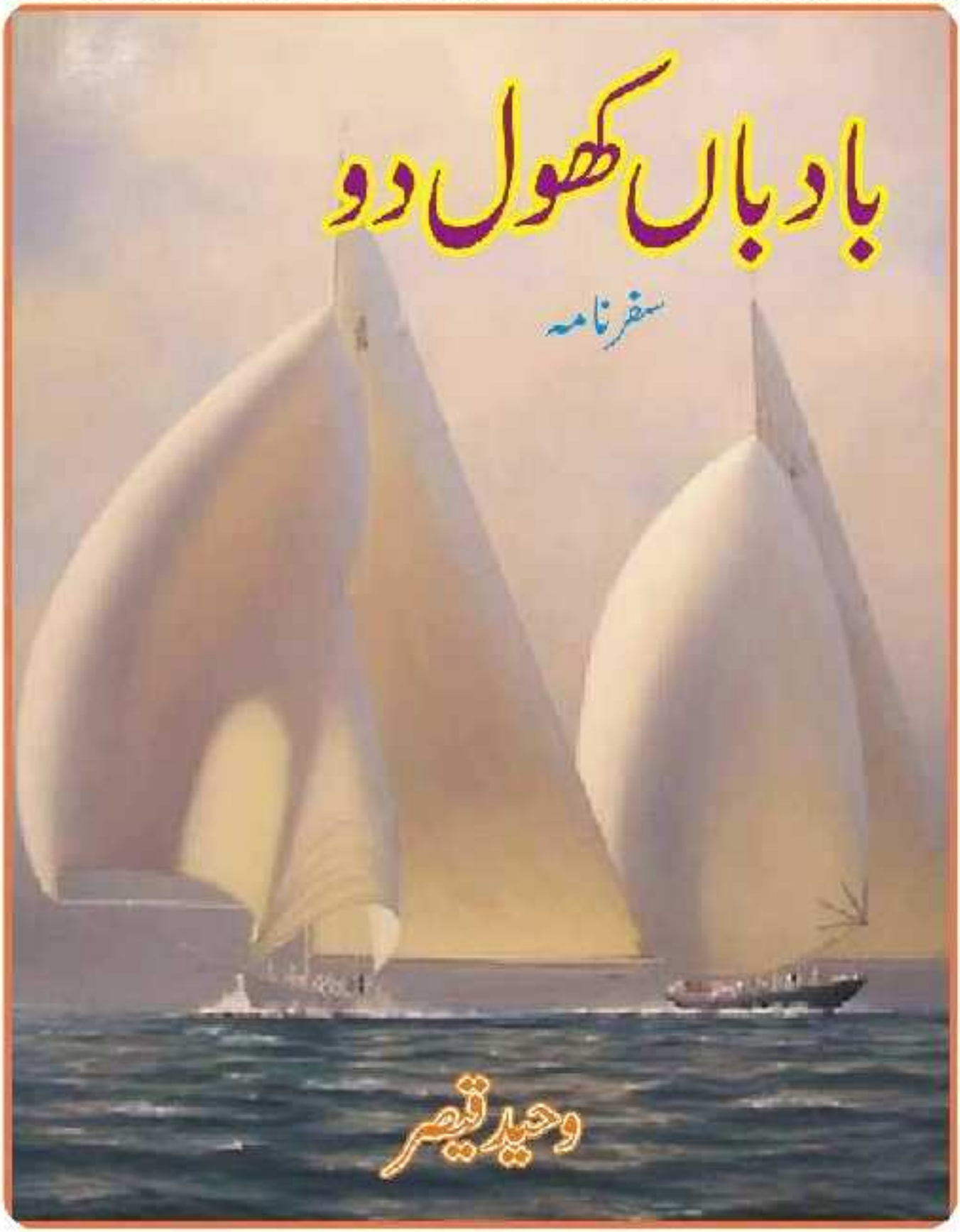
بادباں کھول دو
سفر نامہ
وحید قیصر

کولمبس کی دریافت

کولمبس دنیا کا ایک عظیم جہاز راں تھا۔ مغرب سے ہندوستان اور چین کا بحری راستہ تلاش کرنے اور مشرق بعید کی دولت سمیٹ لانے کی اس کی مہم کے نتیجے میں یورپ والوں نے امریکہ کا تاریخ و جغرافیہ کے اوراق میں گم عظیم براعظم دریافت کرلیا۔ جس کے بعد یہ سپین، برطانیہ اور دوسری یورپی طاقتوں کی نو آبادی بن کر رہ گیا۔ مغربی نصف کرے اور یورپی براعظم کے درمیان دریافت ہونے والے اس زبردست رابطے نے دنیا کے اقتصادی، سماجی، سائنسی اور سیاسی خدوخال میں انقلابی تبدیلیاں برپا کردیں۔ اوران تبدیلیوں کے نتائج آج بھی اچھی طرح محسوس کئے جارہے ہیں۔

کولمبس اٹلی کے شہر Genoa میں اکتوبر 1451 کے آخری ہفتے میں کسی تاریخ کو پیدا ہوا۔ اس نے ملاح کا پیشہ اختیار کیا اور جہاز راں کی حیثیت سے کافی شہرت پائی۔ یورپی بادشاہوں نے مغرب کی جانب اس کی بحری مہمات کی بڑی سرپرستی کی لیکن ابتدائی ناکامیوں کو دیکھتے ہوئے پھران بادشاہوں نے اس کی مہمات کے لیے مالی مدد بند کردی۔ سپین کی ملکہ اسابیلا (Isabala) نے اس کی ایک مہم سے ہمدردی ظاہر کی اوراس کی مہم جوئی کے جوئے پر بھاری رقم خرچ کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔

چنانچہ کولمبس نے اپنی مہم کے لیے جہاز، ملاح، مرتبہ و منزلت، سفر کے اخراجات اور تجارت میں فیصد منافع، غرض جو کچھ بھی مانگا ملکہ نے اسے دینے پر آمادگی ظاہر کردی اور 1492ء میں وہ اپنی اس نئی مہم پر روانہ ہوگیا۔

طویل اور اکتا دینے والے بحری سفر اور ملاحوں کی بار بار کی بغاوتوں کے بعد بال آخر کولمبس کو زمین نظر پڑی۔ چنانچہ کولمبس اور اس کی مختصر سی پارٹی اس سرزمین پر اتر گئی جسے آج کل بہاماز (Bahamaz) کہا جاتا ہے۔ یہاں اترنے کے فوراً بعد کولمبس نے اس تمام علاقے کو اور اس کے بعد دریافت ہونے والے تمام علاقوں کو شاہ اور ملکہ سپین کی ملکیت قرار دے دیا۔ کولمبس نے اس نئی دنیا کے کل چار بحری سفر کئے اور اگرچہ وہ اپنے بنیادی مقصد کو حاصل کرنے اور مشرق بعید کے خزانوں کو شاہ و ملکہ سپین کے دربار تک لانے میں کامیاب نہ ہوسکا پھر بھی اس نے جو کامیابیاں حاصل کیں وہ کچھ کم نہ تھیں اور مثالی تھیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کولمبس کی نئی دنیا کی دریافت نے اسے دولت، عزت، شہرت، سیاسی اثر و رسوخ اور اقتدار سب کچھ عطا کیا تاہم سانتو ڈومینگو کی اس نئی کالونی پر نظم و نسق اور اقتدار برقرار رکھنے میں ناکامی پر اسے بہت ذلت و رسوائی اور بدنصیبی کا بھی سامنا

کرنا پڑا۔ کھوئی ہوئی عظمت واقتدار اور نیک نامی دوبارہ حاصل کرنے کے لیے کولمبس نے 9 مئی 1502 کو اپنی آخری بحری مہم کا آغاز کر دیا۔ یہ اس کا بہت ہی مہماتی سفر تھا جو اس نے بحیرہ کریسین (Caribbean) سے وسطی امریکہ تک مشرق کا راستہ تلاش کرنے کے لیے کیا۔ جو اسے نہیں مل سکتا تھا اگرچہ وہ سمجھتا تھا کہ ضرور ایسا کوئی راستہ ہے۔ جون 1504 میں کولمبس نے اپنے بچے کھچے ساتھیوں کے ہمراہ جمائکا سے سپین کے سفر کا آغاز کیا۔ وہ سانکلر (Sanchlar) سپین 7 نومبر 1504 کو پہنچ گئے۔ اس وقت تک فرڈیننڈ میگلان جنوبی امریکہ میں آبنائے کے راستے جو اب اس کے نام سے مشہور ہے جنوب میں نہیں پہنچ سکا تھا۔

اس نے یہ کامیابی پندرہ برس کے بعد حاصل کی۔

کولمبس نے اپنی عظیم الشان بحری مہموں میں جو کامیابیاں حاصل کیں وہ دنیا کی تاریخ میں بہت کم جہاز رانوں کے نصیب میں تھیں۔

کرسٹوفر کولمبس پر امریکہ یعنی نئی دنیا کی دریافت کا سہرا ہے۔ لیکن خود امریکہ کی تاریخ میں وہ ایک متنازعہ شخصیت قرار پاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کی موت بڑی بدنامی اور کسمپرسی کی حالت میں ہوئی اور وہ کہاں اور کن حالات میں مرا اس کا بھی کسی کو علم نہیں تاہم اس کے مرنے کے بہت عرصہ بعد اسے ایک قومی ہیرو تسلیم کیا گیا۔ جہاں اسے ایک عظیم جہاز راں مانا جاتا ہے وہاں اسے ایک ناکام منتظم اور ظالم شخص بھی کہا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ اوائل زندگی میں جب اس نے جہاز رانی کو اپنا پیشہ بنایا تو اس کے پاس تین بحری جہاز تھے جن کی مدد سے وہ ایشیا جانا چاہتا تھا۔ بلکہ سپین کی مدد سے جب وہ اپنی سمندری مہم پر انڈیا جاتے ہوئے بہاماز پہنچا اور اسنے اسے انڈیا سمجھ کر یہاں لنگر ڈال دیئے تو اسی غلط فہمی میں اس نے یہاں کے لوگوں کو ریڈ انڈین کا نام دیا لیکن بہت بعد میں اسے پتہ چلا کہ وہ انڈیا نہیں بلکہ نئی دنیا امریکہ دریافت کر چکا ہے جس علاقے میں وہ اترا وہاں اس نے شاہ اور ملکہ سپین کی حکومت قائم کر دی۔ شاہ نے اسے کریبیا کا گورنر بنا دیا لیکن یہاں اس کا طرز حکومت بڑا ظالمانہ تھا۔ بعض مورخوں نے اس پر غلاموں کی تجارت کرنے کا الزام لگایا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ یہ زمانہ اس کی مشکلات بدنامیوں اور ناکامیوں کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ اس نے دو شادیاں کیں اور اس کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ گزشتہ برس امریکہ میں اس کی پانچ سو سالہ سالگرہ منائی گئی۔

◆◆◆

امریکہ ایک نظر میں!

ریاست ہائے متحدہ امریکہ جغرافیائی' نسلی' ثقافتی اور لسانی اعتبار سے ایک متنوع سرزمین کا نام ہے۔ جہاں گھنے جنگلات' صحرا' پہاڑی سلسلے' مرتفائی میدان اور زرخیز فارم ہیں۔ اس براعظم میں تقریباً ہر قسم کی آب وہوا اور موسم پائے جاتے ہیں لیکن ملک کے بیشتر علاقوں میں موسم معتدل رہتا ہے۔ یہ عظیم براعظم مشرق میں بحراوقیانوس سے لے کر مغرب میں بحرالکاہل تک ساڑے چار ہزار کلومیٹر عریض رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ شمال میں کینیڈا سے جاملتا ہے اور جنوب میں میکسیکو اور خلیج میکسیکو کو چھورہا ہے۔ یوں سمجھئے کہ ایک تیز رفتار ٹرین 96 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چل کر ملک کے ایک سرے سے دوسرے تک پہنچنے میں 45 گھنٹے لے گی یا بالفاظ دیگر کوئی جیٹ طیارے مشرقی سرحدوں سے مغربی سرحدوں تک پہنچنے میں مسلسل پرواز کے 5 گھنٹے لے گا۔ بحراوقیانوس کے ساحلی ایئر پورٹ سے پرواز کا آغاز کرنے کے بعد یہ طیارہ اپلاچین کے یکساں پہاڑی سلسلے پر پرواز کرتے ہوئے گزرے گا اس کے بعد یہ عظیم مڈل ویسٹ کے سینکڑوں میلوں تک پھیلے ہوئے زرخیز زرعی فارموں پر سے پرواز کرتا ہوا شمال کی جانب بڑھے گا اور اگر موسم صاف ہو تو طیارے کے مسافر امریکہ اور کینیڈا کے درمیان سینہ ارض پر پھیلی ہوئی پانچ عظیم جھیلوں کا مشاہدہ کرسکیں گے۔ مغربی فضاؤں میں داخل ہونے کے بعد طیارہ وسیع وعریض مرغزاروں اور مویشیوں کی سرسبز چراگاہوں پر سے گزرتا ہوا برفانی چوٹیوں سے چمکتے ہوئے چٹانی پہاڑوں کا نظارہ کرائے گا۔ ان بلند پہاڑی سلسلہ ہائے کوہ کو اپنے وسیع تناظر میں لیے ہوئے یہ طیارہ کیلیفورنیا کی سرسبز و شاداب وادیوں میں داخل ہوجائے گا جہاں سے اس کی انتہائی منزل بحرالکاہل کی کسی ساحلی ایئرپورٹ زیادہ دور نہیں ہوگی۔ ہوائی اور الاسکا کی ریاستوں سمیت امریکہ کی پچاس ریاستوں کا کل رقبہ 90 لاکھ مربع کلومیٹر ہے۔ الاسکا شمال مغربی کینیڈا کی جانب سرحد بناتی ہے۔ جبکہ ہوائی بحراوقیانوس میں امریکہ کی اصل سرزمین سے 3200 کلومیٹر دور واقع ہے تمام ریاستوں میں رقبے کے لحاظ سے الاسکا سب سے بڑی ریاست ہے۔ جبکہ ملک کے جنوبی حصے میں ٹیکساس رقبے کی رو سے دوسرے نمبر پر ہے۔ صرف ٹیکساس فرانس سے بڑا علاقہ ہے اور الاسکا ریاست ٹیکساس سے بھی دوگنا ہے۔

مشرق میں اپلاچین کے پہاڑی سلسلہ کوہ سے لے کر مغرب میں راکی ماؤنٹین تک ملک کا سارا وسطی علاقہ قسمی اور مسوری دریاؤں اور ان کی شاخوں سے سیراب ہوتا ہے۔ یہ دریا جنہوں نے دس ہزار کلومیٹر رقبے پر آبپاشی کے نظام کا جال پھیلا رکھا ہے شمال

میں واقع بڑی جھیلوں سے نہر کے ذریعے منسلک ہیں۔ مسسپی دنیا کے عظیم ترین دریاؤں میں سے ہے اور امریکیوں کے نزدیک یہ ''دریاؤں کا باپ'' کے نام سے مشہور تھا۔ دریا کا اصل دھارا شمال کے پہاڑی سلسلوں سے خلیج میکسیکو کے دہانے تک بہتا چلا گیا ہے۔

دوسرے اہم دریاؤں میں الاسکا کا Yukon دریا ہے جو تین ہزار کلومیٹر علاقہ سے گزرتا ہے۔ Riogrande ہے جس کی لمبائی تین ہزار دو سو کلومیٹر ہے اور جو امریکہ اور میکسیکو کے درمیان حد فاصل کھینچتا ہے کولمبیا کا دریا کینیڈا سے نکلتا ہے اور امریکہ کے اندر Rockymount کے مغرب میں 19 سو کلومیٹر تک بہتا چلا گیا ہے۔ ایک اور اہم دریا کلوریڈو ہے جو راکی ماؤنٹین سے نکلتا ہے اور جنوب مغرب کی سمت دو ہزار تین سو کلومیٹر تک بہتا ہے اس میں سے 342 کلومیٹر تک یہ دریا گرینڈ کینن Canyon کے ہیبت ناک اور حیران کن پہاڑی سلسلوں میں سے گزرتا ہے۔ جو صدیوں تک دریاؤں اور بارشوں کی تراش خراش سے موجودہ صورت اختیار کر سکے ہیں۔ مگر اہم دریاؤں میں ہڈسن ہے جو اٹلانٹک (اوقیانوس) اوشن سے نیویارک پہنچ کر اتصال کرتا ہے۔ پوٹامک دریا ہے جو قومی دارالحکومت واشنگٹن کی حد بندی کر کام کرتا ہے۔ اس کے علاوہ OHIO بھی ہے جو اپلاچین ماؤنٹین سے نکل کر مغرب کی جانب بہتے ہوئے دیرا مسسپی میں پہنچ کر اپنا علیحدہ وجود کھو دیتا ہے۔

عرصہ دراز سے امریکہ کو ''کٹھالی'' سے تشبیہ دی جا رہی ہے جس میں ہر چیز پہنچ کر دوسری دھاتوں سے مل کر ایک جان ہو جاتی ہے۔ یہاں کے لوگوں کی اکثریت بھی ان نو آبادکاروں کے قبیلوں اور انکی اولادوں سے تعلق رکھتی ہے جو دنیا بھر سے اس نئی دنیا کو آباد کرنے اور یہاں اپنا نیا گھر بنانے کے لیے آئے۔ یہ لوگ اس وقت یہاں وارد ہوئے تھے جب اس براعظم کی اصل آبادی ''ریڈ انڈین'' باقی دنیا سے بے خبر الگ تھلگ جنگلوں دریاؤں اور پہاڑی سلسلوں میں منتشر حالت میں گزر بسر کر رہے تھے۔ امریکہ کی تاریخ میں ابتدا میں یہاں پہنچے والے نو آبادکار انگلستان اور نیدرلینڈ کے تھے' اس کے بعد یہاں کے عظیم اقتصادی وسائل اور مذہبی و سیاسی آزادیوں کی خبروں سے متاثر ہو کر دنیا کے مختلف حصوں سے لوگوں کی بڑی تعداد نے اس براعظم کا رخ کیا۔ تارکین وطن کا سیلاب 1880 سے 1914 تک پوری شدت سے امریکی ساحلوں پر یلغار کرتا رہا اور یوں امریکہ نے چار کروڑ 90 لاکھ نو آبادکاروں کو اپنے کشادہ دامنوں میں پناہ دی۔ ان میں سے 73 فیصد یورپ سے تھے۔ بہت سے لاطینی امریکہ' ایشیا' افریقہ' آسٹریلیا اور کینیڈا سے بھی وارد ہوئے۔

کم و بیش ساڑھے پندرہ لاکھ مقامی باشندے (انڈین) اسکیمو اور Aleuts جو شمالی امریکہ سے آنے والے اول اول نو آباد کاروں کی اولاد ہیں' اب بھی امریکہ میں آباد ہیں۔ ان میں سے بیشتر مغرب میں رہتے ہیں۔ بہت سے جنوب اور شمال کے وسطی

علاقوں میں بھی آباد ہیں۔ جو تین سو سے زیادہ قبائل پر مشتمل ہیں جن میں سے سب سے بڑا قبیلہ Navaho جنوب مغرب میں اقامت پذیر ہے۔

سیاہ فام لوگ سب سے پہلے افریقہ سے یہاں لائے گئے۔ ان کی حیثیت غلاموں کی تھی۔ 1863 میں ابراہام لنکن نے اعلان نجات کے ذریعے غلامی کا خاتمہ کر دیا تاہم محض اس اعلان نجات سے غلامی کو مکمل طور پر ختم نہ کیا جا سکا۔ بال آخر 1865 میں آئین میں تیرھویں ترمیم کے ذریعے اس اعلان توثیق کر دی گئی جس کے بعد انسان کی غلامی کا تصور تک ختم ہو گیا۔ تب امریکہ کی خانہ جنگی بھی ختم ہو چکی تھی۔

آج کل امریکہ کی مجموعی آبادی میں سیاہ فاموں کا تناسب 11 فیصد ہے کبھی یہ صرف جنوب کے زرعی علاقوں تک محدود تھے لیکن اب یہ سیاہ فام پورے ملک میں رہتے بستے ہیں۔ مثال کے طور پر وسط غرب کے شہر شکاگو میں 12 لاکھ سیاہ فام ہیں 1940 میں یہاں صرف 4 لاکھ تھے نیویارک ریاست میں سیاہ فاموں کی سب سے زیادہ تعداد بستی ہے۔ یہاں یہ لوگ 24 لاکھ دو ہزار کی تعداد میں آباد ہیں۔ ہر ۲۰ سال بعد یہاں ان کی تعداد میں دس لاکھ کا اضافہ ہو رہا ہے۔

سپین اور چین کے باشندوں کی تعداد امریکہ میں سب سے زیادہ تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ آج کل ان کی تعداد ایک کروڑ 46 لاکھ اور 36 لاکھ ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ یہ امریکہ کی آبادی کا 6.5 اور 1.6 فیصد ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق اس صدی کے آخر تک سپین کے باشندے امریکہ میں سب سے بڑے اقلیتی گروپ کی حیثیت اختیار کر چکے ہوں گے۔

ریاست ہوائی میں ایک تہائی باشندے جاپانی نژاد ہیں۔ جبکہ ایک تہائی کا کیشین ہیں۔ 15 فیصد پولی نیزین پس منظر رکھتے ہیں باقی آبادی فلپائن' کوریا اور چین کی نسلوں کے لوگوں کی ہے۔

1790 میں پہلی بار امریکہ میں مردم شماری ہوئی تھی۔ تب یہاں کی آبادی صرف 40 لاکھ تھی اور تقریباً سارے لوگ ساحلی علاقوں کے ساتھ ساتھ رہتے تھے اس وقت امریکہ کی آبادی 23 کروڑ 26 لاکھ ہے۔ اور گزشتہ 20 برسوں میں بے شمار لوگ ملک کے مغربی اور جنوبی حصوں کو نقل مکانی کر چکے ہیں۔ بحرالکاہل کے ساحلی علاقے کیلیفورنیا میں اسے وقت ملک کی آبادی کا بڑا حصہ رہائش پذیر ہے۔ بحر اوقیانوس کے ساح پر واقع ریاست نیویارک ملک کا دوسرا سب سے زیادہ گنجان آباد علاقہ ہے۔ ایک دوسری مغربی ریاست کولوریڈو بھی بڑی تیزی سے آبادی کو اپنی طرف متوجہ کر رہی ہے۔ اسی طرح کچھ دیگر مغربی ریاستیں مثلاً ایریزونا کی آبادی 1960 کے مقابلے میں دوگنا ہو چکی ہے جبکہ نواڈا اسی عرصے میں تین گنا گنجان آباد ہو گیا ہے۔ فلوریڈا کی جنوبی ریاست' جو اپنی

خوشگوار آب وہوا کی وجہ سے شہرت رکھتا ہے کی آبادی بھی گزشتہ 25 برسوں میں دوگنا بڑھ گئی ہے۔

امریکہ میں بڑی عمر کے لوگوں کی تعداد بھی بہت بڑھتی جا رہی ہے۔ 1960 میں یہاں 18 سال سے کم عمر لوگوں کی اوسط 36 فیصد تھی۔اب یہ شرح اوسط 27 فیصد رہ گئی ہے۔1960 میں یہاں 60 سال سے زیادہ عمر کے لوگوں کی تعداد ایک کروڑ 65 لاکھ تھی جو 1982ء میں 2 کروڑ 26 لاکھ ہوگئی۔

امریکی عوام کا مزاج سیماب آسا ہے۔ وہ کسی ایک جگہ ٹک کر نہیں رہتے ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت کرتے رہتے ہیں 17 فیصد امریکی ہر سال نئے مکانوں میں منتقل ہو جاتے ہیں اس نقل مکانی کے بڑے اسباب میں بہتر وسائل روزگار کی تلاش۔ بہتر آب وہوا اور عمدہ موسم کی جستجو اور کچھ دوسرے مسائل ہو سکتے ہیں۔ بہت سی فیکٹریوں نے اپنے نئے یونٹ اور شاخیں دوردراز علاقوں میں کھول لی ہیں اور یہ بھی کارکنوں کی نقل مکانی کا ایک بڑا سبب ہے۔

آج کل ہر چار امریکیوں میں سے تین افراد شہروں میں رہتے ہیں۔ 5 کروڑ 70 لاکھ افراد دیہی علاقوں میں آباد ہیں۔ میڈیکل سائنس کی ترقی کی وجہ سے کم سن بچوں اور بڑوں کی شرح اموات بڑی حد تک کم ہوگئی ہے۔اس وقت امریکہ کے 169 شہر ایسے ہیں جن کی آبادی ایک لاکھ سے اوپر ہے۔ 20 سال پہلے ایسے شہروں کی تعداد 130 تھی۔ بڑے بڑے شہروں مثلاً شکاگو ٗ اٹلانٹس ٗ فلیڈیلفیا۔ پنسلوینیا ڈیٹرائٹ اور مشی گن کے شہر اپنے خوبصورت مضافاتی ماحول سے یکسر محروم ہو چکے ہیں اور اب وہاں باغات۔ تفریح کے مراکز ٗ بچوں کے پارکوں اور کھیتوں کی جگہ بلند عمارتیں ٗ رہائشی فلیٹ اور فیکٹریاں تعمیر ہو چکی ہیں۔

نیو یارک امریکہ کا سب سے بڑا شہر ہے۔اور 1980 کی مردم شماری کے مطابق اس کی آبادی 70 لاکھ 71 ہزار تھی۔ جبکہ مضافات میں 20 لاکھ افرد بستے تھے۔ یہ شہر اپنی دریائی گزرگاہ نیوجرسی سمیت 1215 کلومیٹر طویل بندرگاہی گودیاں رکھتا ہے۔اسطرح یہ دنیا کی سب سے بڑی بندرگاہ کہی جا سکتی ہے۔تقریباً 6140 جہاز ہر سال 4 لاکھ 62 ہزار مسافروں کو لے کر یہاں لنگر انداز ے ہوتے ہیں جبکہ طیاروں کے ذریعے آنے والے لوگوں کی تعداد 6 کروڑ 40 لاکھ سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔

شکاگو دوسرا بڑا شہر ہے جس کی آبادی 31 لاکھ ہے۔ لاس اینجلز۔ کیلیفورنیا آبادی کے لحاظ سے تیسرے نمبر پر آتے ہیں۔ان کی آبادیاں 30 لاکھ کے لگ بھگ ہیں۔فلیڈیلفیا آبادی کے لحاظ سے چوتھے نمبر پر ہے۔جس کی آبادی 17 لاکھ ہے۔ یہ شہر امریکہ کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اعلان آزادی اور امریکہ کے آئین کی توثیق اسی شہر میں کی گئی تھی۔ ملک کے دارالحکومت واشنگٹن ڈی سی کی آبادی 6 لاکھ 37 ہزار ہے اور اس لحاظ سے یہ 17 ویں نمبر پر ہے۔ اسے دارالحکومت کے طور پر خاص منصوبہ بندی کے تحت

تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کی تعمیر 18 ویں صدی میں ایک فرانسیسی ماہر تعمیرات کی مرہون منت ہے۔ یہ بہت خوبصورت شہر عالمی امور کا مرکز ہے اور بڑی تیزی سے ایک بہت بڑے فنی و ثقافتی مرکز کے طور پر ابھر رہا ہے۔ امریکہ کے اس اجمالی تعارف کے بعد اب ہم امریکہ کے بارے میں کچھ دیگر اہم باتوں کا مختصراً ذکر کریں گے۔

◆◆◆

شخصی آزادی کی سرزمین

امریکہ کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی سب سے پہلا احساس جو ہوتا ہے وہ اس کی مثالی شخصی آزادی کا ہے۔ پانچ سو برس پہلے جب کولمبس نے یہ نئی دنیا دریافت کی تھی تو ایک وسیع و عریض اور بے آباد براعظم کو اپنے سامنے لاوارث پا کر دنیا بھر کی نظریں للچا گئی تھیں اور پھر دنیا کے کونے کونے سے لوگوں سے بھرے ہوئے جہاز یہاں آ آ کر اس کے ساحلوں سے لگنے لگے۔ سب سے پہلے برطانیہ والوں نے بڑھ کر امریکہ پر بھی چھاپہ مارا اس کے بعد اٹلی سپین فرانس پرتگال اور دوسرے یورپی ملکوں نے کالونیاں قائم کر کے اپنے جھنڈے گاڑنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی یوں یہ دیکھتے دیکھتے دنیا بھر سے آئی ہوئی قوموں کی ''لوٹ'' کی سرزمین بن گیا۔

اس لوٹ مار میں برطانیہ نے سب سے زیادہ ہاتھ مارا۔ اس نے فوجوں اسلحہ اور نظم و نسق کے ماہرین سے بھرے ہوئے جو جہاز بھیجے ان کی مدد سے دیکھتے ہی دیکھتے یہاں تاج برطانیہ کی نمائندہ حکومت قائم ہوگئی اور جس طرح آگے چل کر انگریزوں نے ہزاروں میل دور سے آ کر ہندوستان پر قبضہ کر لیا تھا اسی طرح یہاں بھی انگریزوں نے زیادہ سے زیادہ علاقوں پر قبضہ کر کے شاہ برطانیہ کا قانون نافذ کر دیا اور یہاں کے اصل باشندوں کو مار بھگایا۔ اس کی ان دراز دستیوں کا خود برطانیہ سے آ کر آباد ہونے والوں اور ان کی اولادوں نے بلکہ دوسرے ملکوں سے آنے والے لوگوں نے بھی برا منایا۔ بات بڑھی تو مختلف ملکوں سے آئے ہوئے لوگوں کی ایک دوسرے سے خاص طور پر انگلستان کے حاکموں اور ان کی فوجوں سے باقاعدہ جنگیں شروع ہوگئیں خود انگلستان سے یہاں آ کر امریکہ کو آباد کرنے والوں کو بادشاہ کی مداخلت گوارا نہ تھی چنانچہ جنگوں کا یہ سلسلہ کوئی دو سو سال تک جاری رہا۔ اور بال آخر یہاں انگلستان سمیت دوسرے سب ملکوں کا اقتدار ختم کر کے ان ملکوں کی قائم کردہ کالونیوں کو ریاستوں کا درجہ دے دیا گیا اور ان سب کو ملا کر ایک وفاق یعنی فیڈریشن وجود میں آ گئی۔ چونکہ امریکہ بھاگ بھاگ کر آنے والوں کا بڑا مقصد یہاں زیادہ سے زیادہ علاقے پر قبضہ کرنا اور اس کے دریاؤں اور قدرتی وسائل کو اپنے استعمال میں لانا تھا اس لیے نو آبادیاتی طاقتوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لیے دوسرے ملکوں کے سزا یافتہ اور جرائم پیشہ افراد خصوصاً افریقی ملکوں کے سیاہ فام باشندوں کو بڑی تعداد میں یہاں بھیجا' امریکہ کے اصل (قدیم) باشندے تو ہرگز کالے نہ تھے۔ انہیں کولمبس وغیرہ نے سرخ انڈین کا نام دیا تھا۔ انڈین اس لیے کہ جب اطالوی جہاز راں ہندوستان پہنچنے کا کوئی راستہ تلاش کرنے کے لیے یہاں پہنچا تو اس نے یہی سمجھا کہ وہ ہندوستان (انڈیا) پہنچ گیا ہے اور جب

اس کا واسطہ یہاں کے جنگلی اور غیر مہذب باشندوں سے پڑا تو اس نے انہیں رنگ کی مناسبت سے ریڈ انڈین کا نام دیا۔ چنانچہ آج امریکہ میں جو کالے نظر آتے ہیں وہ وہاں کے اصل باشندے نہیں یہ انہی افریقیوں کی اولاد ہیں اصل باشندے تو قابض طاقتوں نے بڑی بے دردی سے مارے۔ آج کسی کسی علاقے میں ان کی نسل موجود ہے اور اسے ''یادگار'' کے طور پر محفوظ اور خاص علاقوں تک محدود رکھنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

بات ہورہی تھی قابض طاقتوں کی۔ ہر غالب طاقت کمزور طاقت کو زیر کر کے اسے محکوم بنا لیتی' پھر لوگ دوسرے ملکوں سے صدیوں تک خرید کر اور غلام بنا کر لائے جاتے رہے اور بال آخر امریکہ غلاموں کا ملک بن کر رہ گیا۔ ایسے میں ایک امریکی رہنما ابراہم لنکن سامنے آیا جس نے نہ صرف جنگیں لڑ کر نوآبادیاتی طاقتوں کو ختم کیا بلکہ تمام ریاستوں کو متحد کر کے ایک ملک کی حیثیت دی اور اس ملک کو آئین دیا۔ اس آئین کی بنیادی بات جمہوریت اور مکمل شخصی آزادی تھی۔

امریکی آئین میں واضح طور پر درج ہے کہ ''کوئی کسی شخص کو اس کی مرضی کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ کسی شخص پر اس وقت تک کوئی پابندی نہیں لگائی جائے گی اور اسے نہیں روکا جائے گا جب تک وہ حکومت ملک یا معاشرے کے لیے خطرہ نہیں بنتا۔''

شروع میں دو تین سو سال تک دوسرے ملکوں کی طرح امریکہ میں زمین کے بڑے حصے پر فرانس نے بھی قبضہ کئے رکھا لیکن بال آخر مسلسل جنگوں کے ذریعے اسے بھی پسپا ہونا اور اپنے مقبوضہ علاقوں کو چھوڑنا پڑا۔

◆◆◆

امریکی قوم کیا ہے؟

امریکہ ایک ملک ہی نہیں ایک بہت بڑا براعظم بھی ہے اور یہاں گزشتہ پانچ صدیوں سے دنیا بھر کی اقوام جوق در جوق کھنچی چلی آ رہی ہیں۔ وسیع و عریض زمینیں اور بے پناہ وسائل کی وجہ سے یہ آج بھی دنیا کی ہر قوم کے لوگوں خصوصاً نوجوانوں کے لیے وجہ کشش بنا ہوا ہے۔ اس وقت کم و بیش ڈیڑھ سو قوموں کے لوگ نیویارک اور امریکہ کے دیگر شہروں اور دیہات میں آباد ہیں یہی وجہ ہے کہ جب کوئی غیر ملکی امریکہ کی سرزمین پر قدم رکھتا ہے تو وہ خود کو اجنبی محسوس نہیں کرتا۔ چین، جاپان، روس، جرمنی اور اٹلی وغیرہ کی طرح یہاں لوگ خود کو چینی، جاپانی، روسی، جرمن اور اطالوی نہیں کہتے اور نہ نو وارد کو بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ یہاں نہ اس کی زمین اپنی ہے اور نہ آسمان۔ وہ خود کو بھی دوسروں کی طرح انہی جیسا پاتا اور محسوس کرتا ہے اور جب وہ کسی سے سوال کرتا ہے کہ تم کیا ہو۔ تو اسے بہت کم یہ جواب ملتا ہے "امریکی" یہاں برسوں بلکہ کئی نسلوں سے آباد لوگ بھی ابھی تک یہ نہیں بھولے کہ وہ آئرش، برطانوی، پورٹوریکن، سپنش، یا گیانا وافریقہ سے تعلق رکھتے ہیں یا ان کے آباؤ اجداد وہاں سے آئے تھے۔

اگر آپ یہ چاہیں کہ آپ کو کوئی خالص امریکی النسل مل جائے تو یہ ناممکن ہے کیونکہ امریکی کوئی نسل نہیں۔ امریکی اگر کوئی قوم کہی جاسکتی ہے تو وہ دنیا کے بے شمار قوموں اور نسلوں کے اختلاط سے وجود میں آنے والی کوئی نئی نسل ہے اور یہ مخلوط نسل دنیا کی خوبصورت بھی اور ذہین ترین نسل بھی ہے۔ اب تو کالوں اور گوروں کے درمیان بکثرت شادیاں ہونے لگی ہیں۔ جنہوں نے باہمی قربتیں بڑھا دیں۔ رنگ و نسل کے فاصلے اور بھی کم کر دیئے ہیں۔

ایک فرانسیسی نژاد زراعت کار جے ہیکٹر سینٹ جانز کریوکوٹر نے اپنی کتاب "لیٹرز افرام این امریکن فارمر" میں خود ہی سوال کیا "یہ امریکن یہ نیا انسان کون ہے؟"

اور پھر خود ہی جواب دیتا ہے۔

"وہ یا تو یورپی ہے یا یورپی کی اولاد ہے۔ تاہم وہ خون کا عجیب و غریب امتزاج ہے۔ میں تمہیں ایک ایسے خاندان کے بارے میں بتاتا ہوں جس میں دادا انگریز تھا۔ اس کی بیوی ولندیزی۔ ان کے بیٹے نے ایک فرانسیسی عورت سے شادی کی اور جن کے موجودہ چار بیٹوں نے چار مختلف قوموں سے تعلق رکھنے والی عورتوں سے شادیاں کر رکھی ہیں۔ وہ ایک امریکن ہے جس نے تمام تر تعصبات اور

طور طریقے اپنے پیچھے چھوڑ دیے اور جس نئی زندگی کو اس نے اپنایا ہے اس کی نئی نئی باتوں کو بھی اس نے اختیار کر لیا ہے۔ وہ حکومت کا اختیار تسلیم کرتا ہے۔ اور اس کا ایک الگ ہی مرتبہ و مقام ہے۔"

اولین نو آبادکار

سولہویں صدی کے اوائل میں یورپ سے شمالی امریکہ کی طرف انسانوں کی نقل مکانی کی عظیم لہر شروع ہوئی۔ یہ لہر جس کا آغاز چند سو انگریز نو آبادکاروں کی نقل مکانی سے ہوا تین صدیوں تک جاری رہی اور اس نے آہستہ آہستہ لاکھوں کی تعداد میں آنے والے نو آبادکاروں کے سیلاب کی صورت اختیار کر لی۔ پر کشش اور مختلف النوع محرکات کے زیر اثر آنے والے ان لوگوں نے اس علاقے میں ایک بالکل نئی تہذیب کی تعمیر و تشکیل کی جو کسی زمانے میں وحشی براعظم کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔

امریکہ میں وارد ہونے والے اولین انگریز تارکین وطن نے ہسپانوی نو آبادیوں کو عبور کیا۔ نئی دنیا کے تمام ابتدائی مسافروں کی طرح وہ بھی چھوٹے چھوٹے اور گنجائش سے زیادہ بھرے ہوئے جہازوں میں آئے۔ چھ سے بارہ ہفتے کے اس بحری سفر میں انہیں بے شمار تکالیف کا سامنا کرنا پڑا اور بے شمار تو راستے کی تکالیف کا مقابلہ نہ کر سکے اور نئی دنیا میں پہنچنے کی حسرت لیے چل بسے۔

امریکہ میں اولین انگریز بستی ایک تجارتی چوکی کی صورت میں قائم ہوئی جس کی بنیاد 1607 میں اولڈ ڈومینین آف ورجنیا کے قصبہ جیمز ٹاؤن میں رکھی گئی تھی۔

امریکہ ایک ملٹی نیشنل سوسائٹی یا مخلوط النسل معاشرہ ہے جہاں چینی' جاپانی' امریفی' کوریائی' ہسپانوی اور ایشیائی باشندوں کے علاوہ لاطینی (جنوبی) امریکہ کے ملکوں سے آئے ہوئے لوگ کئی نسلوں سے آباد ہیں اور ہر دور میں مزید آتے جا رہے ہیں۔ یہ لوگ اپنے ساتھ اپنی اپنی تہذیبیں' روایتیں' معاشرتی خوبیاں اور برائیاں بھی لاتے ہیں۔ ان کے علاوہ یورپی ملکوں سے بھی بڑی تعداد میں لوگ آ آ کر آباد ہوئے ہیں۔ امریکہ کے اصل قدیم باشندے ریڈ انڈین بھی خال خال باقی ہیں۔ یہ لوگ مسلسل پسپائی اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ انسانی حقوق کے موجودہ دور کے چیمپئن نے ان کے ساتھ صدیوں تک جو ظالمانہ سلوک روا رکھا ہے اس پر انہیں آج بھی شرمندگی نہیں' تاہم سیاحوں کا ملک ہونے کے خیال سے اور دنیا کی نظروں میں بدنامی سے بچنے کے لیے اب ریڈ انڈین لوگوں کو ان کی مخصوص محفوظ آبادیوں میں رکھا جاتا ہے اور کچھ مراعات بھی دی جاتی ہیں کہنے کا مقصد یہ کہ امریکہ میں ایک مخلوط النسل معاشرہ تشکیل پا چکا ہے۔ جس میں ہر معاشرے کی برائیاں تو سمت آئی ہیں اچھائیاں اس معاشرے میں بہت کم پنپ سکی ہیں۔ سب سے بڑی برائی جنسی بے راہ روی ہے جس کا ہولناک انجام ہر دور اندیش کی آنکھ کو نظر آ سکتا ہے۔

◆◆◆

حیرتوں کے سلسلے

امریکہ پہنچ جانے کے بعد کئی دن ہم مسلسل حیرتوں سے دو چار رہے۔ پہلی بات تو یہ کہ نیویارک کی تمام چھوٹی بڑی سڑکیں اور شاہراہیں جنگلوں سے نکلتی تھیں۔ اور جنگلوں ہی میں غائب ہو جاتی تھیں۔ یوں لگتا تھا کہ صرف سڑکیں بنانے اور کہیں کہیں بستیاں تعمیر کرنے کے لیے جنگلات کو کاٹ کر جگہ نکال لی گئی ہے اور باقی تمام جنگلات کو جوں کا توں چھوڑ دیا گیا ہے۔ پارک اور جھیلیں بھی شہر کے اندر بے شمار تھیں اور سڑکوں کے ساتھ ساتھ بورڈوں پر ہرنوں کی تصویریں بنی تھیں جن پر لکھا تھا ''ہرنوں کا علاقہ شروع ہوتا ہے۔'' ''ہرنوں کا علاقہ ختم ہوتا ہے۔'' شکار سختی سے منع تھا۔ سڑکوں کا نظام تیز رفتار ٹریفک پولیس کے علاوہ مسلسل پرواز کرتے ہوئے ٹریفک پولیس کے ہیلی کاپٹر بھی کنٹرول کر رہے تھے کیا مجال جو کوئی مقررہ رفتار سے زیادہ سے ڈرائیو کر رہا ہو اور بچ کر نکل جائے فوراً چیک ہو جاتا تھا اور موقع پر ہی جرمانے کا ٹکٹ مل جاتا تھا۔

ٹریفک رائٹ ہینڈ ڈرائیو تھا۔ ہمارے ہاں تو انگریزی دور کا لیفٹ ہینڈ ڈرائیو سسٹم چلا آ رہا ہے۔ انگریزی نظام کے برعکس انہوں نے اپنے ہاں کلومیٹر رائج نہیں کئے بلکہ میل ہی مروج ہیں۔ فاصلوں کے لیے میل بھی نہیں بلکہ گھنٹوں کا پیمانہ استعمال کیا جاتا ہے مثلاً کسی کو بتانا ہو کہ فلاں شہر سو میل دور ہے تو کہتے ہیں (Two Hours Drive) ہے ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ سبزی وغیرہ گھر کے قریب ہی مل جائے۔ عام طور پر چھوٹی موٹی خریداری کے لیے بھی کار پر شاپنگ ایریا میں جانا پڑتا ہے۔ جسے مال کہا جاتا ہے یہ مال ہر شہر کے ڈاؤن ٹاؤن میں یا شہروں کے آس پاس تیس چالیس میل کے اندر ہوتے ہیں اور وسیع و عریض مارکیٹوں میں ہزاروں دکانیں اکٹھی ہوتی ہیں۔ ہر دکان اتنی بڑی ہوتی ہے کہ اس کے کئی فلور ہوتے ہیں جن پر آنے جانے کے لیے رقی موونگ ایکسیلیٹر یا ایلی ویٹر چل رہے ہوتے ہیں ان سنٹروں میں کمپیوٹر کے ذریعے منٹوں سیکنڈوں میں ڈبلی کیٹ چابی تیار کرنے سے لے کر ہر قسم کے لباس اور گراسری تک مل جاتی ہے۔

رائٹ ہینڈ ڈرائیور ہونے کی وجہ سے گاڑیوں کے سٹیرنگ بائیں ہاتھ پر ہوتے ہیں۔ نہ جانے ان امریکیوں کو انگریزوں سے کیوں بیر ہے۔ ان کی ہر بات کے یہ الٹ کرتے ہیں۔ بجلی وغیرہ کے بٹن انگلستان کی دیکھا دیکھی ہمارے ہاں بھی آن کرنے کے لیے نیچے کی طرف اور بند کرنے کے لیے اوپر کی طرف کئے جاتے ہیں لیکن امریکہ میں اس کے الٹ سسٹم ہے۔ بٹن نیچے کریں تو بند ہو جاتا

ہے۔ بجلی کی لوڈ شیڈنگ کبھی نہیں ہوتی۔ ہر شہر کے اپنے الگ الگ بجلی گھر ہوتے ہیں کوئی نیشنل گرڈ نہیں ہوتا۔ یہ بجلی گھر تھرمل بھی ہو سکتے ہیں اور ہائڈل بھی۔ یہاں اگر تھوڑی دیر کے لیے بھی بجلی چلی جائے تو گھروں کا ہیٹنگ سسٹم ختم ہو جائے اور امریکہ کی آبادی کا بڑا حصہ ٹھٹھر کر مر جائے اور کالے اٹھ کر شاپنگ سنٹروں کو لوٹ لیں۔

شاپنگ سنٹروں کی بات آئی ہے تو یہ بھی بتاتا چلوں کہ یہاں ''گیارہ مہینے ساڈے اک مہینہ تہاڈا'' والی بات نہیں ہوتی سارا سال ہی دکانوں پر سیل لگی رہتی ہے۔ عام طور پر فیکٹری پراڈکٹس کی قیمتیں چار گنا زیادہ رکھی جاتی ہیں۔ جب جی چاہا دکاندر 20 فیصد آف کے اشتہار لگا دیتے ہیں یہ آف پرائس 50 فیصد تک جاتی ہے۔ اور جب کرسمس یا کوئی خاص دن مثلاً بوڑھے والدین کا دن' مدرز ڈے' ڈیڈز ڈے' ویلنٹائن (محبوبوں) کا دن وغیرہ آتا ہے تو ایک دو دن کے لیے قیمتیں بہت ہی کم کر دی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ اعلان ہو جاتے ہیں کہ صبح سب سے پہلے آنے والے آٹھ یا دس گاہکوں کو 10 فیصد قیمت پر یا بالکل مفت (کوئی بھی خاص چیز) دے دی جائے گی۔ چنانچہ بڑی بوڑھیاں دکان کھلنے سے کئی گھنٹے پہلے ہی لائن میں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ ہمارے ہاں کی طرح فراڈ سیل نہیں ہوتی کہ پہلے قیمتیں بڑھا دیں اور پھر عید کی لوٹ سیل کا ڈھنڈورہ پیٹنا شروع کر دیا۔ اچھی بھلی چالو فرمیں ایک دم عدالتوں میں چلی جاتی ہیں اور دیوالیہ ہونے کا اعلان کر دیتی ہیں۔ عدالت لیکویڈیٹر مقرر کرتی ہے جو ان کے سیل سنٹروں کا مال نصف قیمت پر فروخت کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی خوب لوگ خریداریاں کرتے ہیں۔ عموماً اوسط طبقہ ایسی سیل کا منتظر رہتا ہے۔

کریڈٹ سسٹم بڑا عام ہے ہر بنک اور ہر بڑی فرم لوگوں کو اپنے کریڈٹ کارڈ تقسیم کرنے کے لیے بے چین ہوتی ہے۔ آئی ڈی کارڈ یا سکیورٹی کارڈ وغیرہ کی ضمانت اور بنک میں جمع رقم کی بنیاد پر یہ کارڈ آسانی سے مل جاتے ہیں بلکہ ڈاک میں گھر پر پہنچ جاتے ہیں اور طالب علمی کے زمانے سے لے کر بڑھاپے کے آخری سانسوں تک امریکی اور یہاں آنے اور رہنے والے ان کریڈٹ کارڈوں پر ہی خریداری کرتے اور ساری عمر قسطیں بھگتاتے رہتے ہیں۔ ان پر سود کی شرح 22 فیصد تک ہوتی ہے۔ اچھے گاہکوں کے لیے یہ شرح کم کر کے 15 فیصد تک کر دی جاتی ہے۔ ہمارے ہاں لوگ زندگی بھر اچھے مکان۔ عمدہ فرنیچر اور کار یا موٹر سائیکل حاصل کرنے کے خواب دیکھتے رہتے ہیں اور ساری عمر بچت کر کے رقم جمع کرتے ہیں تب کہیں ایک عمر بعد کوئی کوئی خوش نصیب اپنے خواب پورے کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ یہاں کریڈٹ کارڈ کی بدولت خواب نہیں دیکھنے پڑتے۔ فوراً جا کر کریڈٹ کارڈ پر بنگلا یا کار یا ٹی وی یا کوئی بھی چیز خرید لیجیے اور پھر آسان قسطوں پر ادائیگی کرتے رہیے۔ اگر کوئی قسطیں ادا کرنے میں پابند ثابت نہ ہو تو کمپیوٹر کے ذریعے اس کو بلیک لسٹ کر دیا جاتا ہے اور ساری فرموں کو الرٹ کر دیا جاتا ہے نیز اس کا کیس وصولی کرنے والی وکلا کی فرموں کو دے

دیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور بات قابل ذکر ہے۔ ہمارے ہاں کے جمعہ بازاروں اور منگل بازاروں کی طرح یہاں بھی کھلی جگہوں اور پارکوں وغیرہ میں بازار لگتے ہیں۔ یہ بازار اور دکانیں زیادہ تر شامیانوں تلے لگائی جاتی ہیں اور لوگ عام طور پر ویگنوں یا گاڑیوں میں سامان بھر کر صبح صبح لے آتے ہیں اور شامیانوں تلے دکانیں سجا لیتے ہیں۔ بعض لوگ شامیانوں تلے مال پڑا ہی رہنے دیتے ہیں دکانیں سارا ہفتہ لگی رہتی ہیں۔ دکاندار عام طور پر غیر ملکی مثلاً چینی' کوریائی یا ہندو سکھ ہوتے ہیں۔ چونکہ قیمتوں پر کنٹرول نہیں ہے لہٰذا جہاں گاہک پھنس جائے پھانس لیتے ہیں ویسے بڑی دکانوں کی نسبت قیمتیں عام طور پر کم ہی ہوتی ہیں۔ ایسی مارکیٹوں کو Fleay مارکیٹ کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ فیکٹریوں کی طرف سے Factory outlet شاپس بھی ہوتی ہیں جو فیکٹری پرائس پر فاضل مال کا نکاس کرتی ہیں۔

یہاں بھی ہمارے ملک کی طرح ''ہر مال ملے گا'' کی دکانیں لگتی ہیں یہ دکانیں جیکسن ہائٹس سے لے کر مین ہٹن تک کے دنیا کے سب سے بڑے اور مال دار لوگوں کے بازار تک میں دیکھی جا سکتی ہیں ایک دکاندار اگر ہر مال ایک ڈالر کا اعلان کرتا ہے تو اس کے مقابلے میں دوسرا ہر مال ۹۹ سینٹ اور تیسرا مال ۹۸ سینٹ کے اشتہار لگا دیتا ہے۔ اس کے علاوہ وہاں بھی ہمارے لوگوں کی طرح بہت سے دکاندار اور اسی طرح بہت سے امریکی فراڈیئے اور 420 بھی ہوتے ہیں۔ اس طرح ثابت ہوا کہ دنیا بھر میں انسان کی فطرت اور چھائیاں اور برائیاں ایک جیسی ہوتی ہیں۔

امریکہ میں نسلی امتیاز کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں مارٹن لوتھر کنگ کی جدوجہد کے نتیجے میں سیاہ فام اور مقامی ریڈ انڈین باشندوں کے ساتھ ہر قسم کا امتیاز ختم کر دیا گیا تھا۔ کسی کالے کو محض اس لیے تعلیم یا ملازمت سے محروم نہیں رکھا جا سکتا کہ وہ سفید فام نسل کا نہیں ہے۔ یہ کالے اب تو سیاست میں ہر مرتبے اور مقام تک پہنچ رہے ہیں۔ امریکہ کی کئی ریاستوں کے گورنر اور میئر سیاہ فام ہیں خود 1992 میں نیویارک کا میئر سیاہ فام ڈیوڈ ڈنکن تھا۔ جنسی امتیاز بھی قطعاً ممنوع ہے۔ دفتروں میں مردوں سے زیادہ عورتیں کام کرتی ہیں۔ جنسی طور پر ہراساں کرنا سخت جرم ہے۔ کالج اور یونیورسٹیاں ہوں یا دفاتر کوئی شخص کسی خاتون کارکن کو یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ آج تم کتنی خوبصورت لگ رہی ہو اگر کوئی شخص کسی لڑکی کو بھوکی یا چاہت اور پیار کی نظروں سے دیکھ لے تو وہ لڑکی اسے عدالت میں گھسیٹ کر لا سکتی ہے اور لاکھوں ڈالر کے ہرجانہ کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ کالجوں اور دفتروں میں باقاعدہ تحریری طور پر انتباہ کیا جاتا ہے کہ مردوں کے کون کون سے جملے Sexual Harressment کی زد میں آتے ہیں۔

امریکہ میں ہنگامی امداد کا فون نمبر 911 ہے۔ اس نمبر پر کوئی بھی شخص کسی بھی قسم کی مدد طلب کر سکتا ہے اور 5 منٹ کے اندر پولیس کی گاڑی اس کے پاس پہنچ جاتی ہے۔

امریکیوں میں لاٹری اور معمہ بازی کا شوق جنون کی حد تک ہے ہر دکان پر اور ہر اخبار یا میگزین میں لاٹری کے اعلانات ہوتے ہیں ہفتہ وار لاٹری امریکن لاٹو۔ بہت مقبول ہے لوگ عموماً ہر ہفتے ایک ڈالر کا ٹکٹ خرید لیتے ہیں اور اس پر ساٹھ ساٹھ لاکھ ڈالر کے انعامات نکلتے رہتے ہیں۔ امریکیوں کو گلہ ہے کہ وہ ساری عمر لاٹری ٹکٹ خریدتے رہتے ہیں مگر لاٹری عموماً غیر ملکیوں اور سیاحوں کی نکل آتی ہے۔ بیشتر لوگوں کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ ان کا لاکھوں ڈالر کا انعام نکل چکا ہے کیونکہ وہ اپنے ملک واپس جا چکے ہوتے ہیں ایسے انعامات عموماً سینئر ویٹرن فنڈ میں دے دیئے جاتے ہیں جو بوڑھے امریکیوں کا رفاہی ادارہ ہے۔ کاروبار کا ایک بڑا حصہ بذریعہ ڈاک عمل میں آتا ہے۔ غیر مطلوبہ ڈاک کی صورت میں تقریباً ہر گھر میں مصنوعات اور اشیاء کے اشتہار اور مفت سیمپل پہنچتے رہتے ہیں۔ بعض لوگوں کے بہت سے اخراجات ان مفت نمونوں کی وجہ سے بچ جاتے ہیں۔ جن اشیا کے لیے دکانوں میں نمائش کی جگہیں نہیں ہوتیں وہ ایسی ہی جنک میل کے ذریعے فروخت کی جاتی ہیں۔ ان کے بڑے خوبصورت کیٹلاگ شائع ہوتے ہیں اور خریداروں کو کم قیمت کے علاوہ انعامات کے بھی لالچ دیئے جاتے ہیں۔

تمام بڑی بڑی شاہراہوں کے اوپر رہنمائی کے لیے کمپیوٹر بورڈ آویزاں ہوتے ہیں۔ سڑکوں کے نام کی بجائے نمبر ہوتے ہیں اور جگہ جگہ انفارمیشن مراکز سے ایسے نقشے مفت مل جاتے ہیں۔ خطرناک علاقوں میں پولیس اور راہگیروں دونوں کی آگاہی کے لیے ہوشیار باش' کے بورڈ لگے ہوتے ہیں۔ ہوٹلوں کا کاروبار بہت وسیع ہے اور تمام بڑی سڑکوں پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ہوٹل سرراہ موجود ملتے ہیں۔ دکانوں میں سیل بڑھانے کے لیے کوپن سسٹم کی وبا عام ہے۔ گاہک کو رخصت ہوتے وقت عام طور پر کوپن دے دیا جاتا ہے کہ آپ آئندہ بھی آئے گا۔ یہ کوپن دکھانے سے آپ کو 50 فیصد رعائت ہو جائے گی ہر چیز کی خریداری کے لیے 90 دن کی آزمائش کی شرط ہوتی ہے۔ چیز پسند نہ آنے پر تین ماہ کے اندر واپس۔ یہ بتانے کی بھی ضرورت نہیں کہ آپ نے کوئی چیز کیوں ناپسند کی۔ فیکٹریوں' ہوٹلوں اور کاروباری اداروں سے اچھا لین دین کرنے پر ہر سال یا ہر چھ ماہ بعد کوئی نہ کوئی تحفہ مل جاتا ہے۔

ٹیکس بے پناہ ہیں۔ کنواروں کے لیے بہت زیادہ شادی شدہ اور بال بچے دار لوگوں کے لیے کم۔ سب سے زیادہ عیش ڈاکٹر' وکیل اور پروفیسر کرتے ہیں۔ ان کی عزت بھی بہت ہوتی ہے اور تنخواہیں اجرتیں اور معاوضے بھی بے حساب ہر شخص یہی کہتا ہے "یار میں تو حکومت کے لیے کماتا ہوں" ہر شخص مقروض ہوتا ہے۔ وفاقی حکومت اپنا ٹیکس کسی حالت میں نہیں چھوڑتی مگر پھر بھی ایسے بھی

لوگ ہیں جو اس ٹیکس سے بھی بچ جاتے ہیں حالانکہ یہ بہت بڑا جرم ہے۔ چالاک کاروباری آدمی بنکوں میں بھی لاکھوں کروڑوں کا ہیر پھیر کر جاتے ہیں۔ انہیں سارے داؤ پیچ ٹیکس کے ماہرین بتاتے ہیں۔

QUE کے اعجاز دیکھنے ہوں تو یہاں دیکھئے پاکستانیوں کی طرح دھکم پیل اور عربوں کی طرح لائن میں کھڑے لوگوں کی پروانہ کرنا اور سہل پسندی وحرام خوری یہاں قطعاً ممکن نہیں کتنی ہی لمبی لائن ہے کبھی ٹوٹنے نہیں پاتی اور جتنے افراد کاؤنٹر پر بیٹھے ہوتے ہیں سب ہی لائن کو جلد سے جلد فارغ کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ پوسٹ آفس ہو۔ بنک ہو یا ریلوے کسی جگہ کسی شخص کو صرف ایک کام کے لیے وقف نہیں کر دیا جاتا وہ سارے کام جانتا اور سارے کام کرتا ہے۔ مثلاً پوسٹ آفس میں جو شخص رجسٹریاں یا منی آرڈر وصول کر رہا ہے وہ لفافے اور ٹکٹ بھی فروخت کرتا ہے اور صبح آکر دفتر میں جھاڑو بھی لگاتا ہے۔

فیشن عام طور پر کالی لڑکیوں یا عورتوں میں یا شوبزنس سے وابستہ خواتین میں عام ہے۔ ویسے مرد تھیلا نما شرٹس اور پتلونیں یا نیکریں پہنتے ہیں۔ آجکل مردوں میں عورتوں کی طرح چٹیا رکھنے کا رواج بھی بڑھ رہا ہے۔

جنگل بکثرت ہیں اس لیے لکڑی کا عمارتوں میں استعمال بہت عام ہے۔ عام طور پر رہائشی مکانات سارے کے سارے لکڑی کے ہوتے ہیں۔ بجلی کے کھمبے تک تناور درختوں سے ہی بنائے گئے ہیں۔

قسطوں اور کریڈٹ کارڈوں کی وبا عام ہے۔ ہر کوئی بڑی آسانی سے کار اور مکان خرید لیتا ہے اور آسان اقساط میں قیمت ادا کرتا رہتا قرض دینے والوں کی بھی کوشش ہوتی ہے کہ قسطیں کبھی ختم نہ ہوں۔ اگر آپ کسی چیز کی یکمشت قیمت دینا چاہیں گے تو اسے ناپسند کیا جائے گا نئی کاریں اور مکانات لیز پر بھی تین ماہ سے تین چار سال تک کے لیے مل جاتے ہیں۔ تھیٹر سٹیج اور فلم شو بہت مہنگے ہیں۔ تھیٹر کا ٹکٹ پچاس ڈالر کا اور فلم کا سات ڈالر سے سو ڈالر تک کا ہوتا ہے۔ براڈوے کے سینما گھروں کے باہر لمبی لمبی قطاریں نظر آتی ہیں۔ بیشتر لوگ کئی کئی ہفتے پہلے بکنگ کرا رکھتے ہیں۔

امریکہ میں سودی کاروبار کرنے والے اداروں کے مالکان عام طور پر یہودی ہوتے ہیں۔ انشورنس کمپنیوں اور بنکوں کے مالک زیادہ تر امریکی کانگریس کے ارکان یا سینیٹر ہوتے ہیں۔

دودھ، ڈبل روٹی اور بچوں کی خوراک پر ٹیکس نہیں ہے۔ اس کے علاوہ تمام چیزوں کی فروخت پر 8.50 فیصد سیلز ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔

ہائی سکول تک سب کے لیے تعلیم مفت ہے۔ دوسرے ملکوں سے گئے ہوئے غیر قانونی لوگوں کے بچوں کو بھی عارضی طور پر داخلہ

دینے سے انکار نہیں کیا جاتا۔ کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم بہت مہنگی ہے۔ اور صرف کریم یا بہت ذہین لوگ ہی اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

اعلیٰ تعلیم اور اعلیٰ ملازمتوں کے حصول میں امریکیوں کو ترجیح دینے کے لیے ان کے لیے پاس نمبروں کی اوسط ۵۰ فیصد ہے جبکہ غیر ملکی طالبعلموں کو ۷۵ سے ۸۰ فیصد تک پاس مارکس لینے ضروری ہوتے ہیں اس کے باوجود پاکستان اور بھارت کے ذہین طالبعلم ڈاکٹری اور ٹیچنگ میں چھائے ہوئے ہیں۔

لوگ ہر ویک اینڈ پر گھروں کا فالتو سامان باہر سڑکوں پر نکال کر رکھ چھوڑتے ہیں یا گیراج سیل لگا کر اونے پونے فروخت کر دیتے ہیں۔ اس ملک میں خالی بوتلیں اور خالی ڈبے تک بک جاتے ہیں مگر اخبارات اور رسالوں کی ردی کا کوئی گاہک نہیں ہے۔ کالے ہوں یا گورے لوگوں کو اپنے امریکی ہونے پر فخر ہے اگرچہ ان میں سے خالص امریکی کوئی بھی نہیں ہوتا۔ یہ لوگ اپنے گھروں پر امریکی پرچم لگاتے ہیں اور گھروں کے بیرونی دروازوں کو خوبصورت اصلی پھولوں یا ربن وغیرہ سے بنے ہوئے مصنوعی پھولوں سے آراستہ رکھتے ہیں۔ طرز تعمیر پوری پوری آبادیوں اور بستیوں میں ایک جیسا ہی ہے۔ دو منزلہ یا تین منزلہ مکان نہیں ہوتے زیادہ سے زیادہ فلیٹ نما مکانوں کا فرسٹ فلور ہوتا ہے۔

ہلکی اور بھاری ٹریفک کے لیے الگ الگ راستے مقرر ہیں۔ بھاری ٹریفک کو رہائشی علاقوں سے گزرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔

خوبصورت علاقوں میں وسیع و عریض کوٹھیاں تو ہوتی ہیں لیکن ان میں رہنے والے ایک دو بوڑھے جوڑے ہی ہوتے ہیں جو بڑھاپے کی پنشنوں (سوشل سیکورٹی) پر گزر بسر کر رہے ہوتے ہیں۔ مرجائیں تو عام طور پر بے مروت اولاد دفنانے بھی نہیں آتی۔ یہ لوگ بھی اپنا ورثہ اولاد کی بجائے چرچ کو دے جاتے ہیں نئی نوجوان نسل میں شادی کا رواج نہیں رہا۔ اس کے بغیر ہی لڑکا لڑکی یا مرد عورت اکٹھے رہتے ہیں۔ بچے بھی پیدا کرتے ہیں اور ہر دو چار سال بعد اپنا شریک زندگی تبدیل کر لیتے ہیں۔ جس طرح لباس تبدیل کر لیا جاتا ہے۔ کسی کی مرضی کے خلاف دست درازی بہت بڑا جرم ہے۔ قانون یہ کہ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر نہیں چلا جا سکتا مگر ہوتا سب کچھ ہے۔

ملک کی پچاس ریاستیں ہیں۔ داخلی طور پر ہر ریاست کے اپنے قوانین۔ ٹیکسوں کا اپنا نظام اور اخلاقیات کے اپنے اصول ہیں۔ ٹی وی پروگراموں میں عریانیت اور فحاشی کوئی مسئلہ نہیں۔ نہایت بے ہودہ اور گندے پروگرام بھی ہوتے رہتے ہیں۔

VCR نے اخلاق اور حیا شرم سب چھین لیا ہے۔ کتابیں تک چھین لی ہیں اب کتابوں کا کاروبار کم اور ویڈیو آڈیو کیسٹوں کا کاروبار بہت بڑھ چکا ہے۔ بجا طور پر یہ اندیشہ محسوس ہو رہا ہے کہ پیپر پرنٹ میڈیا کا آخری دور ہے امریکی اخبارات میں خبریں بہت کم' تبصرے' سیاسی و مالیاتی پیش گوئیاں اور اشتہارات کی بھرمار ہوتی ہے۔ دوسرے ملکوں خصوصاً پاکستان کی خبر ہفتے میں ایک آدھ بار ہی نظر آتی ہے۔

نیویارک کے پانی میں کلورین ملائی جاتی ہے۔ غالباً اسی کی وجہ سے بال بکثرت گرتے ہیں۔ مردوں کے علاوہ عورتیں بھی گنجی ہوتی ہیں لیکن وگیں بکثرت استعمال ہوتی ہیں۔

میوزک لوگوں کے رگ و سینے میں سرایت کر چکا ہے۔ کہیں جاز بج رہا یا کہیں سے میوزک کی آواز کانوں میں پڑ جائے تو اچھے بھلے شریف آدمی تھرکنا شروع ہو جاتے ہیں۔

◆◆◆

پیزا کا لنچ

نیویارک پہنچنے اور سامان وغیرہ گھر پر رکھنے کے بعد میں نے اہلیہ کو ساتھ لیا اور حسب عادت تھوڑا سا ادھر ادھر پھر کر گردوپیش کا جائزہ لیا۔ لانگ آئی لینڈ کا علاقہ بڑا خوبصورت اور مہنگا علاقہ ہے اس کی حیثیت ویسی ہی ہے جیسے ہمارے لاہور میں گلبرگ کی۔ یہاں بہت مالدار لوگ' صنعت کار اور ایگزیکٹو یا بڑے سرکاری عہدیدار رہتے ہیں اور وہ بھی سارے سفید فام امریکی اور یہودی۔ ان میں کوئی ایشیائی یا تھرڈ ورلڈ کا باشندہ نظر نہیں آتا۔ نہ ہی یہ لوگ پسند کرتے ہیں۔ سٹریم ویلی پارک وے کے جس علاقے میں ہمارا مکان تھا وہ کشادہ سڑکوں اور بڑی بڑی کوٹھیوں والا علاقہ تھا۔ ہر گھر کے اندر سوئمنگ پول تھا لیکن گھر کے مکینوں میں زیادہ تر بڑی بوڑھی عورتیں اور ان کی پالتو بلیاں اور کتے ہی نظر آتے تھے۔ کبھی کبھار کسی کی سالگرہ کی تقریب میں ان کے بچے بچیاں اور ملنے والے نظر آجاتے تو کوٹھیوں کے عقبی حصے میں باربی کیو پارٹیاں ہو جاتیں۔ رنگا رنگ غبارے بلند ہوتے اور ان کے ساتھ ان بوڑھوں کی تیسری نسلوں کے قہقہے بھی تھوڑی دیر تک گونجتے سنائی دیتے اور ان کے رخصت ہو جانے کے بعد پھر وہی ویرانیاں' ویک اینڈ پر عموماً بڑی بوڑھیاں کار نکالتیں۔ پالتو جانوروں کو ساتھ بٹھاتیں اور ضرورت کا سامان خصوصاً گراسری وغیرہ خرید لاتیں۔ ہر گھر کے باہر فرنٹ پر سیڑھیوں کے دائیں بائیں پھولوں کی کیاریاں ہوتیں اور اگر بہار کا موسم نہ ہوتا تو مصنوعی پھولوں سے سجاوٹ پیدا کر لی جاتی۔ اکثر و بیشتر کوٹھیوں میں سیڑھیوں کے ساتھ اس قسم کے انتباہی بورڈ آویزاں ہوتے ''یہ مکان فلاں سکیورٹی سسٹم سے آراستہ ہے'' حفاظت کا معقول انتظام ہے۔ ایسے سکیورٹی سسٹم میں عام طور پر الارم بج اٹھتا' ایک دو نہیں سارے محلے والے جاگ اٹھتے اور بعض نے تو اپنے مکانوں کو پولیس سٹیشنوں سے بھی منسلک کر رکھا ہوتا۔ ہر دوسری تیسری کوٹھی کے باہر پھولوں کے درمیان حضرت مسیح و مریم کے سنگ مرمر کے تراشتے ہوئے خوبصورت مجسمے اور فوارے نصب ہوتے۔ دروازوں پر پھولوں کے گجرے لٹک رہے ہوتے اور اتنی بے پناہ خوبصورتی پیدا کی گئی ہوتی کہ بے اختیار ان کے پس منظر میں فوٹو کھنچوانے کو جی چاہتا۔ یہاں سڑکوں پر صرف کاریں دوڑتی نظر آتیں اور پیدل چلتا کوئی دکھائی نہ دیتا۔ صبح کے وقت مائیں اپنے بچوں کو سائیکلوں پر یا اکا دکا پیدل لے کر سکول جاتی نظر آتیں۔ اخبار والے صبح منہ اندھیرے ہر گھر میں اخبار پھینک کر چلے جاتے اخبار نیویارک ٹائمز۔ وال اسٹریٹ جرنل یا لوکل سٹار ہوتا۔ کچھ بوڑھے صبح سویرے ڈبل روٹی وغیرہ خریدنے کارنر شاپ پر آتے تو وہاں سے جاتے وقت اخبار بھی خرید لیتے۔ اخبار عام

طور پر ڈیڑھ دو سو صفحے کا ہوتا۔ اتوار والے دن تین سو صفحے کا اخبار ہوتا۔ عام دنوں میں اس کی قیمت ایک ڈالر اور اتوار کو ڈیڑھ ڈالر ہوتی۔ ہر تھوڑے فاصلے پر پارک اور جھیلیں ہیں۔ گرجا گھر اور کہیں کہیں یہودیوں کے Zeon معبد خانے بھی نظر آتے ہیں لیکن عام طور پر دروازے بند ہی رہتے ہیں۔ کبھی کسی کو ان میں آتے جاتے نہیں دیکھا۔ ہو کوٹھی کے لان کی باقاعدہ تراش خراش ہوتی ہے اور کسی کی کوٹھی کا فرنٹ بدنما ہو تو اسے میٹروپولیٹن کی طرف سے ٹھیک کرانے کا نوٹس آ جاتا ہے فوری طور پر صفائی نہ ہو تو سرکاری کارندے خود آ کر کر جاتے ہیں اور ادائیگی کا ٹکٹ مل جاتا ہے۔ ویک اینڈ پر لوگ اپنی کوٹھیوں کے گیراجوں میں' گیراج سیل لگا کر گھر کا فالتو سامان فروخت کر ڈالتے ہیں۔ کچھ دن پہلے اس کے اشتہار علاقے کے درختوں پر لگا دیئے جاتے ہیں۔

سفید فام نوجوان نسل کو اپنے اس علاقے میں غیر ملکیوں خصوصاً ایشیائی باشندوں کا آنا جانا قدرے ناگوار گزرتا ہے جس کا اظہار وہ کاروں میں گزرتے وقت ان کے خلاف نفرت بھری آوازیں نکال کر کرتے ہیں۔ ہم جب ایک سڑک پر پیدل گھوم پھر رہے تھے تو ایک بوڑھی عورت اپنی کوٹھی کے باہر گھاس کی تراش خراش میں مصروف تھی' اس نے ہمیں دیکھتے ہی کہا۔ ''آج میں نے بڑی مدت بعد اپنے علاقے میں کسی کو پیدل چلتے دیکھا ہے۔ یہاں کبھی کوئی پیدل چلتا نظر نہیں آتا۔ ہم نے کہا۔ ''پیدل چلنا صحت کے لیے بڑا ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ کسی نئے علاقے کو دیکھنے کے لیے کار میں نکلنا مقصد پورا نہیں کرتا۔''

اس روز ہم دوپہر کا کھانا کھانے کے لیے لانگ آئی لینڈ کے ایک اٹیلین پیزا ہٹ میں چلے گئے۔ نام تو اس کے باہر کھانے کی عام دکانوں کی طرح Dile لکھا ہوا تھا۔ یہ لفظ آپ کو پورے امریکہ میں برگر یا فاسٹ فوڈ بنانے والی دکانوں کے باہر لکھا نظر آئے گا۔ یہ باقاعدہ ہوٹل تو نہیں ہوتے بلکہ ان کا بزنس اسی قسم کا ہوتا ہے۔

اس پیزا شاپ میں تین نوجوان لڑکیاں کاؤنٹر پر سرو کر رہی تھیں اور ایک ویٹرس کے طور پر میزوں پر تیار پیزا پہنچاتی تھی ایک کوئی مالک یا منیجر ٹائپ شخص تھا۔ لڑکیاں بہت خوبصورت تھیں۔ بیٹے نے بتایا کہ عام طور پر یہ اسٹوڈنٹ ہوتی ہیں اور تعلیم کے اخراجات پورے کرنے کے لیے جز وقتی ملازمت کرتی ہیں۔ وہ تھوڑی دیر میں بڑے بڑے فرائی پین میں تیار کر کے گرما گرم پیزے لے آئیں۔ ان کے ساتھ چھری کانٹے اور سیون اپ یا دیگر اقسام کے سافٹ ڈرنک تھے۔ پیزا ہم نے پہلی دفعہ کھایا تھا اور بھی خالص اطالوی لڑکیوں کے ہاتھ کا بنا ہوا۔ یہ میدے یا کسی قسم کے آٹے وغیرہ کی روٹی کے اوپر پنیر اور نہ جانے کیا کچھ لگا کر تیار کیا جاتا ہے۔ بیٹے نے بتایا کہ یہاں مسلمانوں کو ہلال گوشت کے کھانے ملنے میں بہت مشکلات پیش آتی ہیں۔ اور وہ عام طور پر اسی پیزا پر ہفتوں گزارا کیا کرتے ہیں۔ پیزا کی قیمت پہلا بڑا ۱۲ ڈالر' دوسرا ۱۴ ڈالر' تیسرا دس ڈالر اور چھوٹا ۴ ڈالر کے حساب سے ہوتی ہے۔ بوتلوں

کی قیمت الگ ہوتی ہے۔ تین آدمیوں نے آسانی سے تیس ڈالر میں کھانا کھالیا۔ ادائیگی کے بعد ان لڑکیوں کو بیٹے نے پانچ ڈالر ٹپ بھی دے دی۔ خوش ہوگئیں اور نصف قیمت کا ایک عدد کوپن بھی تھما دیا تا کہ اس کے لالچ میں پھر بھی آئیں۔ پانچ ڈالر ٹپ دینے پر ہمیں خاصی حیرت ہوئی لیکن افسوس نہ تھا کیونکہ یہ لڑکیاں ایک تو اسٹوڈنٹ تھیں دوسرے ہم جیسے بزرگوں کے دلوں میں کبھی جاتی تھیں اور ٹپ دینے والا تو پھر بھی کنوارا نوجوان تھا۔

امریکہ میں کسی کو ہم نے سادہ پانی پیتے نہیں دیکھا غالباً یہ پانی ہمارے ہاں کے برعکس پینے کے سوا باقی تمام استعمالات میں آتا ہے۔ پینے کے لیے ان لوگوں کے پاس طرح طرح کے ڈرنکس یعنی شرابیں ہوتی ہیں اور جو شراب نہیں پیتے وہ سافٹ ڈرنکس استعمال کرتے ہیں۔ یہ سافٹ ڈرنکس ہمارے ہاں والے ادھر بھی مقبول ہیں یعنی پیپسی' سیون اپ اور مرنڈا وغیرہ۔ شوگر سے پرہیز کا خواہشمند اگر ان میں سے کچھ بھی نہ پینا چاہے تو ہوٹل وغیرہ میں سادہ پانی کی فرمائش کر کے دوسروں کو لمحہ بھر کے لیے دنگ ضرور کر سکتا ہے۔ اسی طرح میں نے ایک دن ویٹر سے اپنے لیے سادہ پانی کی فرمائش کی' وہ واٹر کے لفظ پر چونک سا گیا۔ میں نے اس کی حیرت دور کرنے کے لیے اپنا آرڈر دہرایا۔

Yes, Plain Water Placas.

ویٹر نے ایک بار پھر مجھے حیرت سے دیکھا اور کاؤنٹر کے قریب دوسرے ویٹر کو آواز لگائی۔

Courtesy One Glass

اور اس کے ساتھ ہی وہاں میزوں پر بیٹھے ہوئے سارے مردوں اور عورتوں کی نظریں ہم پر اٹھ گئیں۔ بہرکیف ایک گلاس کرٹسی یعنی پیش کر دیا گیا۔ یہاں ہم فرجوں میں پانی کی بوتلیں بھر کر رکھتے ہیں وہاں لوگ اپنے فرجوں میں فروٹ جوسز خاص طور پر ایپل جوس اور مرنڈا وغیرہ کی بڑی بڑی بوتلیں رکھے رہتے ہیں۔ گراسری پر ہر کوئی ان بوتلوں کے بڑے بڑے کریٹ یا درجنوں کے حساب سے ڈبے خرید لے جاتا ہے اور گھروں میں ان کا ذخیرہ ختم نہیں ہونے دیا جاتا۔

◆◆◆

آغاز سفر

لاہور سے نیویارک کی براہ راست پرواز رات پونے دو بجے شروع ہوئی یہ پرواز براستہ کراچی کابل جارہی تھی۔ چنانچہ دو گھنٹے کے اندر ہی ہم پاکستان کی فضائی سرحد سے نکلنے کے بعد افغانستان کے اوپر پہنچ چکے تھے۔ کابل وقندھار اگرچہ برف کی دبیز تہوں کے نیچے چھپے ہوئے تھے لیکن ہر ایک کو بخوبی علم تھا کہ ان دبیز برفانی پردوں کے پیچھے افغان خانہ جنگی پوری شدت اور گھن گرج کے ساتھ جاری ہوگی اور دوستم اور حکمت یار کے توپخانے کابل کے جنگ سے تباہ شدہ شہر کی اینٹ سے اینٹ بجارہے ہوں گے کیونکہ یہ بھی تو آخر مسلمان ہی تھے جو بڑی آسانی سے دشمن کے آلہ کار بن جاتے ہیں۔ اور بھول جاتے ہیں کہ عیار دشمن جب ان کو ختم کرنے میں ناکام ہوجاتا ہے تو انہیں آپس میں لڑا دیتا ہے۔

کابل پر سے نکلتے ہی ہم وسط ایشیا کے علاقے پر پہنچ گئے اور اس کے کچھ دیر بعد ماسکو کی طرف محو پرواز تھے۔ ہمارا چھوٹا سا طیارہ اب بڑے بڑے ہچکولے لے رہا تھا اور یوں محسوس ہورہا تھا کہ باہر غالباً کوئی برفانی طوفان چل رہا ہے جس کے سامنے یہ طیارہ بالکل بے بس ہے۔ مسافر ابھی تک صبر وشکر کی حالت میں تھے کہ پائلٹ نے بتایا کہ ہم طیارے کی غیر متوازن پرواز کو درست کرنے کیلئے ۳۵ ہزار فٹ کی بلندی پر جارہے ہیں۔ اس کے بعد بھی غیر متوازن پرواز غیر متوازن ہی رہی اور فرینکفرٹ تک کوئی سکون کا لمحہ نہ آیا۔

بال آخر خوف اور تجسس کے یہ ملے جلے لمحے بھی کٹ گئے فرینکفرٹ میں صبح کا وقت تھا اور طیارے سے اس کے شہر کا منظر بالکل متاثر کرنے والا نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ درجہ حرارت ۷ درے ہے۔ کشادہ دیہاتی ماحول میں دریائے رائن خاموشی سے بہہ رہا تھا۔

فرینکفرٹ میں اترے تو قطعاً یہ علم نہ تھا کہ یہاں گھنٹوں کے حساب سے رکنا پڑے گا۔ عام طور پر یہاں طیارے میں تیل بھرنے کے لئے چالیس پینتالیس منٹ رکنا ہوتا ہے۔ جب ایک دو گھنٹے مسافروں کو ٹرانزٹ لاؤنج میں جانے کی اجازت دے دی جاتی ہے۔ جب ایک دو گھنٹے ٹرانزٹ لاؤنج میں گھومتے گذر گئے تو پی آئی اے حکام سے پوچھا گیا حضور کب دوبارہ پرواز کا ارادہ ہے؟ ابھی کچھ پتہ نہیں طیارے کے سسٹم کی خرابی دور کرنے کے لئے انجینئر کو طلب کرلیا ہے۔ دو گھنٹے مزید گزر گئے تو بتایا گیا کہ انجینئر آچکا ہے اور اب مطلوبہ پرزہ منگوایا جارہا ہے اتنے میں اعلان کیا گیا۔ پی آئی اے کے مسافر ڈی ونشی ہوٹل میں چلیں وہاں انہیں کھانا

کھلایا جائے گا۔ٹرانزٹ لاؤنج کی بھول بھلیوں سے گذرے اور ہوٹل کو تلاش کرتے ہوئے ہم وہاں پہنچ گئے ہوٹل کا نام اطالوی مصور کے نام پر رکھا گیا تھا لیکن اس میں کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ لوگوں کا اسقدر اژدھام تھا کہ فلائٹ کے ستر کے قریب پاکستانی مسافروں کے یکجا بیٹھنے کی جگہ نہ تھی۔ تاہم ایک الگ ونگ میں بیٹھنے کا تو اہتمام کر دیا گیا اس کے بعد باری باری پوچھا گیا'' کیا کھائیں گے؟'' بیشتر کی طرف سے بتا دیا گیا'' پاکستانی کھانے۔نو پورک۔نو ڈرنک'' کچھ پاکستانی نوجوان ایسے تھے جو ڈرنک کے رسیا تھے چنانچہ انہوں نے کسی قسم کا حجاب رکھے بغیر اپنی محفل الگ جمالی اور وہاں سب کچھ چلنے لگا۔ دوسرے لوگوں کی باری بہت دیر میں آئی۔ ہوٹل کے بدتمیز ملازم محض یاددہانی پر لڑنے اور بے عزتی کرنے کے لئے تیار ہو جاتے غالباً انہیں غصہ تھا کہ پاکستانی کیوں ہیں اور پاکستانی کھانے کیوں مانگ رہے ہیں۔ یہ پاکستانی کھانے تیار کرنے میں انہیں ڈیڑھ گھنٹہ لگ گیا۔ پاکستانی کھنائے یعنی چاول اور وہ بھی کچے اور فراش بین پھلیاں۔ وہ بھی ادھ گلی۔ بالکل پھیکی۔ سب نے انتہائی بھوک کے باوجود چکھ کر چھوڑ دیا اور لاؤنج میں آ کر بیٹھ رہے۔ ٹرانزٹ لاؤنج میں گھومتے پھرتے اور جرمن دوشیزاؤں کو جن میں سے بیشتر سکرٹ میں تھیں دیکھتے دیکھتے آنکھیں تھک چکی تھیں۔ اور اب ہم میں سے کسی کو جرمن معاشرے کے اصل خدوخال دیکھنے سے کوئی دلچسپی نہ تھی بس ایک ہی خواہش تھی کہ کسی طرح اپنا طیارہ ٹھیک ہو جائے اور منزل کی طرف روانہ ہوں۔ کئی فیملیوں کو فکر تھا کہ انہوں نے نیویارک سے آگے سیٹل جیسی دور دراز ریاستوں اور کئی نے کینیڈا جانا ہے وہاں انہیں لینے کے لئے عزیز و اقارب آئے بیٹھے ہوں گے۔ ایک نوجوان خاتون اپنے دو سال کے بچے کے ساتھ کینیڈا جا رہی تھی۔ اس کا خاوند شادی کے بعد اسے چھوڑ کر کینیڈا میں غائب ہو گیا تھا اور اب وہ ویزا لے کر اس کا پتہ لگانے جا رہی تھی۔ غریب بہت پریشان تھی کہ اسے انگریزی بھی نہیں آتی تھی اور اس کا کوئی ہمسفر بھی نہ تھا۔ بس ایک کاغذ پر انگریزی میں اپنا مفہوم و مدعا کسی سے لکھوا کر لائی ہوئی تھی۔ ایک اور لڑکی نیویارک کی عیاشیوں میں کھو جانے والے اپنے جیون ساتھی کی تلاش میں جا رہی تھی۔ اسے بھی واجبی سی انگریزی آتی تھی وہ پریشان تھی کہ اسے وہ لینے کے لئے ہوائی اڈے پر آتا ہے یا نہیں نہ آیا تو وہ اسے کیسے تلاش کرے گی۔ اس کے مکان تک کیسے پہنچے گی؟ وغیرہ ایسے ہی اور کتنے المیے ہیں جو نوجوان نسل کے امریکہ جانے کے جنون نے پیدا کر رکھے ہیں یہ گھاؤ کتنی معصوم بے آسرا اور بھولی بھالی لڑکیوں کی زندگیوں کے لئے ناسور بن چکے ہیں اور کب تک بنتے چلے جائیں گے۔ کاش ہمارا اپنا ملک کسی قابل ہوتا کہ نوجوان کو اپنے ملک میں ہی باعزت روزگار مل جاتا اور وہ بہنوں کا جہیز گروی رکھ کر مغربی ملکوں کا رخ نہ کرتے۔

پورے نو گھنٹے کے انتظار کے بعد پی آئی اے کے کاؤنٹر سے اعلان کیا گیا کہ مسافر طیارے میں اپنی نشستوں پر واپس پہنچیں

فلائٹ روانگی کے لئے تیار ہے۔ ائیر لائنز کے ایک افسر معذرت خواہانہ انداز میں کہہ رہے تھے۔

''جہاز کی خرابی دور کرنا بڑا ضروری تھا کیونکہ یورپ سے امریکہ کا آگے کا تمام سفر سمندر کے اوپر ہے اور ہم اتنے مسافروں کے ساتھ کسی قسم کا رسک لینے کا تیار نہیں تھے۔''

طیارہ روانہ ہوا تو اس بات سے خاصا اطمینان ہوا کہ پرواز ہموار تھی یقین نہیں آ رہا تھا۔ نیویارک پر لینڈ کیا تو ہمیں پرواز شروع کئے ۲۵ گھنٹے گذر چکے تھے۔

نیویارک کا وقت ہمارے پاکستان کے وقت سے دس گھنٹے پیچھے ہے۔ یعنی اگر پاکستان میں جمعہ کا دن ختم ہو کر شام ہو رہی ہو تو نیویارک میں جمعہ کی صبح طلوع ہو رہی ہوتی ہے۔ سردیوں میں یہ فرق نو گھنٹے کا رہ جاتا ہے عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ لاہور سے نیویارک کی فلائٹ چونکہ ۱۸ گھنٹے کی ہے اس لئے وہاں سے جمعرات کی رات کو روانہ ہونے والے نیویارک پہنچ جانے کے بعد جمعرات سے آگے نہیں بڑھنے پاتے۔ نیویارک دنیا کا بہت خوبصورت بہت بڑا اور بہت مصروف ائیر پورٹ ہے۔

جان ایف کینڈی ائرپورٹ پر اترنے کے بعد بڑی دیر تک ہم اس آواز کے منتظر رہے جو نئے آنے والوں کو خوش آمدید کہتی ہے۔ بہت جگہوں پر پڑھا اور بہت سے لوگوں سے سنا تھا کہ نیویارک آنے والوں کا خیر مقدم اس آواز سے کیا جاتا ہے۔

''ہم اپنے صدر کی طرف سے نئی دنیا میں آمد پر آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں' آج ہمارے کان اس آواز کو ترس رہے تھے۔ غالباً اب دنیا بھر سے لوگ امریکہ پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ ہر نوجوان یہاں آنے کے خواب دیکھنے لگا ہے اور اس خوبصورت نئی دنیا کو اب مزید لوگوں کو خوش آمدید کہنے کی ضرورت نہیں رہی یہی وجہ ہے کہ امریکی سفارتخانے یہاں آنے کے خواہشمند لوگوں کو اب آسانی سے ویزے نہیں دیتے۔

دوسرے ملکوں سے آنے والوں کے طیارے عام طور پر سیدھے نیویارک اتارے جاتے ہیں۔ واشنگٹن اور دوسرے شہروں کا جانے والوں کو یہاں سے طیارے بدلنے ہوتے ہیں۔ پاکستان میں بھی دارالحکومت اسلام آباد کو ورلڈ ٹریفک سے بڑی حد تک بچا کر رکھا گیا ہے۔ ویسے بھی دنیا کے چند ایک بڑے خوبصورت شہروں میں نیویارک سرفہرست ہے۔

نیویارک امریکہ کا دل ہے اور نیویارک کا دل اس کا مشہور و معروف مرکزی حصہ مین ہٹن ہے جو دراصل ایک بہت بڑا کاروباری مرکز ہے۔ نیویارک امریکیوں کو بہت پیارا ہے اور وہ اسے بگ ایپل کہتے ہیں پتہ نہیں یہ نام کب اور کیوں رکھا گیا۔ ایپل تو کھانے کی چیز ہوتی ہے مگر نیویارک تو کھانے کی نہیں دیکھنے کی چیز ہے۔ ہر سال نو کے آغاز پر مین ہٹن کے نہایت خوبصورت چوک ٹائم سکوائر میں

رات ٹھیک ۱۲ بج کر ایک منٹ پر جب پرانا سال رخصت ہو چکا ہوتا ہے اور نئے سال کی پہلی ساعت ہوتی ہے نہایت بلندی سے روشنی کا ایک بڑا سیب آہستہ آہستہ اترنا شروع ہوتا ہے۔ مین ہٹن کا سارا علاقہ بقعہ نور بن جاتا ہے اور پھر اس بگ ایپل کے زمین پر آتے آتے ہر طرف بہت بڑا جشن شروع ہو جاتا ہے سڑکوں اور چوکوں پر بہت بڑی بڑی گاڑیوں میں یا سٹیجوں پر رکھے ہوئے بینڈ وڈیو میوزک اور جاز بج اٹھتے ہیں اور اہل نیویارک نئے سال کا خیر مقدم کرتے ہوئے صبح تک گاتے بجاتے اور ناچتے رہتے ہیں۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب نیویارک میں ہر طرف برفباری ہو رہی ہوتی ہے اور تمام گھروں اور مکانوں میں منایا جانے والا کرسمس کا جشن ابھی ختم نہیں ہوا ہوتا۔ یہ دو جشن مل کر لوگوں کی خوشیوں کو دوبالا کر دیتے ہیں۔ دیکھنے والے کہتے ہیں کہ دودھیا برف میں لپٹا نیویارک ناچ رنگ رقص و سرور میں ڈوب کر عجب خوابی سا منظر پیش کرتا ہے جو مدتوں یاد رہتا ہے یہ تو تھی بگ ایپل سے نیویارک والوں کی محبت کہ اس کے پیار سے رکھے ہوئے نام کو بھولنے نہیں دیتے۔

اس نئی دنیا میں جہاں کبھی دنیا بھر سے کالے گورے جرائم پیشہ غرض ہر قسم کے سزا یافتہ و غیر سزا یافتہ لوگوں کو جہازوں میں بھر بھر کر لایا جاتا تھا اگرچہ ابھی تک اس کا وسیع و عریض علاقہ خالی پڑا ہے تاہم امکانات کی اس وسیع و عریض سرزمین میں اب لوگوں کو اندھا دھند نہیں بلکہ ایک خاص اور سوچے سمجھے منصوبے کے تحت آنے اور آباد ہونے دیا جاتا ہے۔ امریکیوں کو اپنی فصلوں اور پیداواروں تک کا بڑا خیال ہے۔ یہاں آنے والے لوگوں سے یہاں اترتے وقت ایک فارم بھروایا جاتا ہے جس میں پوچھا جاتا ہے کہ آپ اپنے ساتھ کیا کچھ لائے ہیں۔ کسی قسم کی کھانے پینے کی چیزیں حتی کہ ادویات پھل فروٹ (خشک و تازہ) اور مصالحہ جات یہاں تک کہ پودوں کے بیج اور درختوں کی قلمیں تک آپ امریکہ نہیں لا سکتے۔ ہمارے پاس نہایت اعلیٰ قسم کے آم تھے۔ فارم میں درج کر بیٹھے چنانچہ ائیر پورٹ پر دھر لئے گئے۔ فریش فروٹ (مینگوز) کے لفظ پر سرخ دائرہ لگ کر ہمیں کسٹم کاؤنٹر والے کے سپرد کر دیا گیا جس نے بیگ کھول کر ایک ایک آم نکال کر پاس رکھے ہوئے ڈرم میں پھینک دیا۔ اس کالے کو بہت سمجھایا کہ بھئی یہ اعلیٰ نسل کے آم اپنے کھانے اور اپنے عزیزوں کو تحفہ میں دینے کے لئے ہیں کسی امریکی کو ہرگز نہیں کھلائیں گے۔ لیکن اس نے ایک نہ سنی پھر اس سے اس گستاخی کی وجہ پوچھی تو کہنے لگا۔ اس آم کی گٹھلی یہاں ہماری آموں کی نسل کو تباہ کر دے گی۔ سبحان اللہ کیا منطق ہے یعنی اس نئی دنیا میں باہر سے آنے والی ہر چیز قابل نفرت اور ناقص ہے۔ ابھی پہلی پہلی دفعہ تھی اور تجربوں سے نہیں گذرے تھے ورنہ اسے ضرور بتاتے کہ تمہارے پھلوں میں نہ تو ذائقہ ہوتا ہے اور نہ خوشبو۔ سنبھال کر رکھو اپنی پھلوں کی نسل کو ہمارا ایسا ایک آم چکھ لو خوابوں میں بھی ساری عمر یاد کرو گے۔ بہرحال بعد میں پتہ چلا کہ خود اقراری اور رضا کارانہ طور پر معلومات مہیا کرنا دنیا میں ہر کہیں بے وقوفی کے

زمرے میں آتا ہے۔ جن لوگوں نے فارم پر ظاہر نہیں کیا تھا وہ ایسی ڈھیروں ''ممنوعہ'' چیزیں لے کر نکل آئے تھے۔ ہمارے پاس ہیروئن تو تھی نہیں۔ اپنے کھانے کے لئے فروٹ ہی تھا۔ ہمارے ساتھ ایک دل کے مریض بھی تھے ان کی تمام دوائیں لے کر گٹر کے ڈرم میں پھینک دی گئیں۔ سنا تھا کہ ہوائی اڈے پر ویزا اسٹیمپ کرانے اور تلاشی کے مرحلوں میں خاصی دیر لگ جاتی ہے لیکن یہ سب کچھ جلد اور غیر محسوس طریقے سے ہو گیا۔ باہر نکلے تو صبح کے ۱۱ بجے کی بجائے مقامی وقت کے مطابق شام کے آٹھ بج رہے تھے اور ہمیں لینے کے لئے ہمارا بیٹا اپنے دوست کے ساتھ آیا ہوا تھا۔ میں نے اپنی گھڑی پر اچٹتی ہوئی نظر ڈالی۔ ''آپ اپنا ٹائم یہاں کے مطابق کر لیجئے'' بیٹے نے کہا اب وہاں کتنے بجے ہوں گے اور لوگ دفتروں کو جانے کی تیاری کر رہے ہوں گے یا سونے کی میں نے جواب دیا۔ بیٹا میری سادگی پر ہنس دیا۔ ''ایک بات سمجھ نہیں آتی۔ یہاں رات کے آٹھ بج رہے ہیں اور ابھی تک خاصی روشنی ہے''

''بات یہ ہے کہ یہاں گرمیوں میں سورج رات کے ساڑھے آٹھ بجے غروب ہوتا ہے جبکہ طلوع ساڑے پانچ بجے ہوتا ہے۔ سردیوں میں سہ پہر چار بجے ہی ہر طرف گھپ اندھیرا چھا جاتا ہے لوگ گھروں میں گھس جاتے ہیں اور سڑکوں پر سوائے برف اور سرد جھکڑوں کے کچھ نہیں ہوتا۔''

''عجب دنیا ہے۔'' میں یہاں کے بارے میں اس پہلے انکشاف پر ہی حیران رہ گیا۔

مارچ کی آخری تاریخ تھی۔ ہوا میں ابھی خاصی خنکی تھی۔ ہم پھٹی پھٹی آنکھوں سے نیویارک کی نہایت اور عالیشان سڑکوں۔ دو طرفہ پھیلے ہوئے جنگلوں اور کہیں کہیں بلند و بالا عمارتوں کی جھلکیاں دیکھتے ہوئے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ جب ہم لاہور سے چلے تو رات کے آٹھ گھنٹے گذر چکے تھے اور جوں جوں ہمارا طیارہ آگے بڑھ رہا تھا وہاں بھی رات پڑتی چلی جا رہی تھی۔ اس طرح بعد کے دس گھنٹے بھی ہمارے طیارے نے رات کی تاریکی میں ہی سفر کیا۔ یوں اس سفر میں ہم نے جو پہلی رات بسر کی وہ ۱۶ گھنٹے کی تھی۔ فرینکفرٹ پہنچے تو وہاں صبح طلوع ہو رہی تھی۔

نیویارک کے جان ایف کینڈی ائرپورٹ سے باہر نکلتے ہی خوشگوار اور سرد ہواؤں نے آگے بڑھ کر استقبال کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے پاکستان میں بھی یہ دن گرم نہیں ہوتے اور شام کے وقت ہوائیں گذری بہار کی یاد تازہ کرتی گذرتی ہیں اگرچہ نیویارک کی ہوائیں گذری بہار کی بازگشت تو نہ تھیں البتہ آنے والی بہار کی پیغامبر فرور محسوس ہوتی تھیں۔

ہماری منزل نیویارک نہیں بلکہ اس سے آگے نیوجرسی تھی۔ نیویارک اور نیوجرسی کی حیثیت جڑواں شہروں کی سی ہے جیسی کہ اسلام آباد اور راولپنڈی کی ان دونوں شہروں میں بظاہر کوئی حد فاصل نہیں۔ زیادہ سے زیادہ فیض آباد اور راولپنڈی کی آخری حد اور وہاں

سے آگے کا علاقہ اسلام آباد کا نقطہ آغاز کہا جاسکتا ہے۔ ادھر نیویارک اور نیوجرسی کے درمیان دریائے ہڈسن پر سے گذرنے والی دو دو میل لمبی ٹنل TUNNELS یعنی سرنگیں ہیں ان میں سے ایک ہالینڈ ٹنل ہے جسے آج سے ایک صدی سے بھی زیادہ عرصہ پہلے ہالینڈ سے امریکہ میں آ کر آباد ہونے والوں نے تعمیر کر کے انجینیر نگ کا محیر العقول کارنامہ انجام دیا تھا۔ دوسری لنکن ٹنل ہے یہ بھی کم وبیش ایک صدی قبل تعمیر کی گئی تھی۔ دونوں سرنگیں اتنی کشادہ ہیں کہ بیک وقت دو گاڑیاں آ جاسکتی ہیں۔ چونکہ ان دونوں شہروں میں ٹریفک بہت بڑھ چکا ہے اس لئے اس بات کا بڑا خیال رکھا جاتا ہے کوئی کار یا گاڑی سرنگ کے اندر خراب نہ ہو جائے ورنہ سارا ٹریفک رکتے ہی میلوں لمبی قطاریں لگ جائیں گی۔ سرنگوں میں داخل ہونے سے پہلے ٹریفک پولیس گاڑیوں پر کڑی نظر رکھتی ہے۔ اگر کسی پرانی کار پر یہ گمان گذرے کہ یہ اندر جا کر خراب ہو جائے گی تو اسے باہر ہی روک لیا جاتا ہے۔ اس بات کا بھی خیال رکھا جاتا ہے کہ کوئی ہیٹ اپ (گرم) نہ ہو رہی گذشتہ دو برس سے امریکی پولیس دہشت گردی کی کارروائیوں پر بھی کڑی نظر رکھے ہوئے ہے۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں دھماکے کے بعد یہ انکشاف ہوا تھا کہ نابینا مصری قاری عمر عبدالرحمٰن کے پیروکار نیویارک اور نیوجرسی کو ملانے والی سرنگوں کو بھی تباہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے مصری مسلمانوں پر اس قسم کے الزامات کو اب تک تو امریکی پولیس ثابت نہیں کر سکی البتہ حفاظتی انتظامات ضرور سخت کر دیئے گئے ہیں اور ہونے بھی چاہئیں کہ دریا کے نیچے سے گذرنے والی کسی سرنگ میں اگر کوئی دہشت گرد بڑا دھماکہ کرنے میں کامیاب ہو جائے تو نہ صرف سینکڑوں کاریں اور ہزاروں افراد ان کے بیچ میں پھنس کر رہ جائیں گے بلکہ نیویارک جیسے عالمی دارالحکومت اور اہم ترین شہر کا نیوجرسی جیسے اہم ترین شہر سے رابطہ بھی بڑی حد تک منقطع ہو جائے گا۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ ان دو میں سے کسی سرنگ کو آسانی سے تباہ کرنا قطعی ناممکن ہے کیونکہ یہ سرنگیں پوری کی پوری فولاد میں ڈھالی ہوئی ہیں۔

ان کے ایک طرف نیویارک کا دل یعنی مین ہٹن اور دوسری طرف نیوجرسی سٹی ہے۔ ٹنل ختم ہوتے ہی ایک طرف مین ہٹن کی بلند و بالا عمارتیں خاص طور پر ایمپائر سٹیٹ بلڈنگ وغیرہ نظر آنے لگتی ہیں اور دوسری طرف نیوجرسی کے کارخانوں کی چمنیاں اور بندرگاہ کی تنصیبات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ہم مین ہٹن MANHATTAN کے جگمگاتے اور انتہائی پر رونق بازاروں سے گذرتے اور دنیا کی مشہور ترین فلک بوس عمارتوں (سکئی سکریپر) کے زیر سایہ کاروں کے جلوس پوری تیز رفتاری سے ہالینڈ ٹنل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ٹنل سے باہر ضروری ہدایات درج تھیں اور جب ہم ٹنل میں داخل ہوئے تو فرش اور چھت کی روشنیوں سے ساری سرنگ جگمگ کر رہی تھی۔ بائیں طرف چار فٹ کی بلندی پر دو فٹ چوڑی چھوٹی سی ٹرین کی چھوٹی سے پٹڑی بنی تھی۔ ہمیں بتایا گیا کہ جب سرنگ کے اندر کوئی گاڑی خراب ہو جاتی ہے تو چند سیکنڈ کے اندر اس چھوٹی سے پٹڑی پر ایک دو موٹر مکینک یہاں پہنچ جاتے ہیں جو یا تو

گاڑی کو فوراً ٹھیک کر کے چالو کر دیتے ہیں یا پھر ٹریفک روک کر پولیس کی گاڑی اسے ٹگ کر باہر کھینچ لاتی ہے۔ یوں یہ نظام چند سیکنڈ سے زیادہ کے لئے معطل نہیں ہونے دیا جاتا۔ نیو جرسی سے نیو یارک کے انتہائی خوبصورت POSH علاقے لانگ آئی لینڈ تک کا فاصلہ ۴۰ منٹ کا ہے لیکن RUSH HOURS میں یہ فاصلہ دو گھنٹے تک طول پکڑ لیتا ہے۔ کیونکہ میلوں تک کاریں ایک ایک انچ آگے بڑھنے پر مجبور ہوتی ہیں۔

◆◆◆

ہالینڈ ٹنل

اب ہم دریائے ہڈسن پر سے گذرنے والی سرنگ کے اندر سے ہوکر نیوجرسی میں داخل ہو چکے تھے۔ نیویارک نیوجرسی سٹیٹ کا سب سے بڑا شہر ہے جس کی آبادی تین لاکھ بیس ہزار ہے۔ یہ تجارت تعلیم صنعت اور ٹرانسپورٹ کا بڑا مرکز ہے اور نیویارک سے صرف آٹھ میل مغرب میں واقع ہے۔ اس شہر میں ٹیکنیکل۔ پیشہ ورانہ اور تعلیمی ادارے ہیں۔ نیوجرسی انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی اور سٹین ہال لاء سکول بھی یہیں ہے۔ اس کے علاوہ ہوئی اڈہ بھی یہیں بنایا جارہا ہے۔

جس طرح نیویارک کو BIG APPLE کہا جاتا ہے اسی طرح نیوجرسی کو ORANGE کا نک نیم دیا جاتا ہے اس کے مشرقی اور مغربی دو حصے ہیں۔ شہر کا قریبا پرانا حصہ EAST ORANGE اور نیا سفید فاموں کا علاقہ WEST ORANGE کہلاتا ہے ریاست نیوجرسی کو GARDEN STATE کہا جاتا ہے۔

سرنگ سے نکلنے کے بعد پہلے نیوجرسی کی بندرگاہ پڑتی ہے جہاں ڈاک یارڈ اور بندرگاہ کے ساتھ ساتھ فیکٹریاں بھی واقع ہیں اس کے بعد شہر کا پرانا علاقہ ہے۔ یہ علاقہ زیادہ تر پاکستانی۔ بھارتی اور مصری و عرب باشندوں سے آباد ہے۔ دکانوں کے باہر ہندی اردو بورڈ بھی نظر آتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہندو سکھ اور پاکستانی باشندے بھی ملتے ہیں۔

اب ہماری کار بندرگاہ کے علاقے سے نکلنے کے بعد نیوجرسی کی سڑکوں پر فراٹے بھرتی چلی جارہی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف برف کے انبار یہ ظاہر کررہے تھے کہ دو چار دن پہلے یہاں شدید برفباری ہوچکی ہے اپریل کا آغاز ہو چکا تھا مگر ہواؤں میں ابھی تک سرد موسم والی کاٹ تھی۔ تیز اور چبھنے والی سرد ہواؤں نے کار کے اندر تو ہمیں احساس نہ ہونے دیا مگر کار سے باہر نکلتے ہی موسم کے تیکھے تیوروں کا اندازہ ہونے لگا۔ گارڈن سٹیٹ ہونے کے باوجود ہریالی کا کہیں نام ونشان تک نہ تھا۔ ہر طرف وسیع وعریض سڑکوں اور پلوں کا جال بچھا ہوا تھا اور انکے علاوہ جو جگہ بچ رہی تھی وہ بلاشبہ درختوں اور جنگلوں نے گھیر رکھی تھی لیکن ہر طرف سوکھے اور بے برگ و بار اشجار اس شہر کی خزاں زدگی کا نوحہ پڑھ رہے تھے۔

ہم باغات کے شہر سے سیدھے یہاں پہنچے تھے۔ ۲۴ گھنٹے پہلے ہم لاہور کی سڑکوں پر کار دوڑا رہے تھے جہاں موسم بہار کے بعد اب موسم گرما پر تول رہا تھا جبکہ ادھر موسم سرما رخصت ہونے کے لئے تیار نظر نہ آتا تھا۔ میری حیرت پر مجھے بتایا گیا کہ ابھی یہاں

درخت اور پودے برفباری سے سنبھل نہیں پائے۔ سنبھل جائیں تو پھر ان کا نکھار اور رنگ روپ دیدنی ہوگا اور یہ شہر صحیح معنوں میں غالب کے اس مصرعے کی تفسیر پیش کر رہا ہوگا۔

سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی
بن گیا سطح آب پر کائی

کار گھر کے آگے آ کر رکی تو اپنے ہاں کا مری کا موسم اور نتھیا گلی کے مناظر نظروں کے آگے گھوم گئے لیکن یہاں ہر چیز میں سلیقہ اور خوبصورتی تھی۔ تقریباً ایک ہی جیسے مکان۔ برفانی علاقوں کا مخصوص طرز تعمیر ہر گھر کے سامنے ایک سے زیادہ کاریں کھڑیں تھیں۔ لیکن کسی جگہ کار کے سوا کوئی اور گاڑی۔ سائیکل۔ موٹر سائیکل یا پیدل انسان نظر نہ آتا تھا۔ ایسا لگتا تھا سب لوگ گھروں میں گھسے ہوئے ہیں یا کام پر گئے ہوئے ہیں۔ نہ کسی کی بول چال نہ کسی کے وجود کا احساس۔ درخت پتوں سے ٹہنیاں پرندوں سے اور فضائیں ان کا چہکار سے یکسر خالی تھیں۔ میں نے کار سے باہر نکلتے ہی گردوپیش کا جائزہ لیا۔ اگرچہ یہ پہاڑی مقام نہیں تھا مگر سرد آب و ہوا کا خطہ تھا۔ کیاریوں میں پھولوں کا نام ونشان نہ تھا البتہ لوگوں کے گھروں کے باہر کیاریوں میں کاغذی مصنوعی پھول ضرور سجا رکھے تھے ہمارے نزدیک تو یہ ان کے شاعرانہ ذوق جمال کی دلیل تھی اگرچہ ہمیں پتہ تھا کہ عمل کی اس دنیا میں نہ کہیں کوئی شاعر ملے گا اور نہ ذوق شاعری۔ البتہ شوق جمال ضرور ہوگا اور بعد میں یہ بات سو فیصد سچ ثابت ہوگئی۔ دوسرے مکانوں کی طرح ہمارے مکان کے دروازے پر بھی مصنوعی پھولوں کے خوبصورت گلدستے اور ربن سے سجے ہوئے پھول آراستہ نظر آئے جو اٹھنے والی ہر نظر کا والہانہ خیر مقدم کر رہے تھے۔

نیو جرسی اگرچہ صنعتی شہر ہے لیکن کاروباری سرگرمیاں کچھ زیادہ نہیں۔ ٹورازم بیورو نے ایک اہم سیاحتی مرکز کے طور پر اس کی بڑی پبلسٹی کر رکھی ہے۔ اس کی SEA BEACHES بہت خوبصورت اور بہت لمبی ہیں۔ اور نواحی علاقوں کے مکان ایکڑوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔

◆◆◆

ایسٹر اور مس گلوریا کی دعوت

امریکی کرسمس کے بعد ایسٹر کا تہوار خصوصی اہتمام سے مناتے ہیں تعلیمی ادارے بند ہو جاتے ہیں اور دس دنوں کی چھٹیاں گذارنے کے لئے امریکی کنبے کاروں اور ٹریلروں پر رخت سفر لاد کر تفریحی مقامات خاص طور پر بچوں کی دلچسپی کی جگہوں اور سمندری ساحلوں کا رخ کرتے ہیں۔ جو لوگ شہروں سے باہر جانا نہیں چاہتے وہ مقامی طور پر دعوتوں اور تفریحات کا اہتمام کر لیتے ہیں۔

ڈاکٹر بیٹے کے دوستوں کو جب یہ علم ہوا کہ اس والدین آئے ہوئے ہیں تو انہوں نے ہمیں مدعو کرنا شروع کر دیا۔ سب سے پہلے لانگ آئی لینڈ کے انتہائی خوبصورت علاقے میں مس گلوریا نے دعوت دی۔ یہ مس گلوریا ڈاکٹر وسیم احمد کی سابق لینڈ لیڈی تھی۔ ہمیں اس کے مس ہونے کے بارے میں کسی قسم کی خوش فہمی نہ تھی کیونکہ امریکہ میں ہر عورت شادی کا بندھن اتار پھینکنے کے بعد (جس کے لئے وہ خاصی بے قرار رہتی ہے) ایک بار پھر مس بن جاتی ہے۔ اور اگر بیوہ ہو جائے تب بھی مس ہی کہلوانا پسند کرتی ہے۔ میڈم کا لفظ تو اس کی سماعت سے گالی بن کر ٹکراتا ہے۔

بیٹے نے بتایا کہ مس گلوریا نے ہمیں ایسٹر کے ڈنر میں بڑے اصرار سے مدعو کیا ہے۔ لہٰذا بارہ بجے ہی نیو جرسی سے نیویارک جانے کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ میں نے کہا اتنی جلدی بھی کیا ہے ڈنر تو رات کو ہوتا ہے۔ بیٹے نے بتایا کہ نہیں دوپہر دو بجے کا ٹائم دیا گیا ہے۔ ذرا گپ شپ رہے گی۔ ہم نے یہ تاثر دینے کے لئے کہ پاکستانی وقت کے بڑے پابند ہوتے ہیں ٹھیک دو بجے مس گلوریا کے گھر پہنچ جانے کا فیصلہ کر لیا۔

ٹھیک دو بجے ہم ایک خوبصورت امریکی مکان کے باہر کھڑے تھے بیل کے بٹن پر ہاتھ رکھتے ہی دروازہ کھلا اور مس گلوریا کے روپ میں ایک ساٹھ ستر سالہ بوڑھی مگر سمارٹ سی خاتون ''او مائی سن سیمیں'' کہتے ہوئے ہمارے بیٹے سے لپٹ گئی۔ اسے جلد ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور اس وسیم سے علیحدہ ہوتے ہوئے پہلے وسیم کی امی کو اور پھر مجھے ہم آغوش کی سعادت بخشی وہ شفقت اور فرط محبت سے بچھی جا رہی تھی۔ پھر اس نے اپنے مکان کے ڈرائنگ روم کی طرف ہماری رہنمائی کی۔ دور سے ہی ہماری نظر کمرے میں موجود مہمانوں پر پڑی۔ کوئی ایک درجن عورتوں اور مردوں سے کمرہ بھرا ہوا تھا اور ہر ایک کے ہاتھ میں پیگ تھا جسے لبوں سے مس کر

کے چسکیاں لی جارہی تھیں۔

رسمی تعارفی کلمات کے دوران اندازہ ہوا کہ ہمارے یہاں پہنچنے سے پہلے یہاں ہمارا تعارف پہنچ چکا تھا اور سارے امریکی مہمان و میزبان متجسس تھے کہ ہونہار پاکستانی نوجوان ڈاکٹر کے پاکستان سے آنے والے پیرنٹس کیسے ہوں گے۔ ہر ایک نے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا اور خیر خیریت دریافت کی۔ سارے ہی ڈرنک کر رہے تھے مس گلوریا میزبان تھی لیکن بوڑھی ہونے کے باوجود خاصی مستعد تھی اور مسلسل چہک رہ تھی۔ اس نے معذرت کے انداز میں کہا۔ سیمی! ہم نے تمہارا اور تمہارے والدین کا انتظار تو کیا مگر جب زیادہ دیر ہوگئی تو ہم نے مہمانوں کو بٹھائے رکھنا مناسب نہ سمجھا۔"

ایک خوبصورت نوجوان جنہوں نے اپنا تعارف تھامس کرایا تھا اور جو مس گلوریا کے بیٹے تھے کہنے لگے۔ آپ تو ڈرنک کرتے نہیں پھر کیا پئیں گے۔ میں نے کہا "سافٹ ڈرنک" اور اس کے ساتھ ہی ہمیں کوک وغیرہ پیش کر دیئے گئے۔ دعوت میں موجود بعض لوگوں کے لئے یہ دوسرا اہم انکشاف تھا پہلا تحیر کا مرحلہ اس وقت پیش آیا جب تعارف کے وقت میری بیگم نے جو مکمل طور پر پاکستانی لباس میں ملبوس تھی۔ صرف خواتین سے ہاتھ ملائے اور مردوں سے ہاتھ ملانے سے SORRY کہہ کر معذرت کر لی۔

"اچھا تو آپ لوگ ڈرنگ بالکل نہیں کرتے؟" ایک خاتون نے پیگ چڑھائے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

"جی اسلام ہمیں بہت سی ناپسندیدہ چیزوں کے استعمال سے روکتا ہے اور یہ ام الخبائث ہے؟"

کچھ اور حیرت کا اظہار ہونے لگا تو میں انہیں بتایا کہ شراب تو دنیا کے بہت سے مذاہب میں یہود و ہنود بلکہ خود آپ کے ہاں بھی ممنوع ہے اور آپ کا قانون بھی کم عمروں کا یا سرعام اسے پینے سے روکتا ہے آخر کوئی تو خرابی ہے اس میں؟

بے شک بے شک

ایک بات برابر میرے لبوں پر سوال بن کر اتر رہی تھی اور آخر مجھ سے رہا نہ گیا مس گلوریا یہ بتایئے کہ ہمیں تو آپ نے ایسٹر ڈنر پر مدعو کیا تھا اور وقت اس کے لئے تین بجے دوپہر کا دیا گیا دوسرے یہ کہ اس وقت دو ہی بجے ہیں اور ہمیں یہ احساس دلایا جارہا ہے کہ ہم لیٹ آئے ہیں۔

"ہاں..... مگر شائد آپ بھول گئے کہ یکم اپریل سے نیویارک کی گھڑیاں ایک گھنٹہ آگے ہو چکی ہیں اور آج ۱۴ اپریل ہے۔ شاید سیمیں یہی بات ہے نا!"

"ہاں ابو میں آپ کو بتانا بھول گیا۔ یہاں سال میں دو دفعہ گھڑیاں ایک ایک گھنٹہ آگے پیچھے کی جاتیں ہیں۔"

''مگر ہم نے تو ایک بجے لنچ کیا ہے اور اب ہمیں تھوڑی دیر تک ڈنر بھی کھانا پڑے گا.....!'' بیگم نے کہا اور وسیم صاحب نے اس کا ترجمہ کر کے شرکا کو بتا دیا۔

فکر نہ کیجئے۔ ہم بہت جلدی آپ کو کھانا نہیں کھلائیں گے۔ اس سے پہلے کئی ہلکی پھلکی چیزوں کے دور چلیں گے اور گپ شپ بھی جاری رہے گی۔ گلوریا کے بوائے فرینڈ نے بتایا جو کسی طرح بھی بوائے نہ تھا بلکہ کسی طور پر بھی ساٹھ برس سے کم نہ تھا۔ چوڑے قد کاٹھ کا سرخ و سپید بوڑھا امریکی تھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ مس گلوریا کا خاوند مر چکا تھا اس سے اس کا ایک ہی بیٹا تھا مس تھا جو اس محفل میں موجود تھا خاوند کے مرنے کے بعد مس گلوریا تنہا رہ گئی تھی جبکہ دوسری طرف اس کا بوائے فرینڈ بھی رنڈوا تھا۔ چنانچہ دونوں نے اپنا بڑھاپا اکٹھے کاٹنے کا فیصلہ کر لیا۔

ہمارے خیر مقدم اور مختصر سے تعارف کے بعد شرکائے محفل کا تعارف شروع ہوا اس کے ساتھ ہی پینے پلانے کا شغف بھی جاری رہا۔ ہم لوگوں نے تو کوک کا ایک ایک گلاس ہی کافی سمجھا لیکن امریکیوں کے لئے ایک پیگ۔ اور وہ بھی ایسٹر کے جشن ناؤ نوش میں کچھ معنے نہ رکھتا تھا چنانچہ چسکیاں لے لے کر پینے کے باوجود جب کسی کا پیگ خالی ہوتا تو معمر گلوریا جلدی سے اسے پھر لبالب کر دیتی گذری جوانی کو للکارے مارتی ہوئی گلوریا کسی طرح بھی خود کو بوڑھی تسلیم کرنے کو تیار نہ تھی یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے لئے بزرگی اور احترام کا کوئی لفظ بھی پسند نہ کرتی تھی۔ میں نے پوچھا۔ آپ کو کیا کہہ کر پکاروں۔ میڈم۔ مس یا صرف گلوریا۔ میڈم کے لفظ کے ساتھ ہی چہرے پر ایک کڑوی کسیلی مسکراہٹ بکھر گئی اور پھر تلخ قہقہے کے بعد بولی نو نو اونلی گلوریا! بعد میں اندازہ ہوا کہ یہاں کسی بھی عمر کی عورتیں اپنا نام بلوانا زیادہ پسند کرتی ہیں۔

حاضرین محفل میں زیادہ تر ادھیڑ عمر کے لوگ کچھ جوان لڑکیاں اور مرد بھی تھے۔ گلوریا نے ستر سال ہی کے مضبوط قد کاٹھ کے ''نوجوان'' سے تعارف کراتے ہوئے کہا۔ ''یہ میرے بوائے فرینڈ ہیں'' یہ صاحب یوں تو مہمانوں کی خاطر مدارات میں خاصے سرگرم تھے لیکن قدرے کم گو تھے ''میرے آباؤ اجداد اٹلی سے یہاں آ کر آباد ہوئے تھے اور یہ آئرش ہے جب میرا خاوند مر گیا۔ تو میں نے اپنی تنہائیوں کو ختم کرنے لے لئے یہ بوائے فرینڈ تلاش کر لیا'' اس پر بوائے فرینڈ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس کے بعد گلوریا نے ایک خوبصورت سوٹڈ بوٹڈ نوجوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یہ میرا بیٹا ہے۔ تھامس۔ آئل ریسرچ کی ایک بہت بڑی فرم میں ملازم ہے اس نے ریسرچ ٹیکنالوجی میں ڈاکٹریٹ کر رکھی ہے اس کے بعد مسٹر تھامس نے اپنے بارے میں مزید کچھ بتایا۔ یہ انگریز نوجوانوں کی طرح لباس اور ایٹی کیٹ کے معاملے میں بڑے رکھ رکھاؤ والا تھا۔ ویسے بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ

سے بات چیت کا انداز ہ بڑا شستہ تھا۔ امریکیوں والی بات نہ تھی۔ ''آپ ہیں مس فلورا'' اب مسٹر تھامس نے اپنے ساتھ بیٹھی ہوئی بڑھیا کا خود ہی تعارف کرایا یہ میری گرل فیرینڈ ہے'' گرل فرینڈ! ہم سب کے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے ان محترمہ کی عمر بھی ساٹھ پینسٹھ سے کم نہ ہوگی اور کسی طرح بھی اپنے بوائے فرینڈ کی ماں سے کم نظر نہ آتی تھی۔

''میں آپ لوگوں کی حیرت کی وجہ سمجھتا ہوں۔'' تھامس کہہ رہا تھا۔ یہی نا..... کہ میں نے کسی لڑکی سے دوستی کیوں نہ کی۔ دراصل مجھے ان کا مینٹل لیول بہت اچھا لگا۔ زندگی کا ساتھی وہی اچھا ہوتا ہے جس کی ذہنی سطح آپ کی ذہنی سطح سے ملتی ہو۔ یہ بھی میری طرح سکالر ہیں۔ ہر وقت کتابیں پڑھتی اور لکھتی رہتی ہیں۔ ہم گھنٹوں امریکی معاشرے پر ریسرچ کے موضوع پر بحث کرتے رہتے ہیں۔ ہمارا اصل ٹھکانہ نوجوانوں کی طرح بیڈروم نہیں۔ ہماری لائبریری ہے.....'' تھامس کی اس وضاحت کے ساتھ ہی مس فلورا کے چہرے پر پھیلی ہوئی خفت ہلکی پھلکی مسکراہٹ میں بدل گئی۔ اس کے بعد ایک کالے سفید جوڑے اور ان کی گندمی رنگ کی جوان بیٹی کا تعارف ہوا۔ پھر ایک طرحدار استانی کی باری آئی۔ شارٹ سکرٹ سے باہر نکلی ہوئی لمبی خوبصورت ٹانگیں خوبصورت آراستہ پیراستہ قدوقامت اور چہرے پر مصنوعی وقار..... عمر یہی کوئی چالیس سال..... ''ان سے ملئے بچوں کے سکول میں انگلش ٹیچرس ہیں ایک خاوند سے طلاق لے چکی ہیں۔ دوسرے کی تلاش ہے لیکن کہتی ہیں اب کسی ڈاکٹر سے شادی کروں گی۔'' تاکہ علاج کی فیس ادا نہ کرنی پڑے'' ایک اور صاحب نے فقرہ چست کیا۔ ''نہیں نہیں تھینک گاڈ۔ میں کبھی بیمار نہیں ہوئی۔'' لیکن آپ کی خواہش تو تب ہی پوری ہوسکتی ہے جب کوئی ڈاکٹر بھی کسی استانی سے شادی کرنا پسند کرے۔ ساتھ بیٹھی ہوئی گندمی رنگ کی نوجوان لڑکی نے کہا۔

''ڈاکٹر وسیم کیا خیال ہے؟'' گلوریا نے شرارت سے پوچھا۔

جی شکریہ اور ہمارا بیٹا جھینپ کر رہ گیا۔

اس کے بعد باقی لوگوں کا بھی باری باری تعارف کرایا جاتا رہا۔ پینے کا دور ختم ہوگیا تھا اب فروٹ سجی ہوئی پلیٹیں آگے رکھ دی گئیں۔ ہر قسم کا فروٹ تھا لیکن سوائے کیلوں کے کسی پھل میں نہ ذائقہ تھا اور نہ خوشبو کیلے بہت بڑے اور خوش ذائقہ تھے۔ سٹرابیری خالص یہاں کا پھل ہے مگر اس میں بھی خلاف توقع خوشبو اور ذائقہ دونوں چیزیں نہ تھیں۔

میز کے ایک کنارے پر ایک چوڑے چکلے شانوں لیکن چھوٹے قد والا بوڑھا بیٹھے بیٹھے سو رہا تھا اور میرے درمیان دوسرے لوگوں کے بیچ میں اس کی بڑھیا بیٹھی سب کی گفتگو میں برابر شریک تھی۔ یہ جس قدر بوڑھی تھی اتنی ہی فیشن زدہ بھی تھی۔ ننگا پے کا شوق جوجوانی میں بھرپور ساتھ دیتا رہا ہوگا اب بھی تعاقب سے باز نہ آیا تھا۔ اور محترمہ کا کندھوں اور سینے سے اوپر کا حصہ نصف کے قریب

عریاں تھا۔ گوشت پوست سے محروم ہڈیاں چیخ چیخ کر پکار رہی تھیں۔ ''خدا کے لئے مجھے اب تو رسوا نہ کرو لباس میں چھپالو۔'' مگر یہاں معاملہ دوسرا تھا۔

یہ ننگ وجود اور ننگ غیرت امریکی ننگے معاشرے پر بھرپور طنز تھی ان کی ایک بیٹی بھی شریک محفل تھی اس نے آنکھیں بند کئے باپ اور پھر ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ان دونوں کو اب خودکشی کر لینی چاہیے.....'' ظاہر ہے موت تو ابھی اور کئی برسوں تک انہیں نہیں لے جائے گی۔'' کھانا شروع ہوا تو ہمیں دعوت دی گئی کہ ہم دعا کرائیں۔ میں نے سورہ رحمٰن کی چند آیات کی تلاوت کی جن میں کہا گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے اس نے کیسی کیسی نعمتیں تمہیں دے رکھی ہیں۔ امریکیوں کی آگاہی کے لئے میں نے ان آیات کا ترجمہ بھی کر دیا۔ اسی طرح جب کھانے کا دور ختم ہوا تو ایک میزبان نے اپنے مذہبی طریقے کے مطابق دعا کرائی اور خدا کا شکر ادا کیا۔ دعا کے اختتام پر سب نے آمین کہا۔

بوڑھے والدین کے بارے میں اولاد کے یہ سنگدلانہ جذبات..... اس کا جملہ ہمارے سینے میں تیر کی طرح لگا یہ امریکہ کے خودغرض اور نفسانفسی کے شکار معاشرے کی بھرپور عکاسی تھی۔ یہاں لڑکی اور لڑکا جب سولہ سال کی عمر کو پہنچتے ہیں تو والدین ان سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کر دیتے ہیں۔ ''چلو۔ خود کماؤ۔ پڑھو اور کھاؤ'' اس کے بعد بچے عام طور پر بنکوں یا سٹیٹ کے قرضوں پر تعلیم مکمل کرتے ہیں اور بیشتر چھوٹے موٹے کاموں میں کھپ جاتے ہیں یہاں کالجوں اور یونیورسٹیوں کی اعلیٰ تعلیم بہت خوش نصیب امریکیوں کو ہی میسر ہوتی ہے۔ امریکہ کی نہایت اعلیٰ یونیورسٹیوں مثلاً بوسٹن کی جان ہارورڈ اور واشنگٹن کی ہاورڈ یونیورسٹی وغیرہ جہاں ایشیائی باشندوں کو تھوڑی سی محنت اور جدوجہد سے داخلہ مل جاتا ہے امریکی طالب علم ساری عمر داخلہ لینے کے خواب دیکھتے رہتے ہیں۔ بات ہو رہی تھی اولاد سے والدین کے رویے کی..... جب اٹھتی جوانی میں ہی امریکی بچوں کو والدین کی رہنمائی اور شفقت سے محروم ہونا پڑے تو والدین کے بڑھاپے میں ان کا ردعمل قدرتی طور پر یہی جو کچھ ہوگا جو آج ہر ایک کو نظر آ رہا ہے۔ بوڑھے والدین جن کو امریکی حکومت سینئر سٹیزن کا نام دیتی ہے' سوشل سکیورٹی سے ان کے سارے اخراجات برداشت کرتی ہے اور جب یہ اپنی املاک کی حفاظت کرنے کے اہل بھی نہیں رہتے تو ان کی تمام املاک کو انکے سمیت اپنی تحویل میں لے لیتی ہے۔ اولڈ ہاؤسز میں ان کی رہائش کا انتظام کیا جاتا ہے جہاں سال میں ایک آدھ بار ڈیڈس ڈے DAD'S DAY یا مدرس ڈے پر کوئی کوئی سعادت مند بیٹا یا بیٹی والد/ والدہ کو پھولوں اور مبارکباد کا تحفہ بھیج دیتا ہے یا چند گھنٹوں کے لئے ملنے چلا آتا ہے اور پھر سے بوڑھے پھٹی پھٹی آنکھوں

سے آنے والوں کی سال بھر راہ تکتے رہتے ہیں یہاں جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے کا محاورہ عملا ثابت ہو رہا تھا میرے بیٹے نے انہیں بتایا کہ ہمارے ملک اور معاشرے میں بوڑھے والدین کا بڑا خیال رکھا جاتا ہے۔ اولاد ان کی بڑی خدمت کرتی ہے۔ ان کا دل نہیں دکھاتی انہیں مرنے کے لئے الگ اولڈ ہاؤسز میں نہیں ڈال دیا جاتا بلکہ انہیں خاندان میں اپنے ساتھ رکھا جاتا ہے۔ انہیں گھر بھر کی خوشیوں میں شریک کیا جاتا ہے اور اولاد ان کی خدمت کر کے ان کی دعاؤں کی طالب ہوتی ہے۔ یہ سب اس لئے کہ ہمارا مذہب اسلام اولاد کو والدین کا احترام کرنے اور ان کا دل نہ دکھانے کی سخت ہدایت کرتا ہے کیونکہ انہی والدین نے ان کی پیدائش سے لے کر عملی زندگی میں قدم رکھنے تک ان کا ہر طرح خیال رکھا ہوتا ہے۔

''ڈاکٹر کیا تم شادی کے بعد بھی والدین کو اپنے ساتھ رکھو گے!''

SURE ہمارے بیٹے نے بڑے پر جوش انداز میں میز پر مکا مار کر کہا ''یہ ان کی مرضی ہے یہاں میرے پاس آ کر رہنا چاہیں تو بے شک رہیں۔ اگر یہ مجھے پاکستان چل کر رہنے کو کہیں گے تو میں اپنے کیریئر کی پروا کئے بغیر یہ ملک چھوڑ کر ان کے ساتھ چلا جاؤں گا۔ یہ کبھی نہیں ہوگا کہ بڑھاپے میں جب انہیں میری ضرورت ہو تو میں ان کا ساتھ چھوڑ دوں!''

''تم اپنے مذہب اسلام اور ملک کے بارے میں تفصیل سے کچھ بتاؤ..... انگلش ٹیچر نے کہا..... ''ہم سنتے آئے ہیں کہ پاکستان بڑا فرسودہ ملک ہے وہاں لوگ عورتوں پر ظلم کرتے ہیں اور ہاں کہتے ہیں پاکستان میں عورتوں کو خیمہ نما برقعوں کے اندر چلنا پڑھتا ہے غیر مرد سے ہاتھ ملانا کیوں معیوب ہے جہیز کم لانے پر لڑکیوں کو جلا دیا جاتا ہے غرض اب ہر ایک بول رہا تھا۔ آپ لوگوں کے ملک میں عورت ملک کی نصف آبادی ہے۔ اسے تعلیم حاصل کرنے اور گھروں سے باہر نکلنے یا دفتروں میں جانے کی بھی اجازت نہیں۔''

عورتوں کو ذرا ذرا سے اخلاقی جرم پر کوڑے لگائے جاتے ہیں اور سنگسار بھی کر دیا جاتا ہے۔ عورت مرد غیر قانونی اختلاط کریں تو ان کی گردنیں اڑا دی جاتی ہیں۔ اور ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ عورت دوسری شادی بھی نہیں کر سکتی جبکہ مرد دس دس شادیاں رچاتے ہیں اور کہ مسلمان امراء اور بادشاہ چار چار سو عورتوں کے حرم بھی رکھتے ہیں ہر طرف سے اسلام اور پاکستان پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔

ہم نے انہیں بتایا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ایک پاکستانی خاتون آپ کے درمیان کسی خیمے یا نقاب کے بغیر موجود ہے۔ یہ اتنی پڑھی لکھی ہیں کہ آپ سب کی انگریزی زبان بخوبی جانتے ہیں کہ ہمارے ملک کی وزیر اعظم بے نظیر بھٹو دوسری بار وزیر اعظم بنی ہیں۔

انہوں نے کبھی برقع نہیں پہنا انہوں نے بھی مردوں کی طرح اپنی مرضی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔

اور پھر اس کے بعد ہم نے باری باری ان کے ہر سوال کا جواب پوری تفصیل سے دیا۔ اس دوران ہم نے محسوس کیا کہ ہم کن لوگوں میں گھر گئے ہیں جو اسلام کے بارے میں ابتدائی معلومات بھی نہیں رکھتے۔ جو دنیا کے اعلیٰ اور جدید ملک میں رہنے کے باوجود اور واحد سپر پاور ہونے کے علی الرغم پاکستان کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے جو پاکستان اور اسلام کے بارے میں ہندوؤں اور یہودیوں کے کتنے زہریلے اور گمراہ پروپیگنڈے کا شکار ہیں۔ یہ قصور کس کا ہے ہماری حکومت کا ہمارے دفتر خارجہ اور سفارتکاروں کا یا ہمارے پاکستانی علمائے کرام کا جو یا رسول اللہ کہنے پر مسجدوں میں خون خرابے تو کراتے رہتے ہیں۔ تبلیغی جماعتیں بنا کر لوگوں کا رستہ روک کر "کلمہ" تو سنایئے کی فرمائش کرتے رہتے ہیں۔ لیکن مغربی ملکوں کا رخ نہیں کرتے اگر کرتے ہیں تو ان مولانا کی طرح جنہوں نے انگلستان کا صرف ایک دورہ کر کے وہاں کی پچاس مسجدوں میں جھگڑے کرا کے وہاں کی پولیس کو ان مساجد کو تالے لگانے پر مجبور کر دیا۔

ہم نے اسلام اور پاکستان کے بارے میں ان امریکیوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کے بھرپور کوشش کی۔ ہماری بیگم چونکہ قران اور اسلام کا خاصہ مطالعہ رکھتی ہیں۔ اس لئے ان کی مدد خاصی مفید ثابت ہوئی تاہم بہت سے مواقع پر ہمیں اپنی کم علمی کا شدید احساس ہوا۔ کاش ہم نے جدید تعلیم کے ساتھ اپنے مذہب کا بھی خاطر خواہ مطالعہ کیا ہوتا۔

بہرکیف جب تک یہ محفل جاری رہی ہماری گفتگو کا موضوع پھر بدل نہ سکا۔ اور ہم ادھر ادھر کی ایک دو باتیں کر کے پھر انہی موضوع کی طرف پلٹ آتے۔

اگر میں کسی پاکستانی سے شادی کرلوں' ٹیچرس پوچھ رہی تھی تو مجھے جہیز بھی دینا پڑے گا۔

یہ ضروری نہیں..... مذہب اسلام حسب استطاعت والدین کو مشورہ دیتا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت کچھ دے سکیں تو احسن ہے ویسے یہ ضروری بھی نہیں جدید روشنی کے نوجوان..... جہیز کی لعنت کو ختم کر رہے ہیں۔

کیا جہیز کم لانے والی لڑکیوں کو زندہ جلا دیا جاتا ہے؟

کن ملکوں کی بات کر رہے ہیں۔ بھارت میں ایسا عرصہ سے ہو رہا ہے پاکستان میں ایسا نہیں ہوتا۔ ایک آدھ استثنا تو ہر جگہ ہوتا ہے۔

پاکستان میں نہ سہی..... مسلمانوں میں تو ایسا دیکھنے میں آ رہا ہے۔

یہ بحث یونہی جاری رہی۔ اور اس دوران ایسٹر کی پر تکلف دعوت کے نہ جانے کتنے خوبصورت اور بدذائقہ آئٹم آئے اور گذر گئے۔ کبھی روسٹڈ چکن۔ کبھی تلی ہوئی مرغی۔ کبھی کباب کبھی سینڈوچ۔ کبھی مچھلی اور کبھی چاول۔ ہم باتیں بھی کرتے جاتے تھے اور کھاتے بھی جاتے تھے جب ہم نے تین سے شام کے سات بجا دیئے تو میں اٹھ کھڑا ہوا۔

''اب ہمیں اجازت لینی چاہیے۔''

''ہاں اب ہم چلتے ہیں.....''

''ارے ابھی تو اصل آئٹم باقی ہیں۔'' مس گلوریا چیخنے کے انداز میں کہہ رہی تھی۔ یہ پارٹی نو بجے تک تو جاری رہنی چاہیے۔ اس کا بوائے فرینڈ کہہ رہا تھا۔

مگر ہمارے پیٹ میں تو اب قطعاً گنجائش نہیں کہ کچھ اور کھایا جائے میں نے کہا اور سارے امریکی زوردار قہقہے لگانے میں مصروف تھے ان کی آوازیں بھی بہت بلند ہو چکی تھیں۔ اور صاف پتہ چل رہا تھا کہ مسلسل پینے کیوجہ سے دخت رز نے اپنا کام دکھانا شروع کر دیا ہے۔

زیادہ تر جوڑے الگ الگ باتوں میں مصروف تھے جو دوسروں کو شریک گفتگو کر رہے تھے وہ بھی اب سنجیدہ گفتگو سے فحش گفتاری پر اتر آئے تھے اور غالباً انکا یہ احساس ختم ہو چکا تھا کہ باہر کے لوگ بھی ہیں جن کی موجودگی میں انہیں شستہ گفتگو کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ ہماری درخواست پر ہمارے میزبانوں نے ہمیں اپنے مکان کے مختلف کمرے دکھائے۔ ڈرائنگ روم جہاں ہم بیٹھے تھے دو کمروں کے عارضی پارٹیشن کو ختم کر کے ایک بڑا کمرہ بنا دیا گیا تھا دیواروں پر بڑی خوبصورتی سے چینی پلاسٹک اور پیتل وغیرہ کی مختلف قسموں کی خوبصورت پلیٹیں لٹک رہی تھیں۔ اسی طرح نیچے سے اوپر تک مختلف الماریاں چھوٹے بڑے ہاتھیوں سے بھری پڑی تھیں۔ یہ ہاتھی چینی' مٹی' ہاتھی دانت' پیتل اور پلاسٹک غرض مختلف چیزوں سے بنے ہوئے تھے۔ گلوریا بتا رہی تھیں۔ جوانی میں ایک دفعہ میں تاج محل دیکھنے آگرہ گئی تو وہاں سے یہ پیتل کا بڑا ہاتھی خرید لائی تھی یہ سری لنکا سے خریدا تھا اور یہ جنوبی افریقہ سے اور یہ پلیٹ مجھے ڈاکٹر وسیم نے پاکستان سے لا کر دی تھی۔

اس کے بعد جب ہم مس گلوریا کے گھر سے رخصت ہونے لگے تو ہر ایک نے ہمیں اتنی گرمجوشی سے گلے لگا کر رخصت کیا جیسے ہم چند گھنٹوں پہلے نہیں برسوں ایک دوسرے کے ملنے والے ہوں۔

◆◆◆

ایک پاکستانی کنبے میں

نیوجرسی کی یونیورسٹی آف میڈیسن اینڈ ڈینٹسٹری کے وی اے ہسپتال کی لیبارٹری کے سینئر ٹیکنالوجسٹ ایک پاکستانی عزیز احمد صاحب ہیں۔ یہ امریکہ میں کوئی بیس برس سے رہ رہے ہیں اس سے پہلے آپ انگلینڈ۔ کینیڈا اور دوسرے مغربی ملکوں میں مقیم رہے۔ اس طرح انہیں کراچی سے نکلے ہوئے کوئی تیس برس ہونے کو آئے انہیں جب پتہ چلا کہ ڈاکٹر وسیم احمد کے والدین یہاں آئے ہوئے ہیں تو انہوں نے بڑے خلوص سے ہمیں مدعو کیا اور آخر ایک دن ہم ان کے خلوص کے مدنظر ان کے گھر پہنچ ہی گئے یہ گھر نیوجرسی کی مغربی (ویسٹ آرنج) کی ایک صاف ستھری آبادی ووڈبرج میں تھا۔ اچھا خاصا لکڑی کا بنا ہوا بنگلہ نما مکان۔ چاروں طرف لان اور پھولوں کی کیاریاں۔ اس روز عزیز صاحب نے اپنے اور بھی پاکستانی دوستوں کو مدعو کر رکھا تھا۔ ہمارے پہنچتے ہی باقی صاحبان بھی آ گئے بیگم خواتین کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہوگئیں اور ہم مرد حضرات کی الگ بیٹھک جمی۔ عزیز صاحب بڑے خوش گفتار بزرگ ہیں۔ باتوں باتوں میں پتہ چلا کہ لاہور میں جماعت اسلامی کے پبلشنگ ہاؤس کے عبدالوحید خاں صاحب ان کی بیگم کے قریبی عزیز ہیں اور وہ کچھ ہی عرصہ پہلے یہاں رہ کر جا چکے ہیں۔ یہ گھرانا بھی خالصتاً اسلامی تھا۔ نماز کے وقت سب کام چھوڑ کر خواتین اور مردوں کی صفیں بندھ جاتیں۔ ان کے دوستوں میں ایک مقامی سکول ٹیچر آفریدی صاحب تھے اور کچھ دوست اور بھی تھے ایک نوجوان دوست ڈاکٹر عامم صاحب تھے جو کام تو نیوجرسی کے وی اے ہسپتال میں کرتے تھے مگر کرکٹ کھیلنے کے لئے ہر روز شام کو چالیس میل کی ڈرائیو کر کے نیویارک جایا کرتے تھے۔ اس روز یہ معمول کے مطابق کھیل کر کافی دیر سے ان کے گھر پہنچے۔ اگرچہ ان کا کھانے پر دیر تک انتظار کیا گیا تاہم ان کے شوق کو دیکھتے ہوئے عزیز صاحب نے ان کی غیر معمولی تاخیر نظر انداز کر دی۔

مردوں کے درمیاں موضوع گفتگو کراچی کے پریشان کن حالات اور بے نظیر کا بے زار کن دور حکومت ہی رہا۔ ہر ایک کو بے نظیر حکومت کی پالیسیوں سب سے بڑھ کر ان کی نیتوں اور ارادوں کے بارے میں تشویش تھی۔

میں گفتگو کا موضوع بدلا اور امریکہ میں رہنے والے پاکستانیوں کے مسائل جاننے کی کوشش کی تو سب کی دکھتی ہوئی رگ ایک ہی تھی۔ ملک روزگار کی خاطر چھوڑا۔ یہاں اچھا روزگار تو مل گیا مگر اپنے لوگ اور اپنا معاشرہ سب بچھڑ گیا۔ اب واپس جائیں تو وہاں کوئی کیریئر نہیں اور یہاں رہیں تو اولاد کی تعلیم اور سب سے بڑھ کر ان کے لئے رشتے ناتے نہیں ملتے۔ جنہوں نے وطن میں اپنے پیچھے تعلق

قائم رکھا ہوا وہاں سے انہیں لڑکوں کے لئے لڑکیاں تو مل جاتی ہیں مگر امریکہ میں پلی بڑھی مسلمان بچیوں کے لئے امریکہ کے اندر اچھے لڑکے ملنا بہت بڑا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ کسی ایک کا نہیں سارے پاکستانیوں کا مشترکہ مسئلہ تھا۔ تاہم یہ بات بڑے اطمینان کا باعث تھی کہ کئی دوسرے مسلمان گھرانوں کی طرح عزیز قریشی صاحب کا گھرانہ بھی خالص مسلمان گھرانہ تھا۔ بچوں بچیوں کی تعلیم و تربیت مکمل اسلامی انداز میں کی جا رہی تھی۔ اور وہاں کے رہنے والے پاکستانی یہاں وطن میں رہنے والے پاکستانیوں سے ہزار درجے اچھے مسلمان تھے۔

دعوت میں خالص پاکستانی کھانے کھانے کو ملے۔ جو بہت متنوع بھی تھے اور مزیدار بھی۔ چنانچہ بڑا لطف رہا۔ بہت جی چاہا کہ انہیں ہم اپنے ہاں بھی بلائیں۔ مگر وطن واپسی میں بہت تھوڑے دن باقی تھے۔ اور ہمارے بیٹے کا باورچی خانہ نام کا باورچی خانہ تھا۔ ہم سیاح اور وہ نوجوان ہاسٹل لائف کا عادی۔ چنانچہ ہمیں جوابی ضیافت کرنے کی سعادت حاصل نہ ہو سکی۔ بہرکیف بہت سی خوشگوار یادیں عزیز قریشی صاحب کی یادوں کے ہمراہ محفوظ ہو کر رہ گئیں۔

◆◆◆

4 جولائی کا قومی جشن

نیویارک سمیت امریکہ میں ہر سال ۴ جولائی کو اعلان آزادی کی یاد میں قومی دن منایا جاتا ہے۔ اس روز ملک بھر میں عام تعطیل ہوتی ہے اور بیٹری BATTERY پارک نیویارک میں جو دریائے ہڈسن کی بندرگاہ کے قریب مین ہٹن میں واقع ہے بہت زبردست جشن منایا جاتا ہے۔ پورے نیویارک سے تمام ٹریفک اسی طرف جاری رہتا ہے۔ سڑکیں کاروں سے اور بیٹری پارک کے قریب پہنچ کر پیدل چلنے والوں سے بھر جاتی ہیں۔ شراب وشباب کا ایک ایسا جشن ہوتا ہے جس کی سال کے کسی دوسرے حصے میں مثال نہیں ملتی۔ اس روز نواحی شہر نیوجرسی سے نیویارک کے آسمان پر لیزر شعاعوں کے ذریعے آتش بازی کا بے مثال مظاہرہ بھی کیا جاتا ہے جس کا سب سے بہتر نظارہ مین ہٹن اور بیٹری پارک کے اوپر یا بندرگاہ میں کھڑے سجے سجائے جہازوں پر سے کیا جاتا ہے۔ اس رات کالوں کے جرائم بھی انتہا پر ہوتے ہیں اور اسی لحاظ سے امریکی پولیس بھی پوری طرح چوکس ہوتی ہے۔ ہر شخص کھل کھیلتا ہے اور انتہائے مسرت کے مناظر عام ہوتے ہیں۔

یہ تاریخی اعلان آزادی ۴ جولائی ۱۷۷۴ کو منظور کیا گیا تھا اس کے ذریعے نہ صرف یہ کہ ایک نئی قوم کی پیدائش کی نوید سنائی گئی بلکہ اس نے انسانی آزادی کا وہ فلسفہ بھی پیش کیا جو آگے چل کر پوری مغربی دنیا کے لئے انسانی آزادی کی ایک بھرپور قوت اختیار کر گیا۔ اسے فرد کی آزادی کے ایک ایسے وسیع البنیاد نظریے پر استوار کیا گیا۔ جسے امریکہ کے تمام لوگوں کی حمایت حاصل ہوئی۔ اس اعلان میں کہا گیا ہے کہ۔

''ہم سمجھتے ہیں ہیں کہ تمام انسان برابر پیدا گئے گئے ہیں۔ ان کو ان کے خالق کی طرف سے بعض ناقابل انتقال حقوق ودیعت کئے گئے ہیں جن میں زندگی۔ آزادی اور راحت ومسرت کی جستجو شامل ہے۔ اگر کوئی طرز حکومت مذکورہ مقاصد کے حصول کے لئے مہلک بن جائے تو عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ اسے بدل ڈالیں یا منسوخ کردیں اور نئی حکومت کی بنیاد رکھیں جس میں ان کے خیال میں ان کی سلامتی اور مسرت کے حصول کا سب سے زیادہ امکان ہو۔''

نیویارک میں ہمیں یہ ۴ جولائی کا قومی جشن دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا۔ ٹی وی پر بڑے دنوں سے اس جشن کے چرچے ہو رہے تھے اور بتایا جارہا تھا کہ نیویارک کے اوپر نیوجرسی سے لیزر آتش بازی کا مظاہرہ بھی ہوگا۔ اس دن پورے ملک میں عام چھٹی ہوتی

اور سہ پہر سے ہی لوگوں کا سمندر مین ہٹن خصوصاً بیٹری پارک کی طرف رواں دواں تھا۔ بیٹے نے بتایا کہ لیزر شو دیکھنے کے لئے سب سے اچھی جگہ بیٹری پارک ہی ہے۔ چنانچہ ہم سب کار میں بیٹھ کر لانگ آئی لینڈ سے سیدھے کوئنز پہنچے وہاں عام حالات میں بھی کار پارک کرنے کے جگہ مشکل سے ہی ملتی ہے' آج تو پارکنگ بہت مشکل نظر آ رہی تھی۔ تاہم دور دور تک پارکنگ کی جگہ تلاش کر آئے اور آخر ایک جگہ مل ہی گئی۔ کار پارک کرنے کے بعد ہم کوئنز سکوئر کے نزدیک سب وے پر جانے کے لئے ایک زیر زمین سٹیشن پر چلے آئے ایسے سٹیشن سڑکوں کے کنارے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بنے ہوتے ہیں۔ ان کی پہچان یہ ہے کہ فٹ پاتھ سے زیر زمین سیڑھیاں اترتی ہیں اور فٹ پاتھ کے اوپر ایسی سیڑھیوں کے دائیں بائیں دو ستونوں پر سرخ گلوب لگے ہوتے ہیں جن سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ سب وے پلیٹ فارم کا راستہ ہے۔ نیچے اتریں تو پٹریوں پر ہر دو تین منٹ بعد ٹرینیں آتی جاتی نظر آتی ہیں۔ ہر قسم کی گائیڈنس اور ٹکٹ یعنی سب وے کا ٹوکن بھی ڈیڑھ ڈالر میں نیچے سے ہی مل جاتا ہے۔ اس ٹوکن پر کوئی شخص نیویارک زیر زمین چلنے والی ٹرینوں پر جہاں چاہیے جا سکتا ہے لیکن جب وہ پلیٹ فارم سے باہر نکل آتا ہے تو پھر دوبارہ اپنا ٹوکن لئے بغیر ٹرین تک نہیں پہنچ سکتا۔

سب وے ٹرین میں بیٹھنے کے لئے پلیٹ فارم کے اندر داخل ہوتے وقت گیٹ لگے بیرئر سے گذرنا پڑتا ہے۔ یہ گیٹ پیتل کا گول ٹوکن ڈالنے پر ہی رستہ دیتا ہے ایک دفعہ تین سکھوں نے اس گیٹ سے گذرنے کے لئے ایک ٹوکن ہی استعمال کرنا چاہا اور وہی ٹرک استعمال کی جو ہمارے لوگ ویٹ مشین کو ناجائز استعمال کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ وہ یہ چالاکی کر ہی رہے تھے کہ سادہ کپڑوں میں ملبوس کنٹریکٹر کے ایک ایجنٹ نے دیکھ لیا اور تینوں سکھوں کو روک لیا۔ ان کی اچھی خاصی بے عزتی کرنے کے علاوہ ٹھکائی بھی کی گئی۔ جس کے بعد غالباً انہوں نے پھر کبھی یہ حرکت کرنے کی جرات نہیں کی ہوگی۔

ہاں تو ہم سب وے میں بیٹھ کر سیدھے بیٹری پارک کے قریب اتر گئے۔ اوپر سڑک پر آئے تو بے پناہ ہجوم تھا۔ ابھی بیٹری پارک تھوڑا دور تھا لیکن تمام سڑکیں شراب کی بوتلوں اور بیئر وغیرہ کی خالی ڈبوں سے بھری پڑی تھیں۔ چلتے وقت بہت احتیاط کرنا پڑی کیونکہ ٹوٹی ہوئی بوتلوں سے پیروں کے زخمی ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ شام کے پانچ بج رہے تھے۔ ابھی خاصی روشنی تھی کیونکہ ان دنوں یہاں سورج ساڑھے آٹھ بجے غروب ہوتا تھا۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں آدمی ایک میلے کی طرح جھومتے جھامتے چل رہے تھے۔ ایک جشن سرخوشی و سرشاری تھا کہ لوگ کاگ اڑاتے اور بوتلیں غٹ غٹ چڑھاتے ڈولتے ڈولتے آگے بڑھ رہے تھے۔ نیویارک میں سرعام شراب پینا جرم ہے بلکہ کھلی بوتل بغیر لفافے کے ہاتھ میں رکھنا بھی قابل تعزیر ہے۔ لیکن اس دن ایسی کوئی پابندی روا نہیں تھی۔ آزادی کا قومی جشن تھا اور ہر شخص کو مکمل آزادی حاصل تھی۔ نوخیز اور نوجوان لڑکیاں انتہائے سرخوشی میں پئے ہوئے تھیں۔ دائیں

بائیں ہر کوئی ہر کسی سے ٹکرا رہا تھا۔لڑکیاں لڑکوں سے اور مرد عورتوں سے چلتے چلتے ٹکرا جاتے تو مسکرا کر آگے بڑھ جاتے۔ہم نے محسوس کیا کہ ان سب میں ہم ہیں جو سب سے باہوش وحواس چل رہے تھے ورنہ کون تھا جو دوسروں پر نہ گر رہا ہو۔اتنے میں پیچھے سے مجھے کسی نے کمر میں چٹکی لی۔پھر دوسری جانب بھی ویسی ہی چٹکی بھری گئی۔میں نے پلٹ کر دیکھا تو دو نوجوان لڑکیاں عالم مدہوشی میں ایک دوسرے بانہوں میں بانہیں ڈالیں مجھ سے بے تکلفی کر رہی تھیں۔غضب کی نوجوان اور خوبصورت تھیں اس جوانی پر شراب کا نشہ۔سونے پر سہاگہ۔میں نے بغیر سوچے سمجھے پیچھے مڑ کر ان کی طرف دیکھا اور ان کی شرارت آمیز قہقہوں کی پروا کئے بغیر ایک کی کمر میں بازو حمائل کر دیئے مجھے خیال آیا کہ میں کیوں ان جیسا بن گیا ہوں۔میں اکیلا ہی نہیں۔بلکہ میرے ساتھ بیگم بیٹا اور بیٹے کا ایک دوست بھی ہے چنانچہ جوانی کو آواز دیتا دیتا رہ گیا۔اور پوری سنجیدگی سے تیزی سے آگے بڑھ گیا۔میرے بیٹے کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ غصے میں ڈانٹتا ہوا ان کی طرف لپکا۔میں نے اسے روک دیا۔'' کچھ نہ کہو۔آج کے دن انہیں مکمل آزادی ہے!''

اب ہم بیڑی پارک کی بندرگاہ پر پہنچ چکے تھے۔پانی میں دور دور تک چھوٹے بڑے جہاز اور FERRIES کھڑی تھیں۔ہر جہاز اور کشتی پر چراغاں تھا اور خوب سجی ہوئی تھی۔پھر لیزر شو کا ٹائم ہو گیا اور ٹھیک آٹھ بجے اعلان ہوا کہ اب نیو جرسی سے لیزر شو کا آغاز ہوتا ہے۔آسمان ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک دوسرے کو کاٹتی ہوئی رنگا رنگ لیزر شعاعوں اور ان کے نتیجے میں چھوٹنے والی بے پناہ خوبصورت آتش بازی سے جگمگا اٹھا۔ابھی یہ شو دس منٹ ہی ہوا تھا کہ بند ہو گیا۔لوگ بے چینی سے انتظار کرنے لگے مگر پھر کوئی لیزر بیم نہ چلی نہ آسمان پر نعرے لکھے گئے اور نہ آتشبازی کا مزید مظاہرہ ہوا۔بال آخر ایک آواز گونجی جو معذرت کر رہی تھی کہ دو برس پہلے کی طرح اس دفعہ بھی کسی نے شرارت کر کے ان کے کمپیوٹرائزڈ لیزر شو میں مداخلت کر کے اسے ناکام بنا دیا ہے۔اگلے دن ٹی وی اور اخبارات سے پتہ چلا کہ دو برس پہلے کی طرح اس دفعہ بھی دو پاکستانیوں نے ان کے سارے لیزر شو کو ناکام بنا دیا ہے۔ہم پاکستان کی اس بدنامی پر خوش بھی تھے اور افسوس بھی کہ پاکستانی خواہ مخواہ اپنے ملک کو بدنام کر رہے ہیں۔خوش اس لئے کہ یہ نوجوان EVIL GENUIS سہی ہیں تو ذہین کہ امریکیوں کے منصوبے بھی ناکام بنا سکتے ہیں۔

اس رات بیڑی پارک کا مظاہرہ ناکام ہونے کے باوجود ہم اس میلے نما ہجوم عاشقاں میں رات دو بجے تک پھرتے رہے۔میٹروپولیٹین کی طرف سے تمام سڑکوں کے کنارے کنارے JONES یعنی رفع حاجت کے لئے سینکڑوں کیبن کھڑے کر دیئے گئے تھے۔چھونکہ لوگ بے پناہ پی پلا رہے تھے اس لئے انہیں ادھر جانے کی بھی بار بار حاجت پیش آ رہی تھی۔اب لوگ کم ہونا شروع ہو گئے تھے۔پھر یہ کہ ہم لوگ گھومتے پھرتے بروکلین کے اس علاقے میں آ نکلے تھے جو جرائم پیشہ کالوں خصوصاً ڈرگ مافیا کی سرگرمیوں کے لئے خاصا بدنام تھا۔ہم سب وے سٹیشن کی تلاش میں تھے اور کہیں کہیں رک کر مووی کیمرے سے تصویریں بنا لیتے تھے کہ ایک جگہ تین چار کالوں کا ٹولا ہمارے پیچھے لگ گیا۔ہمیں اندازہ ہو گیا کہ وہ ہمارا مووی کیمرہ چھیننا چاہتے ہیں۔چنانچہ ہمارے بیٹے نے

کیمرے کی سٹریپ کس کر اپنے ہاتھ سے باندھ لئے اور ہم تینوں نے اس کو اپنے درمیان میں لے لیا۔ ہم تیز تیز قدم اٹھاتے آگے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے کہ ایک کالے نے دوسروں کو آواز دی۔ ''فالو دیم'' یہ آواز سنتے ہی ہم پولیس کے سپاہیوں کے پاس آ کر رک گئے۔ اور اس وقت تک وہاں سے نہ ہٹے جب تک کالے ہمارا تعاقب چھوڑ کر چلے نہ گئے۔ اس کے بعد ہم سب وے سٹیشن میں اتر گئے۔ کیمرے کو لپیٹ کر بیگ میں ڈال لیا۔ اور کوئنز سٹیشن پہنچ کر کار لے کر گھر آ گئے۔ رات کے تین بج رہے تھے مگر راستے میں جگہ جگہ لوگوں کی ٹولیاں ابھی تک جھومتی جھامتی چلی آ رہی تھیں۔ یہ تھا 4 جولائی کا جشن..... جو قوم کو مکمل آزادی کی ضمانت دیتا ہے۔

◆◆◆

مین ہٹن فیشن کی دنیا

پہلے ہم جب اپنے بازاروں میں ریڑھیاں اور خوانچے والے دیکھتے تھے تو خیال آتا تھا کہ یہ سوغات صرف ہماری طرح کے تیسری دنیا کے ملکوں میں ہی ہوگی لیکن امریکہ جا کر خصوصاً دنیا کے سب سے فیشن ایبل علاقے اور عالمی تجارت کے سب سے بڑے مرکز میں ریڑھیاں دیکھ کر خیال بدل گیا۔ بڑی بڑی سڑکوں کے کنارے کھانے کی چیزیں خصوصاً برگر اور ہاٹ ڈاگ وغیرہ تیار کر کے بیچنے والوں کی ریڑھیاں دیکھ کر بڑا تعجب ہوا اخبارات فروخت کرنے یا مفت تقسیم کرنے والی خودکار مشین تو سڑکوں کے کنارے فٹ پاتھ پر لگی کوئی معیوب بات نہ تھی لیکن ہمارے ہاں جس طرح ریڑھیوں پر گرما گرم سموسے اور پکوڑے بکتے ہیں اسی طرح وہاں چولہے پر کھانے کی چیزیں تیار کرتے اور بیچتے دیکھ کر چونک سے گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب قریب قریب غریب ملکوں کے غریب باشندے تھے لیکن خلاف توقع ان کی ریڑھیوں پر بھی صفائی اور حفضان صحت کے اصولوں کی کوئی خاص پروا نہیں کی جا رہی تھی۔ مین ہٹن کی سڑکوں اور فٹ پاتھوں پر جہاں پیرس اور روم کے بعد فیشن کے نت نئے انداز متعارف ہوتے رہتے ہیں اور دن رات خوبصورت دوشیزائیں نئے سے نئے فیشن کے لباس پہنے ایک طرح کی فیشن پریڈ کا منظر پیش کر رہی ہوتی ہیں وہیں ان کے دائیں بائیں ہاٹ ڈاگ جیسی چیزوں کے بھبھکے اڑ رہے ہوتے ہیں۔ مغربی ملکوں کے باشندے تو ایشیائی باشندوں کے گھروں میں پکنے والے کھانوں کی خوشبوئیں ناک میں پڑتے ہی میٹروپولیٹن کو شکایت کر دیا کرتے ہیں وہاں ان کے کھانوں کی ریڑھیوں سے اٹھنے والی بوئیں برداشت کرنا خود ہمارے لئے بڑا صبر آزما تھا۔ ایسی بے شمار ریڑھیوں کو ہم نے بغیر جالی اور شیشے کے دیکھا یہ درست کہ وہاں گڑ یا مکھی نام کو نہ تھی۔ اور یہ دو چیزیں تو غالباً پورے امریکہ میں ہم نے کہیں نہیں دیکھیں لیکن پھر بھی سر بازار یہ سب کچھ بکتے ہوئے دیکھ کر دل نے کہا۔ ''بڑے سنتے تھے صفائی پسند..... ہم سے بھی گئے گذرے نکلے۔'' تفریح گاہوں اور پارکوں میں بھی کھانے پینے کی چیزیں سر راہے ریڑھیوں اور خوانچوں پر بکتے دیکھیں مین ہٹن کے سنٹرل پارک میں بھی یہ منظر دیکھا اور فلوریڈا سے لے کر لاس اینجلز کے ڈزنی لینڈ میں بھی یہ ساری بدعتیں موجود تھیں۔

باتوں باتوں میں مین ہٹن کی فیشن کی بات چل نکلی تھی تو یہ بات قدرے تفصیل چاہتی ہے مین ہٹن میں خود بھی دنیا کی بہت بڑی بڑی اور ممتاز فیشن ڈریس اور ڈیزائن تیار کرنے والی فرمیں ہیں اس کے علاوہ پیرس اور روم کے نئے نئے فیشن بھی آئے روز متعارف

ہوتے ہیں۔ بے شمار جدت پسند خواتین بھی جو دنیا بھر سے یہاں آتی ہیں اپنے ڈیزائن کئے ہوئے لباس پہن کر بڑے فخر سے نمائش کرتی پھر رہی ہوئی ہیں چونکہ مغربی خواتین جسم ڈھانپنے سے کچھ زیادہ سروکار نہیں رکھتیں اور موسم کی پروا کئے بغیر عریانیت کی نمائش کو ترجیح دیتی ہیں اس لئے بعض مناظر بلاشبہ ایسے ہوتے ہیں کہ نظر جھکا لینی پڑتی ہیں۔ ایسی ہی ایک چیز پر ہماری بھی ایک نگاہ غلط انداز پڑ گئی۔ ایک جوان جہاں دوشیزہ نے کمر سے نچلے حصے کو صرف مکرامے کی طرز کی سیاہ وسفید لڑیوں سے چھپا رکھا تھا اسے دیکھ کر ماقبل تہذیب اس زمانے کی یاد آ گئی جب عورتیں اور مرد اپنا ستر ڈھانپنے کے لئے صرف پتے استعمال کیا کرتے تھے۔

ہم نے مین ہٹن اور دیگر تفریحی مقامات پر ہر جگہ بیشتر مسلمان اور سکھ عورتوں کو شلوار قمیض میں دیکھا اور خوشی ہوئی کہ ہمارے ہاں کی خاندانی عورتوں نے دوسروں کی دیکھا دیکھی خود کو بے لباس نہیں کیا۔

مین ہٹن کی خوبصورتی میں اضافہ کرنے والے وہ خوبصورت پھولوں کے سٹال خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو ہر تھوڑے فاصلے پر سجے نظر آئے۔ اسی طرح جب بادل گھر گھر آ جائیں اور پھوار پڑنے لگے تو اچانک سیاح مردوں اور عورتوں کے چھاتے کھل جاتے ہیں۔ جب کے پاس یہ چھاتے نہیں ہوتے وہ فٹ پاتھ پر گھوم پھر کر بیچنے والے چینیوں یا سیاہ فام لوگوں سے یہ چھاتے خرید لیتے ہیں جو ڈیڑھ ڈالر سے تین چار ڈالر تک جہاں گاہک پھنس جائے چھاتے بیچتے ہیں۔ اسی مین ہٹن کی سڑک پر ہم نے ایک خاتون کو دیکھا جس نے ایک خوبصورت پھول نما چھاتہ اپنے سر پر ٹوپی نما کسی چیز سے فکس کر رکھا تھا۔ یہ نفیس اختراع اسے بارش کی پھوار کے علاوہ دھوپ سے بھی بچا سکتی تھی مگر تھی بالکل نئی اور دلچسپ چیز اور کہیں ہم نے اس طرح سر پر پھول کی طرح کھلنے اور کھلنے والی چھتری نہیں دیکھی۔

امریکہ میں اخبارات کی بزنس بہت بڑی ہے۔ ان اخبارات میں خبریں اور تبصرے کم اور اشتہارات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ مشہور اخبارات کے سوا باقی اخبار مقامی اور علاقائی ہوتے ہیں ان میں سے بھی بیشتر مفت تقسیم ہوتے ہیں۔ سڑکوں کے کناروں پر ایسے بکس لگے ہوتے ہیں جہاں سے ہر کوئی مفت اخبار حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن ان اخبارات کو ایک نظر دیکھنے کے بعد ہر شخص کچھ آگے جا کر ڈسٹ بن میں ڈال دیتا ہے۔ اتنے بھاری اور ضخیم اخبار کو سنبھالنا بھی مصیبت ہوتا ہے۔

یہاں پبلیشنگ بہت بڑی انڈسٹری ہے یہاں کتابیں ہمارے ملک کی طرح محض ہزار دو ہزار کی تعداد میں نہیں چھپتیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوتی ہیں • اور چند کتابیں لکھ کر مصنف عمر بھر کی کمائی کا وسیلہ بنا لیتا ہے۔ اس دفعہ ہم نے نوٹ کیا کہ نیویارک ہی نہیں ہر جگہ پرنٹ میڈیا کی دکانیں بہت کم ہوگئی ہیں۔ اور ویڈیو کیسٹ کا کاروبار بہت بڑھ گیا ہے۔ ہر کوئی کتاب کی بجائے کیسٹ یا

فلم مانگتا ہے یوں لگتا ہے کہ مستقبل قریب میں اس میدان میں پرنٹ میڈیا پٹ جائے گا کتابوں کی بہت سی بڑی بڑی دکانوں میں اب ویڈیو کیسٹ کا بھی بڑا سیکشن ہوتا ہے کتابوں کی ایک بہت بڑی دکان مین ہٹن کی..... سٹریٹ پر ہے جس کا نام بزنس اینڈ نوبل ہے جہاں آپ دنیا کے کسی حصے اور کسی بھی زبان میں کسی عہد میں چھپی ہوئی کوئی بھی کتاب کا آرڈر بک کرا کر وہ کتاب حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ دکان بہت ری ہے اور اس کے سینکڑوں سیکشن ہیں جہاں طالب علم لڑکے لڑکیاں اور کتابوں یا آرٹس کے شائقین سارا سارا دن بیٹھے کتابیں دیکھتے رہتے ہیں۔ کوئی بھی کتاب خرید کر لے جائے تین ماہ کے اندر پسند نہ آنے پر بغیر کوئی وجہ بتائے واپس کر کے پوری رقم واپس لی جا سکتی ہے۔ یہ رعائت اور سہولت امریکہ میں خریدی جانے والی تقریباً ہر چیز پر حاصل ہے۔

◆◆◆

نیویارک کے نائٹ کلب

نیویارک سٹی میں شخصی آزادی نے جنسی آزادی کے لئے لوگوں کو کھل کھیلنے کا لائسنس جاری کر دیا ہے ایک برائے نام پابندی چائلڈ ابیوز CHILD ABUSE کے نام پر عائد ہے اس کا بھی قطعی طور پر غلط استعمال ہو رہا ہے۔ قانون میں صرف اتنی ممانعت ہے کہ کوئی بھی 18 سال سے کم عمر کے لڑے یا لڑکی کے ساتھ جنسی فعل کی زد آنے والی کوئی حرکت نہیں کر سکتا اور اس کے لئے بڑی سخت سزا بھی رکھی گئی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس امر کی کھلی چھٹی ہے کہ 18 سال سے کم عمر کے لڑکے لڑکیاں آپس میں جو چاہیں کریں۔ بلکہ سکولوں میں ان نابالغوں کو شادی سے پہلے اس قسم کے جنسی تجربات سے گذرنے کا مخلصانہ مشورہ عموماً دیا جاتا ہے اور ایک ٹیلی ویژن پروگرام میں امریکی لڑکے لڑکیوں نے سوال و جواب کے دوران اعتراف کیا کہ ہر لڑکی یا لڑکے نے سن بلوغت کو پہنچنے سے پہلے جنس مخالف سے 14 سے 18 مرتبہ انٹر کورس کر لیا تھا۔ قانون ہونے کے باوجود ہر سکول میں چائلڈ ابیوز کے بڑے سکینڈل آئے روز اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں جن میں سکول ٹیچر اور پرنسپل خود ملوث ہوتے ہیں۔

امریکہ میں جہاں بالغوں لے لئے جنسی آزادی پر کوئی قدغن نہیں ہے وہاں سرعام ایسی حرکات پر قدرے پابندیاں بھی ہیں اور بعض ہوٹلوں اور کلبوں کی اس ضمن میں کسی حد تک کھل کھیلنے کے لائسنس بھی دیئے جاتے ہیں۔ کلبوں کی صورت میں یہ کاروبار بہت پھیل چکا ہے۔ نیویارک شہر میں ٹاپ لیس کلبوں کی تعداد چالیس کے لگ بھگ ہے جہاں ویٹرس لڑکیاں برہنہ چھاتیوں کے ساتھ مہمانوں کے لئے میزبانی کے فرائض انجام دیتی ہیں۔ ان کلبوں کی سالانہ آمدنی پچاس ملین ڈالر سے تجاوز کر چکی ہے۔ اس شہر میں دو سال پہلے ایسے کلبوں کی تعداد صرف 5 تھی۔ ان کلبوں میں اب پندرہ سولڑکیاں برہنہ ڈانس کرتی ہیں اور ہر ڈانسر کی روزانہ آمدنی دو ہزار ڈالر ہے۔ ان کلبوں کے مالکان اسی ہزار ڈالر سے ڈیڑھ لاکھ ڈالر فی ہفتہ کماتے ہیں۔ ان میں سے 15

کلب ہیں جن کی سالانہ آمدنی چالیس ملین ڈالر ہے۔ ان کلبوں میں داخلہ کا ٹکٹ 20 ڈالر ہوتا ہے۔ ہر شخص تقریباً چالیس پچاس ڈالر شراب پر خرچ کر دیتا ہے۔ جبکہ بعض زیادہ دولت مند ان رنگین راتوں میں حتی المقدور دولت لٹاتے ہیں۔ یہ لوگ برہنہ لڑکیوں کو سینکڑوں ڈالر ٹپ کے طور پر بھی دیتے ہیں۔

امریکہ کے ہر چھوٹے بڑے شہر میں نائٹ کلبوں۔ کسینو (جوئے خانوں) ٹاپ لیس بار اور ہوٹلوں کی کمی نہیں ننگے لوگوں کے کلب

بھی عام ہیں۔ جنسی عمل پر مبنی سٹیج شو اور پیپ ان شو PEEP IN SHOW بہت ہوتے ہیں۔ کیونکہ امریکی اس جنسی آوارگی کے بغیر زندہ رہ ہی نہیں سکتے۔ انہیں اپنی بداعمالیوں کے نتائج کا اچھی طرح علم ہوتا ہے۔ لیکن بیشتر لوگوں کا حیات بعد الموت پر چونکہ عقیدہ نہیں ہوتا اس لئے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی صرف ایک دفعہ ملی ہے اسے کیوں نہ پوری طرح ENJOY کیا جائے۔ بات ہو رہی تھی امریکہ میں نائٹ کلبوں وغیرہ کی۔ یہ کلب بڑے نمایاں نیون سائن بورڈوں کے ساتھ ہر شہر کی ہر چھوٹی بڑی سڑک پر نظر آتے ہیں۔ ہر جگہ یہ بزنس بہت پھل پھول رہا ہے اور ہمارے جیسے ملکوں کے لوگوں کے لئے جو مذہب سے دور ہوتے ہیں امریکہ تو گویا ''حسن بن صباح'' کی جنت ثابت ہوتا ہے۔ نیویارک سے ملتے ہی جب کوئی نیوجرسی میں داخل ہوتا ہے تو اسے ٹاپ لیس ریستوران کے بورڈ صاف نظر آنے لگتے ہیں۔ یہ کلب صرف رات کا ہی نہیں دن کا دھندہ بھی کرتے ہیں۔ ایک بار ہم نیویارک کے جیکسن ہائٹس کے علاقہ میں شاپنگ کرتے پھر رہے تھے کہ سٹریٹ نمبر 38 عام فلیٹوں اور دکانوں کے درمیان ایک ہوٹل نما مکان کے باہر GOGO بڑا سا لکھا نظر آیا۔ اس نام سے ہمارے پاکستان میں صرف آئیس کریم بکا کرتی ہے۔ لیکن وہاں ہمیں ایسا کوئی کاؤنٹر نظر نہ آیا۔ خیر ہم اس کا نوٹس لئے بغیر نکل رہے تھے کہ فٹ پاتھ کے ساتھ ایک نیم وا دروازہ نظر آیا۔ اس میں سے میوزک کی سوئی سوئی سی آوازیں باہر رس رہی تھیں۔ ہم اس کی بھی پروانہ کرتے کہ ایک سپینش جوان جو 40 کے لگ بھگ ہوگا چلتے چلتے دروازہ کھلا دیکھ کر اندر چلا گیا اور چند لمحوں کے بعد ہنستا ہوا باہر واپس آ گیا اس نے مجھے دیکھتے ہی مسکراتے ہوئے کہا۔ ''جاؤ تم بھی اندر جا کر دیکھ آؤ۔'' میں بغیر سوچے سمجھے محض تجسس کے لئے دروازے کے اندر دور تک چلا گیا اندر اندھیرا گھپ تھا۔ بہت مدھم روشنیاں تھیں جب ایک لمحے کے بعد نظر کام کرنے لگی تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ دروازے کے بالکل قریب مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر ایک ٹاپ لیس لڑکی پیڈسٹل پر کھڑی مسکرا مسکرا کر اپنے حسن اور عریانیت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ اور اس کے سامنے پورے ہال میں لوگ خاموش بیٹھے شراب کی چسکیاں لے رہے تھے یا سب کے سب بالکل سکتے میں تھے۔ پتہ نہیں یہ ان لوگوں کے مینرز تھے لڑکی کے حسن و جمال نے انہیں مبہوت کر رکھا تھا ورنہ ہمارے ہاں سکرین پر اگر تھوڑا سا بھی اشتہا انگیز منظر آ جائے تو ناظرین سیٹیاں بجا بجا کر ہال سر پر اٹھا لیتے ہیں۔ ابھی میں اس سحر کو سمجھنے بھی نہ پایا تھا کہ دو ٹاپ لیس حسینائیں میری طرف بڑھیں اور انہوں نے اپنے بازو میری کمر میں حمائل کر دیئے وہ مجھے آگے آ کر کرسیوں پر بیٹھ جانے کی دعوت دیں رہی تھیں۔ میں نے جب ان کے ننگے اور گرم جسموں کا لمس محسوس کیا تو اصل حقیقت مجھ پر منکشف ہونا شروع ہوئی۔ میں نے پوری سرعت سے ان کے بازوؤں کے حصار توڑ دیا اور جلدی سے باہر فٹ پاتھ پر آ کودا..... ''کیا ہوا'' میرے ساتھ جو لوگ تھے وہ پوچھ رہے تھے۔ ''غلط جگہ چلا گیا تھا۔'' میں اس حیرت کدہ سے نکلتے ہی بس یہی چند لفظ کہہ سکا۔ بعد میں پتہ چلا کہ ایسے فٹ پاتھئے کلب یہاں ہر سڑک پر ہیں۔ باہر سے یہ بے نام سے لگتے ہیں لیکن اندر سے بہت گہرے اور کشادہ ہوتے ہیں۔ اور نیچے بیس منٹس میں بھی ایسے کئی فلور دھندہ کر رہے ہوتے ہیں۔ یہاں جانے والوں کو

صرف ایک پیگ شراب کی قیمت آٹھ ڈالر دینا ہوتی ہے۔ جو دراصل انٹری فیس ہوتی ہے۔ ایک دو گھونٹ شراب تو چند منٹوں میں ختم ہو جاتی ہے۔ پھر ہر نئے پیگ پر آٹھ ڈالر..... اور ایک فلور سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے پر نئی نئی لڑکیوں کی عریانیت کے مناظر دیکھتے دیکھتے شام سے صبح ہو جاتی ہے۔

امریکہ کی نوجوان نسل میں وال چاکنگ کی عادت بہت بری طرح جڑ پکڑ چکی ہے۔ ہمارے ملک کے کالجوں کے نوجوان تو ابھی اس معاملے میں بہت پیچھے ہیں۔ امریکی لڑکے اور لڑکیاں معلوم ہوتا ہے اپنا سارا فالتو وقت ریلوے سٹیشنوں سے ملحقہ عمارتوں۔ شہر کی دیواروں اور سب وے پلیٹ فارموں اور سٹیشنوں پر برش اور رنگ پکڑے تصویریں بناتے اور لکھتے لکھاتے رہتے ہیں۔ ٹرین میں سفر کریں تو سٹیشن آنے سے پہلے پٹڑی کے ساتھ واقع عمارتوں کی دیواروں پر وہی رنگ اور برش سے دل اور اس میں پیوست تیر بنے ہوئے اور طرح طرح کے عشقیہ جملے لکھے نظر آئیں گے۔ نیویارک کی سب وے بھی اس بدعت کا بری طرح شکار ہے۔ ٹرین کے اندر تو نہیں البتہ دیواروں پر خوب مصورانہ خیال آرائی کی گئی ہوتی ہے۔

◆◆◆

سب وے

نیو یارک میں 296 فٹ زیر زمین براڈوے کے مقام پر سب سے پہلے 1870 میں سب وے ٹرین چلائی گئی۔ اس سروس کا باقاعدہ افتتاح 1897 میں بوسٹن میں اور 1907 میں نیو یارک میں ہوا۔ اس سے پہلے صرف ہنگری۔ پیرس اور برلن میں زیر زمین گاڑیاں چلنا شروع ہوئی تھیں۔ نیو یارک کا زیر زمین ریلوے نظام دنیا کا سب سے بڑا نظام کہلاتا ہے۔ اس کی لمبائی 74 میل ہے۔ نیو یارک کے تمام مشہور علاقوں مثلاً برونکس۔ کوئنز۔ مین ہٹن۔ بروکلین آئی لینڈ۔ فورٹ ہملٹن۔ جان ایف کینڈی ائیر پورٹ وغیرہ سے اس سب وے کا رابطہ ہے 1981 میں پہلی بار اس سب وے کی پٹڑیوں اور گاڑیوں کو تبدیل کیا گیا۔ اور 1985 میں یہ سارا نظام جدید تر کر دیا گیا۔ یہ نیو یارک کا موثر ترین ٹرانسپورٹ سسٹم ہے کیونکہ زمین کے اوپر سڑکوں پر ٹریفک بہت بڑھ چکی ہے اور دفتری اوقات میں یہ ٹریفک جام ہو جاتا ہے اور موٹر کاریں اور گاڑیاں ایک ایک انچ آگے بڑھنے پر مجبور ہوتی ہیں۔ ایک گھنٹے کا سفر صبح اور دوپہر کے وقت عموماً ڈھائی گھنٹے میں طے ہوتا ہے۔ سب وے نیو یارک میں آمدورفت کا سب سے موثر نظام ہونے کے علاوہ سب سے بدنام نظام بھی ہے۔ اس کے سٹیشن اور پلیٹ فارم بھک منگوں بیماروں اور جرائم پیشہ افراد کے اڈے بن چکے ہیں۔

نیو یارک میں سب وے تین مختلف قسم کی ہیں پہلی مین ہٹن سے چلتی ہے اور اس کا نام انٹر بورلیڈ ٹرانزٹ ہے۔ دوسری بروکلین مین ہٹن ٹرانزٹ ہے۔ اور تیسری کا نام انڈی پنڈنٹ لائن۔ ہر گاڑی پر صرف I.R.T - B.M.T یا I.N.D لکھا ہوتا ہے۔ ان میں ایکسپریس بھی ہوتی ہیں اور لوکل بھی۔ ایکسپریس ہر سٹیشن پر نہیں رکتی۔ یہ تمام گاڑیاں ہر تین منٹ کے بعد ایک ہی پٹڑی پر آتی جاتی ہیں۔ ایکسپریس سب وے کی رفتار حیرت انگیز طور پر بہت زیادہ ہوتی ہے۔ نیو جرسی اور مین ہٹن کے درمیان PATH سب وے ٹرین بھی چلتی ہے جس کا ٹکٹ صرف ایک ڈالر ہے جو چھوٹے سٹیشنوں پر بھی رکتی ہے جنکو جلدی پہنچنا ہو وہ اس ٹرین پر سفر نہیں کرتے۔

سب وے کا نظام سیاحوں کے لئے بڑا آسان اور عمدہ ہے۔ شہر کی سب وے کے نقشے ٹکٹ کاؤنٹر سے مفت مل جاتے ہیں اور دیواروں پر بھی تفصیلی نقشے آویزاں ہوتے ہیں۔ کسی سے پوچھنے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔ اس کے علاوہ ٹرینوں کے اندر بھی رہنمائی مل جاتی ہے۔ ڈیڑھ ڈالر کا ایک دفعہ ٹوکن لے کر ٹرین میں بیٹھ جائیں اور جی چاہے تو سارا دن اسی ٹکٹ میں پورے نیو یارک سب

وے میں سفر کرتے رہیں۔ چونکہ سب وے ٹرین میں اور اس کے پلیٹ فارموں پر جرائم بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ اس لئے یہاں پولیس بہت زیادہ اور چوکس ہوتی ہے۔ اگرچہ سرعام جنسی ہیجان انگیز حرکات کرنا ممنوع ہے تاہم سب وے پلیٹ فارموں اور ٹرینوں میں ہی سب سے زیادہ ہیجان انگیز حرکتیں نظر آتی ہیں تاہم کوئی کسی طرف توجہ نہیں دیتا اور ایسی حرکتیں کرنے والے اپنے کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔

ٹرین کے ڈبوں کے اندر اشتہار بازی وہاں بھی بہت ہے لیکن زیادہ تر اشتہار حکومت کی طرف سے ایڈز سے آگاہ کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ یہ ٹرینیں اگرچہ دن رات چلتی ہیں۔ دفتری اوقات میں ان پر بڑا رش ہوتا ہے۔ بیٹھنے کی جگہ مشکل ہی سے ملتی ہے لیکن اندھیرا پڑنے کے بعد لوگ ان میں سفر کرنے سے گریز کرتے ہیں کیونکہ اس وقت وارداتوں کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے۔ رات کے وقت ٹرین کے پھیروں کی تعداد کم کر دی جاتی ہے۔ نیویارک میں سب وے ٹرینوں کے ایک سو پلیٹ فارم ہیں۔ اوپر بڑی بڑی عمارات اور بازار ہیں۔ فٹ پاتھ سے سب وے کو راستے اترتے ہیں اور پورے نیویارک خاص طور پر مین ہٹن کے نیچے ہر وقت ٹرینیں چلتی رہتی ہیں اور سب وے کے ہر سٹیشن پر کھانے پینے کی چیزوں کے سٹال ہوتے ہیں۔

جرائم کی شرح نیویارک میں دوسرے سب شہروں سے زیادہ ہے اس کی وجہ کالوں اور غریب لوگوں کی اکثریت ہے۔ جبکہ جاپان اور روس میں سب وے میں بالکل جرائم نہیں ہوتے۔ فرانس میں بھی بہت کم جرائم ہوتے ہیں۔ نیویارک میں اوسط ہر روز چھ افراد قتل ہو جاتے ہیں۔ ان میں ٹیکسی ڈرائیور اور پولیس والے بھی ہوتے ہیں۔ نیویارک میں شہری اپنے مکانوں کو جب بند کر جاتے ہیں تو خفیہ سکیورٹی سسٹم اور محافظ کتوں کے علاوہ باہر کے دروازے کو تین تین تالے بھی لگاتے ہیں۔

◆◆◆

ہارورڈ یونیورسٹی

جان ہارورڈ یونیورسٹی دیکھنے جانا تھا جو بوسٹن کے مضافاتی شہر کیمبرج میں دریائے چارلس کے پار واقع ہے۔ یہی وہ یونیورسٹی ہے جہاں انگریزی شاعری کے رومانوی دور کے مشہور شاعر ہنری وڈزورتھ لانگ فیلو 45 برس مقیم رہا شعروادب کی تعلیم دیتا اور نظمیں لکھتا رہا۔ یہاں باقاعدہ اس کی قومی یادگار قائم کی گئی ہے۔ کیمبرج صرف یونیورسٹی طلباء وطالبات کی شہر ہے جو بوسٹن سے دس میل کا فاصلے پر ہے اور بوسٹن کا قدیم تاریخی شہر میساچوسٹس سٹیٹ میں واقع ہے جو نیویارک سے چار گھنٹے کی ڈرائیو پر ہے۔ یہ شہر سترھویں صدی کے اوائل میں قائم ہوا اور یہاں سول وار کے زمانے میں بڑی زوردار بحری اور خشکی کی جنگیں لڑی گئیں کیمبرج کی جان ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ کی سب سے قدیم درسگاہ ہے۔ اس کا آغاز 1636 میں ہوا۔ اس کی عمارتیں نوآبادیاتی دور سے لے کر آج کے جدید دور تک کی یادیں تازہ کرتی ہیں۔ اس یونیورسٹی کی سیر کرانے کے لئے برلے ہال سے 45 منٹ کی گائیڈڈ ٹور سروس بھی ہے۔

جب ہم کیمبرج میں داخل ہوئے تو ایسا لگا کہ کسی ایسی جگہ پر پہنچ گئے ہیں جہاں صرف نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ہی ہوتی ہیں۔ پارکوں۔ بازاروں اور ہوٹلوں میں ہر جگہ کتابیں پکڑے ہوئے لڑکے لڑکیاں نظر آرہے تھے۔ دریا میں کشتیوں پر اور دریا کے کناروں پر بھی یہی نئی نسل بکھری پڑی تھی۔ یہ لوگ زیادہ تر ایشیائی اور افریقی ملکوں کے تھے۔ سفید فام ضرور تھے لیکن امریکی بہت کم تھے۔ ہمیں بتایا گیا کہ یہ یونیورسٹی برطانیہ کی کیمبرج یونیورسٹی کی طرز پر شروع شروع میں برطانوی نوآبادکاروں نے بنائی تھی۔ انہوں نے اس سارے علاقے کا نام بھی انگلینڈ رکھا تھا جواب بھی ہے۔ یہ اتنی قدیم اتنی اعلیٰ شہرت یافتہ اور اتنی نیک نام یونیورسٹی ہے کہ امریکیوں کے بڑے اونچے اور اعلیٰ گھرانوں کے لوگ اپنے بیٹوں بیٹیوں کو یہاں داخل کرنا اور نوجوان یہاں سے ڈگری حاصل کرنا باعث فخر سمجھتے ہیں لیکن مقامی لوگوں کے لئے یہاں کے تعلیمی اخراجات بہت زیادہ ہیں اور بہت کم لوگ یہ اخراجات برداشت کرنے کے اہلیت رکھتے ہیں۔ بیشتر غیر ملکی ذہین طلباء یہاں سکالرشپ پر آتے ہیں۔

شام کے وقت نوجوان طلبا کے شہر میں گھومتے ہوئے ہم نے محسوس کیا کہ بیشتر نوجوان طالبات نے ہاتھوں میں کتابیں اور پیٹھ پر ننھے منے بچے باندھے ہوئے ہیں۔ بعض نوجوان جوڑوں نے پرام بچہ گاڑیوں میں بیٹھا رکھے تھے۔ یونیورسٹی کے باہر تمام بازار، ہوٹل، دکانیں اور چوک انہی لوگوں کی چہل پہل سے آباد تھے۔ کتابوں کی دکانوں اور بک سٹالوں میں داخل ہوئے تو بہت زیادہ تعداد میں

پورنولٹریچر (عریاں اور فحش) پڑا نظر آیا۔ دکانوں پر ہارورڈ یونیورسٹی کی یادگار کے طور پر شرٹس۔ ٹی شرٹس۔ پتلونیں اور دوسری بے شمار چیزیں تھیں جن پر ہارورڈ یونیورسٹی چھپا ہوا تھا۔ باہر سے آنے والے یہ چیزیں سوونیئر کے طور پر خرید رہے تھے۔

یونیورسٹی کے گیٹ کے اندر داخل ہوئے تو سامنے ہی اس عظیم ادارے کے بانی جان ہارورڈ کا سیاہ مجسمہ نظر آیا۔ اس کے آس پاس اور پیڈسٹل پر بیٹھ کر ہم نے تصویریں کھنچوائیں۔ ڈاکٹر راحیلہ نے اپنی بیٹی عروج سے وعدہ کیا کہ وہ جب بڑی ہو جائے گی تو اسے اسی یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم کے لئے داخل کیا جائے گا۔ اس کے بعد ہم نے یونیورسٹی کے متعدد بلاک اور شعبے دیکھے۔ بعض نئے بلاک زیر تعمیر تھے اور بعض بہت قدیم تھے یہ بات سمجھ نہ آئی کہ زیر تعمیر عمارتوں کو پردہ پوش کیوں رکھا گیا تھا۔

دوسری دفعہ جب ہم یہاں آئے تو صبح کے دس بج رہے تھے۔ غالباً یونیورسٹی میں یوم تاسیس کی چھٹی کے سبب میلہ سا لگا ہوا تھا اور لڑکے لڑکیاں سٹیڈیم نما سیڑھیوں پر بیٹھے کوئی رومانوی کھیل کھیل رہے تھے۔ آنکھوں پر پٹی باندھ کر کوئی لڑکا لڑکیوں کی طرف آتا اور جس لڑکی پر اس کا ہاتھ پڑتا اس کو اٹھا کر آنکھوں کی پٹی کھول کر اسے ایک نظر دیکھتا اور محبت و پیار کے ابتدائی اظہار کے بعد اسے لے اڑتا۔ اس موقع کے لئے لڑکیوں نے خوبصورت پریوں اور تتلیوں جیسا میک اپ کیا ہوتا کہ اس کے انتخاب کے بعد انتخاب کرنے والے کو مایوسی نہ ہو نوجوان دلوں کے اس ''سوئمبر'' نے دیکھنے والے بے شمار دلوں کی دھڑکنیں تیز کر دی تھیں۔ یہ وہاں کا موج میلہ بھی تھا اور آزاد معاشرے کی جیتی جاگتی روائت بھی یہاں کے لوگ تعلیم اور کام و محنت کے ساتھ اس قسم کی عیاشی کو بھی اپنے لئے ضروری سمجھتے تھے اور اپنے طور طریقوں میں ایشیائی ملکوں کے نوجوانوں کو بھی رنگ رہے تھے۔ یہ تھی جان ہارورڈ یونیورسٹی..... واشنگٹن میں بھی ملتے جلتے نام کی ایک یونیورسٹی ہے جسے ہاورڈ HOVARD یونیورسٹی کہا جاتا ہے وہ روس کی لومبا یونیورسٹی کی طرز صرف افریقیوں کے لئے مخصوص ہے۔

◆◆◆

ایک اور یادگار دعوت

پہلی بار ہماری آمد کے فوراً بعد ہی ہمارے ڈاکٹر بیٹے کے کئی دوستوں کا اصرار شروع ہوگیا کہ ہم ان کے ساتھ کھانا کھائیں۔ ہمیں بھی کچھ اعتراض نہ تھا ایک تو یہ کہ جب سے یہاں آئے تھے مسلسل سیر و سیاحت میں تھے اور اپنے ملک سے باہر خصوصاً امریکہ جیسی جگہ پر جب آدمی گھر سے باہر ہو تو پھر گھر والا کھانا کہاں نصیب ہوتا ہے۔ وہی پیزا سے پیٹ بھر لیا یا برگر کھا کر وقت گذار لیا۔ ہم وطن پاکستانیوں کی دعوت کے خیال سے ہی اپنے ہاں کے لذیذ مصالحے دار اور چٹ پٹے کھانے یاد آجاتے ہیں۔ چنانچہ ایک تو امریکہ میں کئی سال سے مقیم پاکستانی گھرانے سے ملاقات اور ان کے مسائل پر بات چیت کے خیال سے اور دوسرے جیسا کہ میں نے ابھی ذکر کیا ہے منہ کا ذائقہ درست کرنے کے خیال سے ہم مقررہ وقت پر نیویارک میں لانگ آئی لینڈ کے خوبصورت علاقے ایلمانٹ کی پارک وے پر پہنچ گئے۔ نہایت خوبصورت اور ایک جیسے مکانوں کے سلسلے میں بنا ہوا شمیم اور شاہد صاحب کا مکان بھی تھا شاہد چھوٹا اور شمیم بڑے بھائی تھے۔ یہ والدین اور بہن بھائیوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ مکان ان کا اپنا خریدا ہوا تھا۔ ساتھ والے ایک دو مکان بھی ان کے رشتہ داروں ہی کے تھے۔ شمیم اور شاہد صاحب نے بڑی گرمجوشی سے ہمارا خیر مقدم کیا۔ اگرچہ ہم پنجاب سے آئے تھے مگر چونکہ یہ لوگ کراچی کے تھے اس لئے کراچی کے حالات بڑی تفصیل سے پوچھتے رہے۔ وہاں کے حالات پر ہر پاکستانی زیادہ ان غریب الوطن پاکستانیوں کو تشویش تھی۔ ان کے گھر کے اندر کا ماحول خالص پاکستانی تھا۔ گھر کی خواتین اور بچے بچیاں اردو بول رہے تھیں۔ بچیوں نے ڈھب سے دوپٹے اوڑھ رکھے تھے۔ بزرگ خواتین اور جوان بچیاں اور شادی شدہ عورتیں سب ہی مسلمان مہذب گھرانے کا نقشہ پیش کر رہی تھیں۔ میری بیگم نے تو ان کے ساتھ علیحدہ محفل جمالی۔ وہ ان کے ادب آداب اور حسن سلوک سے بے حد متاثر تھیں اور کرید کرید کر بچیوں سے ان کے سکولوں کے حالات اور مسلمان ہونے کے ناطے انکے مسائل کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔ نماز کا وقت ہوتے ہی خواتین کی اپنے کمرے میں اور مردوں کی ڈرائینگ روم میں صفیں لگ جاتیں۔ اور یوں گھر کے سب افراد اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ یہاں باقاعدگی سے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور دیگر اسلامی احکامات کی پابندی کرتے ہیں اور بچوں بچیوں کو بھی امریکی سکول ہونے کے باوجود اسلامی تعلیمات کے منافی سرگرمیوں سے دور رکھتے ہیں بچیاں سکولوں میں سکارف باندھتی ہیں۔ بائبل یا سوئمنگ کلاس میں کبھی حصہ نہیں لیتیں گھر پر قرآن پاک کی تعلیم دینے کے لئے ایک مولانا

صاحب آتے ہیں۔ سب چھوٹے بڑے روزے نماز ادا کرتے ہیں۔ بڑی عید پر اجتماعی قربانیاں دی جاتیں ہیں اور عید کی گھروں میں دعوتیں بھی ہوتی ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ یہ دیار کفر میں 25'30 برسوں سے رہنے والے پاکستانی ہم پاکستان میں رہنے والوں سے کہیں اچھے مسلمان ہیں۔ سچی بات ہے ہمیں تو ان کے گھریلو اسلامی ماحول پر بڑا رشک آیا۔

شمیم صاحب نے کوٹھی نما اپنا مکان دکھایا اور بتایا کہ اس گھر کے لئے بلکہ اس کے ساتھ والے دو گھروں کے لئے بھی جو ان کے ہی رشتہ داروں کے تھے' انہوں نے کوئی بجلی کا کنکشن نہیں لیا ہوا اور وہ مکانوں کی ہیٹنگ سے لے کر پانی گرم کرنے بجلی کے آلات چلانے اور بتیاں روشن کرنے تک سب کچھ اپنی پیدا کردہ شمسی توانائی یعنی سولر انرجی کو کام میں لاتے ہیں۔ انہوں نے ایہ انرجی حاصل کرنے کے لئے لان میں اور چھتوں پر نصب بیٹریاں (آئینے) بھی دکھائے۔ انجینئرنگ ان کا شعبہ نہ تھا مگر سولر ٹیکنالوجی انہوں نے محض اپنے شوق سے سیکھ رکھی تھی۔ میں نے انہیں بتایا کہ یہاں تو آپ کو بجلی کی کمی کا کوئی مسئلہ نہیں۔ پاکستان میں تو سارا سال لوڈ شیڈنگ ہوتی رہتی ہے۔ اگر آپ وہاں ہوتے تو یہ چیز آپ کے بہت کام آسکتی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ یہاں بھی سورج کی حدت سے ضروریات کی بجلی پیدا کر لینے سے انکی خاصی بچت ہوجاتی ہے۔ شمیم صاحب نے مزید بتایا کہ وہ بلوچستان کی حکومت کو سولر انرجی بیٹریاں فراہم کررہے ہیں اور ایک بہت بڑا ٹھیکہ انہوں نے لے رکھا ہے۔ اس طرح ان کا یہ شوق ایک اچھے خاصے سائڈ بزنس کا بھی کام دے رہا ہے اس سلسلے میں وہ کبھی کبھار کراچی اور کوئٹہ کا چکر بھی لگا لیا کرتے ہیں۔

ان سب باتوں کے درمیان کھانے کا وقت ہوگیا اور گھر کے سب مردوں۔ خواتین۔ بچیوں اور بچوں نے ہمارے ساتھ بیٹھ کر اکٹھے ہی کھانا کھایا۔ سارے پاکستانی کھانے پلاؤ۔ مرغ۔ کئی قسم کے سالن کوفتے انڈے اور سویٹ ڈش کے طور پر کھیر۔ فرنی اور کسٹرڈ۔ بس مزہ ہی آ گیا۔ میکڈانلڈ برگر کھا کھا کر بور ہو گئے تھے۔ جی بھر کر اپنے ہاں کے مزیدار کھانے کھائے اور اس کے بعد سبز خوشبودار قہوہ پیا۔ بس یوں کہئے کہ ہم نے دیار غربت میں گھر کے مزے لوٹے۔

کھانے کے بعد شمیم صاحب نے اپنے بچوں سے تعارف کرایا جو امریکی سکولوں کے تعلیمی مقابلوں میں بری اچھی پوزیشن لاتے اور انعامات جیتا کرتے ہیں۔ ان کے ایک ہونہار بچے کی تصویریں تو ایک مقامی اخبار میں بھی شائع ہوئی تھیں۔ ان کے ضعیف والد صاحب ہومیوڈاکٹر تھے اور شوگر' نزلہ' زکام اور چھوٹی بڑی بیماریوں کا علاج خود کرلیا کرتے تھے۔

شمیم صاحب کی ایک جدت یہ بھی اچھی لگی کہ انہوں نے اپنی موٹر کار کی نمبر پلیٹ پر اپنا نام بھی لکھوا رکھا ہے۔ اضافی رقم دے کر اس بات کی اجازت مل جاتی ہے۔

رخصت ہوتے وقت ان کے گھر کی خواتین نے میری بیگم کو اور مرد حضرات نے ہم بات بیٹے کو بڑے تپاک سے رخصت کیا۔ اور دونوں طرف سے تحفے تحائف کا تبادلہ بھی ہوا۔ یہ اتنی خوبصورت ملاقات تھی کہ اس کی یادگار ہمیشہ کے لئے دلوں میں بس گئی۔

◆◆◆

مجسمہ آزادی اور ایلس آئی لینڈ

سٹیچو آف لبرٹی مجسمہ آزادی نیویارک کی سب سے زیادہ پرکشش جگہ ہے یہاں آنے والا کوئی سیاح اسے دیکھے بغیر آگے نہیں جاتا۔ اسے دیکھنے کے لئے ایک روز ہم مین ہٹن کے بیڑی پارک (دریائی بندرگار) پر فیری یعنی چھوٹے بحری جہاز پر سوار ہو کر اس جزیرے پر پہنچے۔ پانچ میل کا فاصلہ نصف گھنٹے سے بھی کم وقت میں کٹ گیا جب جہاز روانہ ہو رہا تھا تو تمام مسافر بندرگاہ اور اس کے عقب میں مین ہٹن کے زیرین علاقے کی فلک بوس عمارتوں کے پس منظر میں انسانی عزم و ہمت اور عظمت و شوکت کے منہ بولتے نقوش کو دیکھنے میں کھوئے ہوئے تھے اور جب جہاز بندرگاہ سے ذرا آگے نکل آیا تو ہلکے ہلکے بادلوں کی اوٹ میں چھپے ہوئے مس لبرٹی کے مجسمے پر ہر ایک کی نظریں گڑ گئیں۔ جہاز کے زیادہ تر مسافر عرشے پر ہی تھے اور ہر کوئی مووی اور سٹل کیمروں سے تصویریں لینے میں مصروف تھا۔ باہر ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی اور منظر دھندلایا ہوا تھا۔ ہمارے ملک کی طرح یہاں بھی جولائی میں اچھی خاصی بارشیں ہو رہی تھیں۔ ویسے بھی نیویارک کے موسم کا کچھ بھروسہ نہیں۔ بارش طوفانی ہوائیں اور پھر اچانک برفباری۔ جی چاہے تو بادل ایک دم چھٹ جائیں اور ریڈیو اور ٹی وی تھوڑی دیر بعد موسم کا حال بتاتے وقت گرمی کی شدت میں اضافے کی پیشگوئیاں کرنے لگیں۔

بہرکیف اس وقت ہم سب اس جزیرے پر نظریں جمائے مسلسل تصویریں اتارنے میں مصروف تھے جو باہر سے امریکی ساحلوں کی طرف آنے والے ہر نووارد کو شخصی آزادی کی جنت میں داخل ہونے کی نوید دیتا ہے۔ جزیرے پر نصب مس لبرٹی کا مجسمہ ایک صدی سے کچھ اوپر ایک فرانسیسی مجسمہ ساز فریڈرک برتھولڈی نے ڈھالا تھا۔ یہ تانبے کا بنا ہوا ہے اور اس کی اونچائی 151 فٹ ہے۔ اسے تقریباً اتنے ہی بلند پیڈسٹل پر نصب کیا گیا ہے اس کے نیچے نصب کتبوں پر اس مجسمے کی تاریخ کندہ ہے۔ یہاں ایک ایلی ویٹر کے ذریعے سیاحوں کو پیڈسٹل تک لے جایا جاتا ہے۔ پیڈسٹل سے مجسمے کے کراؤن تک پہنچنے کے لئے اس کے اندر 22 منزلوں کے برابر سیڑھیاں چڑھنا پڑتی ہیں۔

اس مجسمہ کی تاریخ کچھ اس طرح ہے کہ پیرس کے 986 فٹ بلند ایفل ٹاور کے خالق گستاف ایفل نے اس کے ماڈل کو دیکھ کر ڈھالا تھا۔ اسے بنانے کے لئے لوہے اور فولاد کا ڈھانچہ تیار کیا گیا اور پھر اس پر تانبے کی موٹی چادریں مڑھ دیں گئیں جس کے بعد ان پر نقش کندہ کئے گئے مجسمہ تیار ہو جانے کے بعد فرانس حکومت نے عوام کی طرف سے امریکہ کے پہلے یوم آزادی پر اسے امریکہ کو

تحفے کے طور پر پیش کر دیا تھا۔ یہ 4 جولائی 1884 کا واقعہ ہے۔ 152 فٹ بلند قامت مجسمے اور اتنے ہی بڑے پیڈسٹل کو امریکہ منتقل کرنے کے لئے مختلف حصوں میں یہاں لایا اور پھر اسے اسمبل کیا گیا۔ اس کا ماڈل اب بھی پیرس کے لوورے LOUVRE آرٹ میوزیم میں محفوظ ہے۔

مجسمہ آزادی کے نیچے جو ایلی ویٹر نصب ہے وہ دو سیکنڈ میں مجسمے تک پہنچا دیتا ہے۔ پیڈسٹل کے اوپر سے چکر دار زینہ شروع ہوتا ہے جس کی 168 سیڑھیاں ہیں اور ان سیڑھیوں سے گذر کر سیاح باسانی مجسمہ کے تاج تک پہنچ سکتا ہے۔

اس مجسمے کو نصب کرنے کا مقصد دنیا پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ آزادی ہی دنیا کو روشن کرتی ہے۔ مس لبرٹی کے ایک ہاتھ میں جلتی ہوئی مشعل ہے۔ اور دوسرے ہاتھ میں فرمان جس پر 4 جولائی 1886 کی تاریخ درج ہے۔ ایک فرانسیسی شاعرا یمالازارس نے مس لبرٹی کے بارے میں ایک نظم لکھی تھی جو اس کے چبوترے کے پچھلی طرف اب بھی کندہ ہے۔ 1986 میں صدر ریگن نے اس کی صد سالہ سالگرہ کے جشن کی تقریبات کا افتتاح کیا تھا اور اس مجسمے کی صفائی اور پالش کر کے اس کی آب و تاب کو بحال کر دیا گیا۔

اسکے ساتھ والے جزیرے کو آئی لینڈ کہتے ہیں۔ 1900 سے لے کر 1924 تک دوسرے ملکوں کے باشندوں کی امریکہ پر یلغار جاری رہی اس جزیرے میں ان لوگوں کے اندراج کا دفتر ہوا کرتا تھا جہاں کروڑوں آبادکاروں کو رجسٹر کیا گیا۔ 1954 میں ایلس آئی لینڈ میں امیگریشن عمارتوں کو خالی کر دیا گیا لیکن اب حال ہی میں کچھ عمارتوں میں پھر یہ دفتر قائم کر دیئے گئے ہیں جبکہ اصل عمارت اور عظیم ہال میوزیم کے طور پر موجود ہیں جہاں 400 سال کی امریکی امیگریشن کی تاریخ اور اس سے متعلقہ یادگاریں۔ دستاویزات اور تصاویر محفوظ کر لی گئیں ہیں۔ یہاں امریکہ ترک وطن کرنے والی شخصیات کے ناموں کی وال آف آنر بھی ہے جس پر دو لاکھ سے زیادہ تارکین وطن کے نام کندہ ہیں۔

یہ تمام مقامات دیکھنے میں ہمارا پورا دن گذر گیا۔ اس دوران بارش بھی ہوتی رہی اور دھوپ بھی مجسمے اور جزیرے کے روپ کو چمکاتی رہی۔ ہم پھر بندرگاہ پر آ کھڑے ہوئے بحری جہاز ہر تھوڑی دیر بعد آ جا رہا تھا۔ کار والے جہاز میں اپنی کاروں کو بھی لے کر اتر رہے تھے۔ عام مسافر کا کرایہ آنے جانے کا صرف نصف ڈالر تھا جبکہ کار کا کرایہ دو ڈالر تھا۔ ہم اسی ٹکٹ پر پھر جہاز پر واپسی کے لئے آ کر بیٹھ رہے۔ جہاز کے اندر بھی چھوٹے موٹے سٹال اور دکانیں تھیں۔ کچھ لوگ سیر سپاٹے سے تھک کر آرام سے بیٹھے تھے یا لیٹ کر کتابیں اور میگزین پڑھ رہے تھے مگر ہمارا تجسس اب بھی پہلے کی طرح تھا اور ہم بچوں کی طرح دریائی لہروں سے لے کر جہاز کے اندر خوش فعلیوں میں مصروف نوجوان جوڑوں تک ہر ایک کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

◆◆◆

ورلڈ ٹریڈ سنٹر

ہم گھر سے دنیا کی سب سے زیادہ بلند عمارت یعنی ورلڈ ٹریڈ سنٹر دیکھنے کا ارادہ کر کے نکلے تھے۔ مین ہٹن پہنچنے کے بعد لبرٹی اور ویسٹ کے درمیان واقع 16 ایکڑ رقبے پر محیط بنکوں' ریستورانوں' دکانوں دفاتر اور تجارتی نمائش کی دلچسپ جگہوں کو دیکھتے ہوئے اب ہم دو ایک جیسے بلند ٹاور کے قدموں میں کھڑے تھے۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے نام سے تو ہم اس وقت سے واقف تھے جب ایمپائر سٹیٹ بلڈنگ کی بلند ترین عمارت کی حیثیت سے شہرت دھندلانے لگی تھی۔ تصاویر بھی اکثر و بیشتر نظروں سے گذرتی رہتی تھیں لیکن آج ہم اس کے بالکل سامنے کھڑے تھے تو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ ان ٹوئن ٹاورز میں سے ہر ایک کی 110 منزلیں ہیں ٹاور نمبر 2 کے اوپر کی منزل مشاہداتی کہلاتی ہے۔ یہ ٹاورز زمین سے 1377 فٹ بلند ہیں اور انکی سیر کرنے کے لیے لائین میں کھڑے ہو کر ٹکٹ لینا پڑتا ہے۔ قطار بڑے لان کے آخری سرے تک جا کر پھر مڑ آتی تھی اس طرح ٹریڈ سنٹر کے نیچے سارا خالی پلیٹ فارم ان لائنوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہم بھی لائن میں لگ گئے۔ نیویارک کی رنگا رنگی یہاں پوری طرح عیاں تھی۔ ان لائنوں میں چینوں اور کوریائی باشندوں کے علاوہ پاکستانی۔ ہندوستانی خاص طور پر مدراسی اور کیرالہ والوں کے علاوہ پاکستانیوں کی بھاری اکثریت قدم قدم آگے بڑھ رہی تھی۔ فیملیاں ہی فیملیاں نظر آ رہی تھیں۔ ہر فیملی عام طور پر اپنے روائتی لباس میں تھی اور آپس میں اپنی اپنی بولیاں بول رہی تھیں۔ ہندوستان اور کراچی کے لوگ اردو بولتے تو صاف پہچانے جاتے اور پنجاب سے آئے ہوئے لوگ بھی اپنی شکلوں لباس اور بولی کی وجہ سے نمایاں تھے۔ ایک چیز جو قدرے کھٹکتی تھی وہ یہ کہ یہ پتہ چل جانے کے باوجود بھی کہ ہم سے آگے پیچھے یا ساتھ کھڑے ہوئے لوگ ہمارے اپنے وطن کے ہیں' کوئی ایک دوسرے سے سلام دعا یا تعارف کی ضرورت محسوس نہیں کرتا تھا اور اس دیار غیر میں بھی ایک زبان ایک کلچر اور ایک وطن سے تعلق ہونے پر بھی ہر ایک دوسرے سے اجنبیت کی دیوار حائل رکھنا چاہتا تھا۔ ہندوستانی عورتیں یہاں بھی پان چبا رہی تھیں۔

گجراتی اور کٹھیا واڑی عورتیں گھٹیا ساڑھیوں میں ملبوس تھیں ایسی ساڑھیاں جن میں وہ اپنے پیٹ اور کمی کو چھپانے کی بالکل ضرورت محسوس نہ کرتیں۔ پنجابی عورتیں قمیض شلوار اور سکھ عورتیں بھی کم و بیش اسی لباس میں تھیں۔ قطاریں بہت لمبی ہونے کے باوجود ایک ڈیڑھ گھنٹہ کے اندر سارے فاصلے طے کر کے ہر ایک لفٹ کے دروازے تک پہنچ جاتا تھا اور رنگا رنگ کے لوگوں کے مطالعہ میں

یہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ گذرتے پتہ بھی نہ چلتا۔

1990 میں اسی ٹریڈ سنٹر ٹاور کو دھماکے سے اڑانے کی کوشش کی گئی تھی جس میں چھ سیاح ہلاک اور 200 زخمی ہو گئے تھے۔ بعد میں دھماکہ کرنے کے الزام میں نیو جرسی کی ایک مسجد کے نابینا امام عبدالرحمٰن اور اس کے بہت سے عقیدت مندوں کو حراست میں بھی لے لیا گیا جن پر ایک عرصہ تک مقدمہ چلتا رہا۔

ٹریڈ سنٹر کی آبزرویشن ڈیک زمین سے چوتھائی میل بلند ہے۔ اور یہاں کھڑے ہوئے آپ کو پورا نیویارک اپنے قدموں میں محسوس ہوگا جس کے مختلف حصے ہمہ جہت بکھرے پڑے ہوں گے۔ جنوب میں نیویارک بندرگاہ اور عظیم الشان مجسمہ آزادی اور تاریخی جزیرہ ایلس نظر آئے گا جبکہ شمال میں نیویارک مڈٹاؤن کی فلک بوس عمارتیں اپنی عظمت وشکوہ کی داستانیں کہتی ملیں گی۔ مغرب کی جانب نظر اٹھائیں تو نیو جرسی کا شہر اور مشرق کیطرف بروکلین کا علاقہ ہوگا۔

اس کی سب سے اوپر والی منزل جسے آبزرویشن ڈیک کہتے ہیں ہر طرف سے شیشے سے کور ہے اس کی 232 کھڑکیاں ہیں جو چاروں طرف کے ناقابل فراموش اور سدا یادگار منظر پیش کرتی ہیں اس کے اوپر بھی آؤٹ ڈور اوپن آبزرویشن ڈیک ہے۔ ہر ایک آبزرویشن ڈیک پر 70 سے زیادہ بوتیک گفٹ شاپ۔ بک سٹال۔ فوٹو گرافی کی دکانیں۔ ہوٹل اور ریستورنٹ ہیں جو صبح ساڑھے سات بجے سے شام ساڑے چھ بجے تک کھلے رہتے ہیں۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر دیکھنے کے لیے آنے والوں کے لئے کار پارکنگ کا انتظام اس کی بیسمنٹ میں کر دیا گیا ہے۔ اس سنٹر کو ہر روز تقریباً دو لاکھ لوگ دیکھنے کے لئے آتے ہیں اور پچاس ہزار افراد اس سنٹر کے اندر موجود دفاتر اور اداروں میں کام کرتے ہیں۔

اس سنٹر کا ڈیزائن منورو یاماسا کی نے تیار کیا تھا اور نیویارک اور نیو جرسی کی پوسٹ اتھارٹی نے بین الاقوامی تجارت کہ ہیڈ کوارٹر کے طور پر تعمیر کیا تھا۔ اس کی تعمیر 1966ء میں شروع اور دسمبر 1970ء میں مکمل ہوئی تھی۔ اسے اس کے موجودہ نام ونسب سے اپریل 1973 میں منسوب کیا گیا تھا۔

ورلڈ ٹریڈ سنٹر کو اس وقت دنیا کی سب سے بلند عمارت کا اعزاز حاصل ہے اب شکاگو میں بھی اس جیسے بلند ترین ٹاور تعمیر کر لئے گئے ہیں اور انہیں اتنا اونچا لے جایا جا رہا ہے کہ یہ اعزاز اس عمارت سے چھن جانے کو ہے۔ اس سے پہلے یہ اعزاز ایمپائر سٹیٹ بلڈنگ کو حاصل تھا۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی 110 منزلوں میں سے 107 منزلیں لفٹ کے ذریعے طے کرنا پڑتی ہیں۔ لفٹ کا ٹکٹ سات ڈالر فی کس ہے۔ لفٹ ایک بہت بڑے مربع نما کمرے میں لگی ہے یہ کمرہ جس میں بیک وقت پچاس سیاح کھڑے ہو سکتے ہیں جب بھر جاتا ہے تو ڈیڑھ منٹ میں 107 منزلیں طے کر کے سیاحوں کو اوپر پہنچا دیتا ہے۔ لفٹ روم میں داخل ہوتے ہی سیاح چونک اٹھتا

ہے کیونکہ کمرے کی دیواروں پر دنیا بھر کی معروف زبانوں میں استقبالی کلمات لکھے نظر آتے ہیں۔ یہاں اردو میں خوش آمدید۔ پنجابی میں جی آیاں نوں عربی میں اھلا وسہلا مرحبا انگریزی میں ویلکم اسی طرح ہندی۔ بنگالی۔ ملیالم۔ گورمکھی۔ جاپانی۔ فرانسیسی اور سپینش وغیرہ میں خیر مقدمی جملے لکھے ہیں۔۔ لفٹ نے دیکھتے ہی دیکھتے ہم سے کو 107 ویں منزل پر لے جا کر اتار دیا۔ وہاں سے باہر نکلے تو ٹاور میں ہر طرف شیشے ہی شیشے لگے تھے۔ اور نیویارک ہمیں نیچے۔ بہت نیچے الٹری میں سویا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس فلور پر بہت سی دکانیں تھیں۔ ہوٹل اور بک شاپس تھیں اور ایلی ویٹر چل رہے تھے ہم ایلی ویٹر کے ذریعے آخری منزل یعنی ٹاور کی آبزرویشن ٹاپ پر پہنچے۔ یہاں سینکڑوں سیاح اور بیسیوں جوڑے مووی اور سٹل کیمروں سے تصویریں بنانے میں مصروف تھے۔ چاروں طرف کھلی فضا دوربینیں نصب تھیں۔ جن میں ایک کوارٹر کا سکہ ڈال کر دور کے مناظر کو صاف دیکھا جا سکتا تھا۔ اب ہم خود کو زمین سے بہت بلندی پر اور آسمان سے بہت قریب محسوس کر رہے تھے۔ موسم صاف تھا اس لئے چالیس پچاس میل تک کا علاقہ نیوجرسی کا شہر اور اس سے بھی پرے کا علاقہ راستے میں پڑنے والے عظیم الہیت پل اور بڑے بڑے دریا ندی نالوں کی طرح پھیلے نظر آ رہے تھے۔ جھیلوں باغات اور جنگلوں کے سلسلے بھی ہر طرف نظر بکھرے ہوئے تھے جہاز پاس سے گذرتے تو یوں لگتا جیسے یہ ہوائی جہاز نیچے ہوں اور ہم اوپر۔ ہم نے بھی اس جگہ خوب جی بھر کر تصویریں کھینچیں اور فلمیں بنائیں وہ تصویریں جو ساری زندگی کی یادگار تھیں۔ جب وقت یہاں پہنچ کر تھم گیا تھا۔ واپسی پر سارا ڈیڑھ منٹ لگا اور ہم نیچے پہنچ چکے تھے جہاں سے ٹکٹ خریدے تھے۔ کچھ دیر ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے نیچے تہہ خانوں میں شاپنگ اور سنٹروں کی سیر کی اور پھر اپنے بیس کیمپ میں لوٹ آئے۔

◆◆◆

ہمارا پروگرام

دوسری دفعہ 1994 میں ہم امریکہ گئے تو ہمارا پروگرام امریکہ کی طویل سیر و سیاحت کو تھا چنانچہ ایٹر یک کے سیزن ٹکٹ حاصل کر لینے کے بعد ہم نے نیویارک سے اپنے سفر کا آغاز کیا۔ پروگرام کچھ یوں تھا کہ شمال سے سیدھے انتہائے جنوب میں فلوریڈا جایا جائے جو سیاحت کا دراصل بہت بڑا مرکز ہے وہاں آٹھ دن قیام اور سیر و سیاحت کے بعد ساحل کے ساتھ ساتھ ٹرین میں سفر کرتے ہوئے ایریزونا تک پہنچا جائے۔ نیویارک سے فلوریڈا آتے ہوئے ہماری ٹرین نے پنسلووینیا۔ ورجینیا۔ نارتھ کیرولائنا ساؤتھ کیرولاینا۔ جارجیا سے گذرنا تھا اور فلوریڈا سے آگے ایریزونا کے صدر مقام فنکس تک پہنچتے پہنچتے ہم نے اٹلانٹا۔ الا باما میسی لوزیانا۔ ٹیکساس اور نیومیکسیکو کے صحراؤں سے تعارف حاصل کرنا تھا۔ ایریزونا میں بھی ہمارا ایک ہفتہ قیام کا ارادہ تھا کیونکہ یہیں دنیا کے حیرت انگیز قدرتی نظارے گیرینڈ کینن تھے۔ ایریزونا سے کیلیفورنیا جا کر لاس اینجلز کی سیر کرنی تھی اور پھر ساحل بہ ساحل سفر سے ہٹ کر نوادا اور یوٹاہ سے ہوتے ہوئے کولوریڈو کے صدر مقام ڈینور اور پھر وہاں سے ریاست وائیومنگ کے اہم شہر شایان جانا تھا۔ یہ سارا ویسٹ کا علاقہ تھا جس کے بارے میں ایک امریکی صدر ہوریس گریلی نے 1851 میں نوجوانوں کو مشورہ دیا تھا ''مغرب میں جاؤ۔ قدرت کے خزانوں کے ساتھ خود کو بھی خوشیوں اور دولت سے مالا مال کر لو۔'' ایریزونا چٹانی ROCKY علاقوں کی شہرت رکھتا تھا تو کولوریڈو اور وائیومنگ برفانی چوٹیوں اور برف زاروں کے لئے مشہور تھا۔ یہاں سے ہمارا پروگرام IDAHO سے گذرتے ہوئے پھر ساحلی ریاست اور بگان جانے اور وہاں سے امریکی بحریہ کے مرکز سیٹل پہنچنے کا تھا جو بحرالکاہل کے کناروں پر امریکہ کی آخری ریاست ہے۔ اس طرح ساحلوں کے ساتھ ساتھ ہمارا شمال سے جنوب اور وہاں سے مغرب تک کا سفر مکمل ہونا تھا اس کے بعد سیدھے مڈویسٹ میں شکاگو آ کر وہاں سے شمال میں نیویارک پہنچ کر سفر انجام کرنا تھا اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے بڑی حد تک اپنے اس سیاحتی پروگرام کو مکمل کر لیا جہاں جگہ اچھی نظر آئی اور دیکھنے اور سیر کرنے والی جگہیں بھی ہوئیں وہاں ہم نے پانچ چھ دن قیام بھی کر لیا اور کار رینٹ کر کے دیکھنے والے مقامات بھی دیکھ لئے اس طرح ہم نے براعظم امریکہ کا اتنا تفصیلی دورہ کر لیا کہ پاکستان تو کیا خود امریکہ کے کسی ایک خاندان نے نہ کیا ہوگا۔ ہمارے پاکستانی تو عام طور پر وزٹ ویزا پر آتے ہیں۔ نوجوان طالب علم ہوتے ہیں۔ روزگار کی تلاش میں نیویارک وغیرہ میں ہی ٹھہر جاتے ہیں۔ ان بیچاروں کے پاس اتنی رقم ہی کہاں ہوتی ہے کہ سیر و سیاحت

کریں۔ جو برسر روزگار ہوتے ہیں وہ بھی یہ مہنگا شوق پورا نہیں کر سکتے جو دولت مند یا کاروباری ہوتے ہیں انہیں اپنے کام سے فرصت ملتی ہے تو ایک دو جگہیں دیکھ کر واپس چلے جاتے ہیں۔ عموماً ہمارے پاکستانی نوجوان امریکہ آنے کے بعد گھروں ہی میں بیٹھے رہتے ہیں اور ٹی وی دیکھ کر سارا وقت گذار دیتے ہیں۔ ان کی زیادہ سے زیادہ دوڑ میں ہٹن میں کشمیر سنٹر تک ہوتی ہے جہاں ان کے ہم وطن اکثر آتے جاتے رہتے ہیں۔ وہاں ٹیبلوں (TABLES) پر ان کی ویسی ہی مجلسیں لگتی ہیں جیسی ہمارے لاہور میں شیزان وغیرہ میں لگا کرتی ہیں۔ یہیں بیٹھ کر یہ لوگ اپنے فرضی سفرناموں کے لئے مواد اکٹھا کر لیتے ہیں اور پھر ان میں رومانس کی چاشنی اور رنگینیاں بھر کر پاکستان جا کر شائع کرا دیتے ہیں۔

◆◆◆

ایم ٹریک، سیاحتی ٹرین

یوں تو فلوریڈا کی سیر اچھی طرح کرنے اور تمام قابل دید مقامات دیکھنے کے لئے آٹھ دس ماہ بھی ناکافی تھے تاہم۔ ہم نے آٹھ دس دن کا جو ہنگامی پروگرام بنایا ہوا تھا اس میں یونیورسل سٹوڈیوز' ڈزنی لینڈ' میجک کنگ ڈم' کینیڈی سپیس سنٹر' ہال آف فیم' آرلینڈو' سیاحتی شہر کسے می KISSEM MEE ویسٹ پام بیچ' سینٹ پیٹس برگ بیچ ٹمپا اور کچھ دوسری ساحلی تفریحگاہیں بھی دیکھ ڈالیں۔ اتنی ڈھیر ساری جگہیں دیکھنے والی تھیں کہ ہماری دن رات دوڑ لگی رہتی اور نویں دن ہم اپنی اگلی منزل کالوریڈو کے صدر مقام ڈینور روانہ ہونے کے لئے ایک بار پھر خوبصورت سیاحتی ٹرین AMTRACK میں آبیٹھے۔

یہ ٹرین صرف سیاحوں کے لئے بنائی گئی ہے اور اس میں آرام دہ سفر کے لئے کشادہ نشستیں ہیں جنہیں سونے کے لئے مزید کشادہ کیا جا سکتا ہے۔ مقررہ تعداد میں سیاحوں کے لئے بکنگ کی جاتی ہے اور غیر ملکی سیاحوں کو پاسپورٹ دکھانے پر صرف 350 ڈالر میں 30 دن کا پاس جاری کر دیا جاتا ہے جب جی چاہے اور جہاں جی چاہے چلے جائیں اور اتر جائیں۔ ٹرین کے اندر سیاہ و سفید فام ملازموں پر مشتمل با اخلاق اور خوش مکھ عملہ ہوتا ہے۔ ایم ٹریک ایک پرائیویٹ لمیٹڈ کمپنی ہے جس نے الاسکا اور ہوائی کے سوا تقریباً پورے امریکہ کو منسلک کر رکھا ہے۔ 45 ریاستوں میں اس کی 5 ہزار میل لمبی پٹڑیاں ہیں۔ اس میں سیاحوں کے علاوہ عام مسافر بھی سفر کر سکتا ہیں مگر انہیں سیاحوں کی نسبت بہت زیادہ کرایہ پڑتا ہے یہ ایک جاپانی نژاد امریکی ارب پتی کی ملکیت ہے جو آج کل کروڑوں ڈالر سالانہ سالانہ خسارہ برداشت کر رہا ہے۔

اس ٹرین میں ڈائننگ کار' لاؤنج (کامن روم) اور ایگزیکٹو کلاس کی بوگیاں بھی ہوئی ہیں لاؤنج کاروں میں بیٹھے ہوئے افراد باہر کے تمام نظارے بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔ تین اطراف میں بلٹ پروف شیشے لگے ہوتے ہیں جن میں مسافر تقریباً بیٹھ کر باہر کے مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ٹی وی دیکھتے' تاش کھیلتے یا گپ شپ کرتے ہیں۔ ہر مسافر کو ٹرین میں نشست الاٹ ہوتی ہے۔ ٹرین دو منزلہ بھی ہوتی ہے اور نیچے والی منزل میں سامان رکھنے کے لئے ریک (الماریاں) اور ڈائننگ یا لاؤنج ہوتے ہیں اوپر بیٹھنے اور سونے کا انتظام ہوتا ہے۔

نیویارک سے فلوریڈا کا سفر 25 گھنٹے کا تھا فلوریڈا سے ایریزونا تک کا سفر 52 گھنٹے کا تھا اگرچہ یہ سوچ کر دل بھی گھبراتا تھا کہ

اتنا لمبا سفر کیونکر کٹے گا مگر سفر کے دوران دلچسپیاں بھی کچھ کم نہ تھیں۔ بوریت کم کرنے کے لئے سیاہ فام عملہ عموماً لطیفے چھوڑتا رہتا تھا اور بات بات پر مسکراہٹیں بکھر جاتیں۔

سفر کے آغاز میں یہ سات آٹھ فٹ لمبے وردی میں ملبوس جوان انٹرکام مائیک پر مسافروں سے اپنا تعارف کراتے اور پھر ایک ایک مسافر کو دعوت دیتے کہ وہ اگر چاہے تو اپنا تعارف کرائے۔ کم سے کم ہر ایک یہ تو بتا ہی دیتا کہ وہ کس ملک سے آیا ہے اور پھر حسب توفیق وہ خود بھی طنزیہ فقروں میں شامل ہو جاتا۔

روانگی کے تھوڑی ہی دیر بعد ہمارے ٹرین کنڈکٹر نے مسافروں کو مخاطب کرتے ہوئے مائیک پر کہا۔

باہر موسم بالکل صاف ہے۔ بادل کا ایک ٹکڑا بھی نظر نہیں آ رہا ایسے میں اگر آپ بدقسمتی سے کھڑکی کھول کر باہر جھانکنے لگے تو چہرے پر پڑنے والی پھوار سے ہرگز لطف اندوز ہونے کی کوشش نہ کیجئے گا۔ قطعاً یہ نہ سمجھئے گا کہ فلوریڈا کی گھٹاؤں نے معطر چھینٹا آپ کی طرف اچھالا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ یہ ہماری ایک لیٹرین کی ٹینکی سے اچھلنے والا پانی ہوگا کیونکہ ہمارا ایسا ایک سسٹم ابھی تک خراب ہے اس کے ساتھ ہی بہت سے لوگوں نے کھڑکیاں بند کر لیں اور رومال سے منہ پونچھتے ہوئے غسل خانوں کی طرف لپکے۔

اندھیرا پڑتے ہی مائیک پر اعلان ہوا ڈنر کے لئے اپنے ٹیبل بک کرا لیں بیشتر لوگ بکنگ کرائے بغیر ڈائننگ کار میں آ کر بیٹھ جاتے یا کاؤنٹر پر لائن میں لگ جاتے اور اپنی پسند کا کھانا حاصل کرنے کے بعد جس ٹیبل پر جگہ ملتی آ کر بیٹھ جاتے۔ باہر کے مناظر بھی دیکھتے۔ گپ شپ بھی کرتے اور کھانے سے بھی لطف اندوز ہوتے۔ اسی طرح لنچ کے لئے اعلان ہوتا یا بریک فاسٹ کھلنے یا بند ہونے کے اعلانات ہوتے۔ کس اچھی فلم کے لئے مدعو کیا جاتا اور سونے سے پہلے کنڈکٹر ہر مسافر کو اس کی نشست پر دو عدد چھوٹے تکیے اور ایک ایک چادر تقسیم کر دیتا اور رات ختم ہوتے ہی واپس لے لیتا۔ سردی زیادہ محسوس ہوئی تو ہم نے ٹرین کے اندر سے ہی ایم ٹریک کے سفری سفید کمبل سات ڈالر فی کمبل کے حساب سے خرید لئے۔ دو دن اور تین رات کا یہ سفر جو تقریباً تین ہزار میل لمبا تھا۔ ٹرین کے اندر اور باہر دلچسپیاں دیکھتے آسانی سے کٹ گیا۔ راستے میں میکسیکو کا ریگستان بھی آیا جہاں ہرنوں ہڑیالوں اور جنگلی جانوروں کی ڈاریں کھلی فضاؤں میں چوکڑیاں بھرتے دیکھیں۔ یہ ریگستان کم وبیش ڈیڑھ ہزار میل لمبا تھا۔ جانوروں کو پٹڑی پر آنے سے روکنے لئے پٹڑی کے ساتھ ساتھ باڑ اور لکڑی کے جنگلے لگائے گئے تھے۔ ٹرین میں میکسیکو سے ملنے والی وہ سرحد بھی دیکھی جہاں سے سمندر کے راستے آنے والوں کو خود امریکی اہلکار جائز طور پر اندروں ملک سمگل کرتے ہیں۔ اس جگہ محافظوں کی سرحدی (بلند) چوکیاں یعنی واچ ٹاور بھی جگہ جگہ قائم تھے۔ اور ٹرین رکتے ہی چیکنگ کرنے والا عملہ اچانک ٹرین پر حملہ آور ہو جاتا اور جو انہیں مشکوک

نظر آتا اسے ساتھ لے جاتے۔ میکسیکو کی یہی بدنام زمانہ سرحد ہے جس کے ذریعے منشیات کی سب سے زیادہ مقدار اور ناجائز تارکین وطن ٹینکروں کنٹینروں مال گاڑیوں اور سمگلروں کے بہت بڑے گینگ کام کر رہے ہیں جن کے ہاتھوں انتظامہ بالکل بے بس ہے۔

میکسیکو کا بے آب و گیاہ ریگستان دیکھتے دیکھتے نظریں تھک گئی تھیں۔ اب جب ریگستان ختم ہوا تو خوشی ہوئی۔ پھر وہی تھوڑی تھوڑی مسافت کے بعد شہروں کا آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہر شہر کے آنے سے پہلے پیش خیمہ کے طور پر مردہ کاروں اور ناکارہ ٹائروں کے قبرستان ملے..... کاریں اتنی زیادہ کہ رکھنے کے لئے میلوں لمبے چوڑے یارڈ بھی تنگ پڑ جاتے اور کاریں ایک دوسرے کے اوپر ڈھیر کر دی جاتیں۔ ٹائروں کی کثرت تو اور بھی ہولناک تھی۔ یہ جنک مال عام طور پر انہی شہروں یا ملحقہ علاقوں کا ہوتا..... کبھی کبھار یہاں سٹیل اور ربر ملوں کی گاڑیاں آتیں اور انہیں ری سائیکل کرنے کے لئے فیکٹریوں میں پہنچا دیتیں۔ بیشتر شہروں کے آنے سے پہلے وہاں انسانوں کے قبرستان بھی خیر مقدم کرتے۔ یہ شہر خموشاں جو دراصل عبرت کے مرقعے ہوتے بعض خوبصورت مقابر پر مشتمل ہوتے۔ تقریباً ہر قبر پختہ اور زمین سے خاصی بلند ہوتی اور اپنے اپنے طرز تعمیر کی غماز ہوتی۔ بیشتر قبروں پر صلیب مریم اور حضرت مسیح کے خوبصورت مجسمے نصب ہوتے بعض علاقوں خصوصاً نیو آرلینز کا قبرستان تو صدیوں پرانا اور مخصوص مقابر کی یادگار نظر آتا تھا۔ ساری قبریں بہت بلند اور ایک جیسی تھیں اور زبان حال سے یہ شہر خموشاں ہونے کے باوجود عظمت گم گشتہ کی داستان کہتا نظر آتا تھا۔ ٹرین کے ساتھ ساتھ قبرستان بھی میلوں تک چلا گیا تھا نہ جانے کتنی صدیوں کی چیزیں جمع کر رکھی تھیں یہاں لوگوں نے.....!

ہر مسافر کی نشست کے اوپر ٹرین کنڈکٹر نے چاک سے اس کی منزل مقصود مختصراً لکھ رکھی تھی اور جب وہ شہر آنے والا ہوتا تو اس مسافر کو پہلے سے آگاہ کر دیا جاتا اور سٹیشن آنے پر پلیٹ فارم پر سٹول رکھ کر اسے احتیاط سے نیچے اتارا جاتا اور سامان بھی اتارنے میں مدد دی جاتی۔ قلیوں کے طور پر ٹرین میں ریڈ کیپ لیبر رہتے۔ اس ٹرین میں سونے کے لئے ہماری ٹرینوں کی طرح ایگزیکٹو کیبن بھی تھے لیکن ان کا کرایہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔

ہمیں ٹرین میں سفر کرتے ہوئے 45 گھنٹے گزر چکے تھے۔ میکسیکو کا صحرا ختم ہوتے ہی رات 2 بجے کے قریب ٹرین پہلے بڑے شہر یوسٹن USTAN پر جا ٹھہری۔ رات ڈھل رہی تھی مگر شہر کے کیسینوز CASINOS (قمار خانوں) کا کاروبار پورے عروج پر تھا اور ٹرین کے اندر بیٹھے ہوئے لوگوں کو شہر کی رونقیں دعوت نظارہ دے رہی تھیں۔ سازوں کا سریلا شور ہم ٹرین کے اندر بیٹھے ہوئے بھی سن رہے تھے۔ یہ صحرائی شہر ہونے کی وجہ سے خاصا گرم تھا اور لاہور کا موسم گرم اس شہر کے موسم گرما سے مختلف نہ تھا۔ اس کے بارے میں سن رکھا تھا کہ یہاں بھی لوگوں کو تالابوں اور گھروں میں نلکوں کا پانی کھولتا ہوا ملتا ہے۔ اور پسینے ایسے آتے ہیں کہ اپنے ملک

میں کیا آتے ہوں گے۔

ٹرین پلیٹ فارم پر رکی کنڈکٹر نے اعلان کر دیا کہ یہاں نصف گھنٹہ ٹھہرے گی مگر کوئی صاحب کسی کسینو میں قسمت آزمانے کے لئے ٹرین سے نیچے اترنے کا ارادہ نہ کریں کیونکہ عین ممکن ہے کہ وہ قسمت آزماتے رہ جائیں اور ان کی قسمت ٹرین چھوٹ جائے۔ صبح کے وقت ہم فنکس PHOENIX پہنچ چکے تھے۔ یہ ریاست ایریزونا ARIZONA کے صدر مقام ہے یہاں تک آنے کا مقصد ایریزونا کے عجائبات قدرت یعنی GRAND CANYON گرینڈ کینن دیکھنا تھا۔ فنکس چونکہ بڑا اسٹیشن تھا اس لئے یہاں کافی سواریوں نے اترنا تھا۔ ٹرین سٹیشن میں پہنچنے سے پہلے کنڈکٹر حسب معمول بڑا کاغذی تھیلا اٹھائے نشستوں کے درمیان سے یہ کہتے ہوئے گذرا..... ''تمام ناکارہ اور بے کار چیزیں ماسوا اپنی بیویوں کے اس لفافے میں ڈال دیجئے!'' اس کے ساتھ ہی اونگھتے ہوئے سیاح بھی ایک زوردار قہقہہ لگا کر ہنس پڑے..... اور بیویوں کی حالت تو دیکھنے والی تھی!

فنکس میں ہوٹل میں سامان رکھا۔ نہا دھو کر ناشتہ کیا اور نئے ماڈل کی نئی کار ایک ہفتے کے لئے رینٹ کر کے قابل دید مقامات دیکھنے کے لئے ٹورسٹ والوں کے فراہم کردہ لٹریچر کی مدد سے خود اپنا پروگرام تیار کیا۔ امریکہ میں کسی بھی جگہ آپ کو کار رینٹ کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ اپنا (امریکی) آئی ڈی کارڈ' سوشل سیکیورٹی نمبر وغیرہ اور ڈرائیونگ لائسنس ہونا چاہیے۔ 20 ڈالر یومیہ یا سو ڈالر فی ہفتہ کرایہ پر بالکل نئے ماڈل کی کار مل جاتی ہے۔

◆◆◆

آرلینڈو.....ڈزنی ورلڈ

ہم شمال میں نیویارک سے ایم ٹریک پر روانہ ہوکر 25 گھنٹے بعد سیدھے فلوریڈا پہنچ گئے تھے جو امریکہ کا انتہائی جنوبی سرا ہے۔ یہ خلیج میکسیکو میں بہت اندر تک چلا گیا ہے اور خلیج میکسیکو کا سمندر سال کا بیشتر حصہ بڑا مضطرب اور پرشور رہتا ہے اور فلوریڈا کے بیشتر جزیرے سال میں ایک دو بار سمندری طوفانوں میں زیروزبر ہوتے ہیں۔ یہ سارا علاقہ سیاحوں کے لئے بڑا پرکشش ہے اور اس کے بیسیوں ساحل خاص طور پر میامی بیچ بڑی شہرت رکھتے ہیں کاسترو کا کیوبا یہاں سے صرف 90 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہی وہ فوجی اڈہ ہے جس کو روس نے امریکہ کے سینے پر مونگ دلنے کے لئے اس کے ساحلوں کے اتنا قریب قائم کر دیا تھا اور صدر کینیڈی اور خروشیف کے دور میں یہیں ایٹمی میزائل نصب کرنے کے روسی فیصلے کیوجہ سے تیسری عالمی جنگ شروع ہوتے ہوتے رہ گئی تھی۔ کینیڈی نے روس کو الٹی میٹم دے دیا تھا کہ وہ ایٹمی میزائلوں کی تنصیب بند کر دے اور جو جہاز ایٹمی ہتھیار لے کر کیوبا آ رہے ہیں انہیں واپس لے جائے ورنہ ان پر حملہ کر دیا جائے گا۔ اب کمیونسٹ روس کی شکست وریخت کے بعد یہاں کاسترو حکومت کا دم خم ٹوٹ چکا ہے ویسے بھی امریکہ نے 35Œ30 سال سے کیوبا کی جو اقتصادی ناکہ بندی کر رکھی ہے اس کے بعد کیوبا کی اقتصادیات بالکل تباہ ہو چکی ہیں اور وہ غربت اور فاقے کے مارے لوگ خانہ ساز کشتیوں اور کینوس کے کینوز میں بیٹھ کر ہزاروں کی تعداد میں فلوریڈا کے ساحلوں پر پہنچ رہے ہیں جن میں سے 70 فی صد لوگ بپھرے سمندر کی وجہ سے راستے میں ہی مر جاتے ہیں اور بہت سخت جان لوگ ہی امریکی ساحلوں تک پہنچ پاتے ہیں۔ ان لاکھوں پناہ گزینوں کی آمد نے امریکی معیشت کے لئے ایک بڑا مسئلہ پیدا کر دیا ہے۔

بات ہو رہی تھی کیوبا کے میزائلوں کے روسی اڈوں کی۔ صدر کینیڈی نے روس کی طرف سے اسی خطرے کے پیش نظر یہاں اپنا سپیس اور راکٹ سنٹر قائم کر دیا تھا۔ فلوریڈا کے ساحلوں پر اب بھی دور دور تک راکٹ لانچر گڑے نظر آتے ہیں۔ خلا میں بھیجے جانے والے راکٹوں کا مرکز بھی یہیں ہے جسے کینیڈی سپیس سنٹر کہتے ہیں۔

فلوریڈا..... لاہور کی طرح کا گرم علاقہ ہے۔ کھلا موسم نیلا آسمان اور سمندری ساحلوں کے دور دور تک پھیلے سلسلے..... سیاحوں خاص طور پر امریکیوں کو اس کے سوا اور کیا چاہیے۔ اس علاقے کو خاص طور پر سیاحت کے لئے ترقی دی گئی ہے اور نہ صرف امریکہ بلکہ

دنیا بھر کے سیاح اسے دیکھنے کے لئے دوڑے چلے آتے ہیں۔اس کا نک نیم سن شائن سٹیٹ ہے۔یہاں سیاحوں کی دلچسپی کے بڑے مراکز ہیں جن میں عالمی شہرت یافتہ ڈزنی ورلڈ بھی ہے اس وقت ڈزنی ورلڈ دنیا میں تین مقامات پر قائم کی گئی ہیں۔ایک تو فلوریڈا میں اورلینڈو کے مقام پر۔دوسری کیلے فورنیا میں اینہیم کے مقام پر تیسری پیرس اور چوتھی ٹوکیو میں۔ان تینوں مقامات پر ڈزنی ورلڈ کی تفریح گاہوں کے بنیادی آئٹم تو مشترک ہیں مگر ان میں وقت کے ساتھ ساتھ تنوع اور تبدیلیاں پیدا کی جاتی رہتی ہیں۔ اورلینڈو کی ڈزنی لینڈ میں 94اور 95میں خاص طور پر بڑی نمایاں تبدیلیاں کی گئیں۔ پہلے یہاں صرف ڈزنی لینڈ تھی۔پھر میجک کنگ ڈم بنایا گیا اس کے بعد EPCOT (سنٹر) قائم کیا گیا 94 میں ہی فلوریڈا پارک میں THE ATRE OF STARSاور TWLILIGHT ZONE OF TERROR ڈزنی ایم جی ایم سٹوڈیوز یونیورسل سٹوڈیوز اور SUN SET BOULEVARD بھی کھولے جا چکے ہیں اس کے علاوہ 95میں CIRCLE OF LIFE متعارف کرایا گیا۔ SPACE SHIP EARTHاپ ڈیٹ ہالیڈیز راؤنڈ دی ورلڈ اور ہنی آئی وی۔شرنک وی آ ڈی اینس جیسے حیرت انگیز سٹوڈیوز بھی کام کر رہے ہیں۔94میں W.D.I VERTUNAL FOOD ROCKS LAB INVENTIONS اور ایلانگ وودی لینڈ بوٹ رائڈز'ٹوٹومارولینڈ' ایلائن اینکارڈ (ستاروں کی نئی دنیاؤں کی تلاش' سنو وائٹ ایڈونچر (بچوں کے لئے) میجک کنگ ڈم میں کیروسیل آف پراگریس (ترقی کا چکر گلوب (جیسی تفریح گاہوں کے علاوہ ڈزنی لینڈ پری کہانی' شادی کی تقریب' برفانی طوفان والا ساحل' ڈزنی گاؤں کا بازار' کرہ ارض کا بازار اور ڈزنی کی آل سٹارز سیر گاہ نیز لیول پولینشیا سیر گاہ کے علاوہ آل سٹارز سٹیڈیم اور ڈزنی وانڈر رینس لاج دیکھنے کی چیزیں ہیں۔

میجک کنگ ڈم میں واقع ٹومارولینڈ 95میں کھول دیا گیا۔اس میں مستقبل کی جھلک دکھائی گئی ہے جو ابھی ہماری آنکھوں سے بلکہ تصور سے بھی بہت دور ہے۔

دسمبر 94میں پلیثر رآئی لینڈ کے نزدیک ڈزنی لینڈ کا ایک ریسٹورنٹ قائم کیا گیا جہاں آنے والے مہمانوں کے لئے چارسو نشستوں کا اہتمام ہے۔اس ریسٹورنٹ میں سے لوگ فلم اور ٹیلی ویژن کی دنیا کی عظیم ہستیوں کے ہمراہ لذت کام و دہن سے آشنا ہوتے ہیں۔تقریباً 95میٹر اونچے 120فٹ قطر کے ہال کے اندر تین فلور ہیں۔اس ریسٹورنٹ کے مالکان میں مشہور اداکار آرنلڈ شوارزنگر' سالویسٹر سٹیلون' بروس ویلس اور ڈیمی مور شامل ہیں۔اس قسم کے ریسٹورنٹ دنیا کے کئی ممالک میں ہیں جہاں ایک ہی طرح کے کیلے فورنیا کے مشہور و معروف کھانے سرو کئے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ یہاں ڈزنی کی آل سٹار میوزک ریسارٹ (سیر گاہ) بھی ہے جس میں سازوں کی دھمک پر مہمان بے تابانہ تھرکنے پر مجبور ہو جاتے ہیں یہاں کی ایک رات کا ٹکٹ 70 سے 80 ڈالر تک ہے اور یہ والٹ ڈزنی کی سیر گاہوں میں ایک نیا اضافہ ہے۔ کھانے کے ٹیبلوں سے لے کر بستر لگی خوابگاہوں تک ہر جگہ موسیقی اور موسیقاروں کے ذوق وشوق کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

ڈزنی لینڈ میں ہی میٹرو گولڈن میئر (ایم جی ایم) کے سن سیٹ بلیوارڈ والے حصہ میں دی لائٹ زون آف ٹیرر کھولا گیا ہے جہاں خوف دہشت کا فضا پیدا کی گئی ہے اس ویران سنسان ہالی وڈ ٹاور ہوٹل سے وابستہ ایک روایت بھی ہے کہ ایک طوفانی رات کو یہاں کیف ومستی کی کیفیت میں سرشار پانچ مہمان پراسرار طور پر لاپتہ ہو گئے تھے۔ جن کا آج تک سراغ نہیں مل سکا۔ اب بھی مہمان اس روایت کے پس منظر کو جاننے کے لئے ایلیویٹر کے ذریعے پراسرار روشنیوں والی بلندیوں سے ۱۳ منزلوں سے نیچے گرنے کا اعصاب شکن تجربہ کرتے ہیں۔ ہنی آئی شرنک دی آڈینٹس میں تھری ڈائی مینشن ایڈونچر دکھایا جاتا ہے جو والٹ ڈزنی فلم ہنی آئی شرنک دی کڈز پر مبنی ہے۔ یہاں آنے والے ایکبار پھر ایک پراسرار دنیا کی پراسرار لیبارٹری میں داخل ہو جاتے ہیں جہاں ایک مشہور سائنس دان اپنی ذات پر تجربے کرتے ہوئے قدو جسامت میں ناریل سے بھی چھوٹا ہو جاتا ہے پھر اچانک بہت چھوٹے چھوٹے جانوروں کے ایک پورے غول میں ناظرین خود کو گھرا ہوا پاتے ہیں۔ یہ سٹوڈیو کوڈک لمیٹڈ نے سپانسر کیا ہے۔ ہم ڈزنی لینڈ میں پہنچنے کے بعد سب سے پہلے یونیورسل سٹوڈیوز میں داخل ہوئے اتنی ساری دلچسپیوں کو جلدی جلدی دیکھنے کی دھن میں ایک کو دیکھنے کے بعد دوسرے آئٹم کے لئے دوڑ لگاتے رہے۔ اسکا ٹکٹ ایک دن کے لئے 30 ڈالر اور سیزن (یعنی چار دن کے لئے) 120 ڈالر تھا۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ ساری دلچسپیاں دیکھنے کے لئے چار دن تو کیا چار ہفتے بھی ناکافی تھے۔ بہرکیف ہم اپنے ذوق کے مطابق دلچسپی کی جگہوں کو انجوائے کرتے۔ دیکھتے اور محض سونگھتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے ہر طرف ایک میلے اور جشن کا سماں تھا اور ہر آئٹم کو دیکھنے کے لئے تماشائیوں کی لمبی لمبی قطاروں میں کھڑے ہونا پڑتا تھا۔ جب کہیں تھک جاتے تو ہوٹل یا ونڈر شاپ پر کھا پی لیتے اور پھر آگے چل پڑتے۔ میجک کنگ ڈم اور ایکاٹ سنٹر یہ سارے سٹوڈیوز خاصے فاصلوں پر تھے جن تک جانے کے لیے خوبصورت بسیں اور ٹرینیں مسلسل چلتی رہتی تھیں اور ان پر موجود خوبصورت لڑکیاں اور گارڈ یا کنڈکٹر بوائے دلچسپ انداز میں مائک پر کمنٹری کرتے چلتے تھے۔ ہر طرف حیرتیں بکھری پڑی تھیں۔ سائنس کے حیرت انگیز کارنامے اور سینکڑوں برس کی ماضی وحال کی تاریخ کو کھیل تماشوں وڈراموں وفلموں کی صورت میں یکجا کر دیا گیا تھا۔ امریکہ کی ماضی کی تاریخ کو بھی مختلف جزیروں اور پانیوں میں متحرک دکھایا گیا تھا۔ دو تین سو سال پہلے یہاں کس طرح مقامی باشندے (ریڈ انڈین)) نو آبادکاروں پر حملے کرتے اور انہیں لوٹ

مارکا نشانہ بناتے تے۔ یہاں کس کس ملک کے لوگ آئے اور انہوں نے اپنی اپنی نو آبادیاں کیسے قائم کیں۔ ان ملکوں کی نو آبادیاں کی جھلکیاں بھی پیش کی گئی تھیں اور ان میں وہاں کی ثقافت اور کھانے وغیرہ سے بھی متعارف کرایا گیا تھا۔ سائنس ہمیں کن منزلوں سے لے کر آج کہاں تک پہنچی ہے اور آگے کیا کچھ دیکھنا ہوگا یہ سائنس ہمیں کن بلندیوں تک لے جائے گی..... کرہ ارض سے باہر خلائی دنیائیں کیسی ہیں۔ کائنات کے نظام بسیط میں پرواز اور خلائی دور کے حادثات..... الغرض وہ سب کچھ جو انسان سوچ سکتا ہے وہ کر دکھایا جا سکتا ہے اور اسی دعوے کے ساتھ مستقبل کی جھلکیاں پیش کی گئی تھیں۔

فلوریڈا پہنچنے سے پہلے ہم نے ٹیلی فون پر ہوٹل کی بکنگ کرا لی تھی۔ رماڈا ہوٹل تھری سٹار ہے اور ہمیں بتایا گیا کہ کسیمی KISSEMMEE ریلوے سٹیشن پر اتریں وہاں سے ہوٹل کوئی آٹھ میل کے فاصلے پر ہے اور ہوٹل سے ڈزنی لینڈ وغیرہ دو تین میل کے اندر واقع ہیں۔ ویسے تو فلوریڈا کا صدر مقام آرلینڈو اور وہاں کا ہر شہر اور ساحل سمندر کا ہر حصہ ہی سیاحوں کی دلچسپی کی چیزیں لئے ہوئے ہے لیکن ڈزنی لینڈ خاص طور پر ایسی جگہ ہے جس کے لئے امریکہ سے ہی نہیں دنیا بھر سے لوگ کھنچے چلے جاتے ہیں یہ ڈزنی لینڈ 43 مربع میل میں پھیلا ہوا ہے۔ ہوٹل میں قیام کے بعد ہم نے ڈزنی لینڈ کے مختلف سٹوڈیوز کی ٹکٹس ٹورسٹ کاؤنٹر سے حاصل کیں۔ کار فون کر کے منگوائی گائیڈ میپ لیا اور خود سیر و تفریح کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ کسی جگہ کا ٹکٹ 30, 35 ڈالر فی کس سے کم نہ تھا اور سیزن زوروں پہ ہو تو ٹکٹوں میں ری بیٹ بھی کم ملتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اندر ہم کار پارک کرنے کے بعد ڈزنی لینڈ کے اندر یونیورسل سٹوڈیوز کے سامنے کھڑے تھے۔ امریکہ میں کہیں بھی کار پارک کرنی ہو تو پارکنگ لین نمبر ضرور یاد رکھنا پڑتا ہے ورنہ ہزاروں کاروں کے جنگل میں اپنی کار کو تلاش کرنا بہت مشکل ہوگا۔

یونیورسل سٹوڈیوز کے عالیشان بلند اور خوبصورت گیٹ کے اندر داخل ہوئے تو یہاں بھی ٹکٹ حاصل کرنے کے لئے لائنیں لگی تھیں امریکہ میں کیو سسٹم بڑا ضروری اور بہت مفید ہے۔ کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے لوگ کسی قسم کا وقت ضائع کئے بغیر فٹافٹ اپنا کام ختم کرنے کی دھن میں لگے ہوتے ہیں ہم نے چونکہ ٹکٹ پہلے سے خرید رکھے تھے اس لئے ٹکٹ دکھا کر جلد ہی اندر چلے گئے اندر تو ایک میلے کا سماں تھا۔ ہر طرف سٹوڈیوز بکھرے پڑے تھے اور ان کی کشش دامن دل کھینچ رہی تھی۔ یونیورسل سٹوڈیوز فلوریڈا کا سب سے بڑا فلمی سٹوڈیوز ہے۔ یہ آج سے 75 برس پہلے قائم ہوا تھا اور وقت کے ساتھ ساتھ اس میں نت نئی تبدیلیاں آتی رہیں۔ فلم انڈسٹری آج تک جتنے مراحل سے گذری ہے وہ سب اس کی تاریخ کا حصہ ہیں۔ روشنیوں میں جگمگاتے اس کے سٹوڈیوز ہر طرف بکھرے پڑے ہیں۔ ان میں دنیا کی مشہور فلموں کی نمائش، انہیں بنانے کے طریقے، فلمی فوٹوگرافی کے کمالات سٹنٹ، 35 فلموں کے سیٹ

لوکیشنزاور 13 مختلف رائڈز (RIDES) ہیں۔ جو فلمیں یہاں دکھائی جاتی ہیں ان میں ائیک آف جاز (JAWS)' کا نگ فرنٹیشن' ای۔ٹی ایڈونچر' ارتھ کوئیک' گھوسٹ بسٹر' فنٹاسٹک ورلڈ' ڈائینامائٹ ٹائٹنس' وائلڈ وائلڈ وائلڈ ویسٹ' ورلڈ ہاررمیک اپ شو' لوسی' بیچا کاک 3 ڈی شو' مرڈرشی روٹ' بیٹس (BATS)' موٹیل' ہالی وڈ بلیوارڈ' بیورلے ہلز وغیرہ غرض یہ تمام سیٹ اگر دیکھنے جائیں تو 14 گھنٹے درکار ہوں گے ہمارے پاس چونکہ وقت کم تھا ہم اکادکا آئٹم دیکھتے آگے بڑھتے چلے گئے۔

اس کے بعد ہم نے میجک کنگ ڈم کی سیر کی۔ یہاں بھی دیکھنے والے کم وبیش چالیس آئٹم ہیں۔ ہم نے بگ تھنڈر ماؤنٹین ریل روڈ' جنگل میں بحری سفر اور قزاقوں کا حملہ' سپلیش ماؤنٹین' والٹ ڈزنی ورلڈ ریل روڈ' ٹومارولینڈ' سپیس ماؤنٹین اور ٹومارولینڈ تھیٹرز دیکھے۔ ہر آئٹم ایسا تھا کہ اس کی دلچسپیاں برسوں کے لئے ذہن میں محفوظ ہو گئیں۔

اب شام ہو چکی تھی لہٰذا باقی آئٹم دیکھنے کے لئے ہم نے پروگرام اگلے دن پر اٹھا رکھا۔ دسرے دن ہم صبح پھر والٹ وزنی کے ایم جی ایم سٹوڈیوز کے باہر کھڑے تھے۔ یہاں دوسری تفریح گاہوں کے علاوہ ہم نے سٹار ٹورز میں شرکت کی۔ یہ ایک بہت بڑے پلینیٹیریم (گلوب) کے اندر بالائی خلا میں سفر تھا۔ چاند کی جانب سفر کرتی ہوئی گاڑی چاند کے عقب سے گذرتے وقت وہاں کی دو متحارب قوتوں کی آپس کی جنگ کے دوران وہاں سے گزرتے وقت ان کے مہلک آتشیں ہتھیاروں کا نشانہ بنتے بنتے بچتی ہے۔ اس دوران چند لمحے ایسے بھی آتے ہیں جب خوف اور دہشت سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ باقی وقت ہم نے سرعام میلوں ٹھیلوں کھیل تماشوں کو دیکھتے اور شام کو لیزر شو (آتش بازی) کا حیرت انگیز مظاہرہ دیکھنے میں گذارا۔

تیسرے اور چوتھے دن ہم نے تھیم پارک' فورٹ ولڈرنیس' ڈزنی ولیج' مارکیٹ پلیس' پلیثر رآئی لینڈ' ٹائی فون لیگون' ڈسکوری آئی لینڈ' ریور کنٹری' ایم جی ایم کی تقریباتی پریڈ اور ایسٹر پریڈ بھی دیکھیں۔ فلوریڈا چھوڑنے سے پہلے ہم نے جیکس ویل' ٹمپا سینٹ پیٹرگ' میامی اور ویسٹ پام بیچز بھی دیکھیں۔ ٹمپا میں بش گارڈنز براعظم افریقہ کے سفاری پارک کا نقشہ پیش کرتا ہے جہاں افریقہ کے 400 بڑے جانور رکھے گئے ہیں۔ یہ سفاری پارک 160 ایکڑ پر پھیلا ہوا ہے اس میں کل جانوروں کی تعداد تین ہزار ہے اور غالباً یہ امریکہ کا سب سے بڑا اوپن ZOO ہے۔

◆◆◆

ایپکاٹ (EPCOT CENTER)

ڈزنی لینڈ کے اندر مستقبل کی سائنسی صورت گری اور ماضی کی ثقافتی تصویر کشی کے لئے ایک ایپکاٹ (EPCOT) بھی قائم کیا گیا ہے جسے کوڈک نے سپانسر کیا ہے یہ سنٹر بھی 1994 میں آغاز کیا گیا تھا۔ یہ مرکز دنیا بھر میں اتحاد، ہم آہنگی اور اخوت کی علامت ہے۔ اس کا مرکزی خیال یہ کرہ ارض ہے جسے امید تصور اور وابستگی کی کوکھ سے ایک خوشگوار اور خوش آئند مستقبل دینے کے لئے مسلسل جدوجہد کر رہا ہے۔

یہی خوش آئند مستقبل کا تصور پیش کرنے کے لئے اس سنٹر میں بڑی بڑی سائنسی اور کاروباری کارپوریشنوں نے اپنے تخلیقی اور مالیاتی قوتوں کو یکجا کر کے نئے نئے تصورات کو جنم دیا ہے۔ چنانچہ توانائی، کمپیوٹر اور مواصلات کے شعبوں میں حیرت انگیز معجزے جو رقم پا رہے ہیں ان کی تصویر کشی کی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ ایپکاٹ سنٹر کو ورلڈ شوکیس کا نام دیا گیا ہے دنیا میں کسی ایک جگہ پر اتنے زیادہ ثقافتی مظاہر محض چند گھنٹوں کے مشاہدے کے لئے یکجا نہیں کئے گئے ہیں جو یہاں کم بیش 11 قوموں کے ایک ہزار کے لگ بھگ ثقافتی مظاہر پیش کئے گئے ہیں جو اپنے ملک و قوم کی شاندار روایات کی عکاسی کرتے ہیں۔ یہ ورلڈ شوکیس ایک مصنوعی جھیل کے گرد گرد بنایا گیا ہے۔ یہاں جرمنی، چین، ناروے، میکسیکو، اٹلی، جاپان، مراکش، فرانس، برطانیہ اور کینیڈا والوں نے اپنے ملک و ثقافت کے نام پر نمونے کے گاؤں شاپنگ سنٹر، ہوٹل، لباس اور روایتی گاڑیاں وغیرہ پیش کر رکھی ہیں۔ ان کے علاوہ جنرل موٹر کمپنی نے مستقبل کی موٹر گاڑیوں کے ماڈل پیش کئے ہیں۔ افق سے افق اور خلا سے باہر کائنات کی سیر کے لئے خلائی شٹل میں خلائے بسیط کی تصوراتی سیر بھی کرائی گئی ہے۔ پٹرول کمپنی EXON نے توانائی کی کائنات کے نام سے ایک ایڈونچر پیش کیا ہے جس میں شمسی توانائی سے چلنے والی کار میں اس کائنات کا سفر کرایا گیا ہے جو ڈائنوسار کے دور سے آج تک ہماری دنیا کو روشن، گرم اور متحرک رکھے ہوئے ہے اس میں توانائی کے مستقبل پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ ٹیلی مواصلاتی فرم اے ٹی اینڈ ٹی 18 منزل بلند گلوب کے اندر مواصلاتی سیارے کے ذریعے شائقین کو کرہ ارض کے گرد و پیش کی سیر کراتی ہے۔

یونائٹڈ ٹیکنالوجیز آبدوز میں بٹھا کر سمندر کی گہرائیوں اور اتھاہ گہرائی کی حیرت انگیز دنیاؤں کی سیر کراتی ہے۔ اس کے علاوہ ری لینڈ اور جرنی ان ٹو امیجینیشن اور اس قسم کی بے شمار دلچسپیاں بھی ہیں اور کوئی بھی شخص ان ساری دلچسپیوں کو محض دو چار دن کے اندر نہیں

دیکھ سکتا۔ بند سٹوڈیوز کے علاوہ کھلی جگہوں پر بھی دیکھنے اور انجوائے کرنے کے بے شمار چیزیں بکھری پڑیں تھیں۔ کہیں ڈائنوسار کے جنگلات تھے۔ کہیں والٹ ڈزنی کے روایتی کرداروں کے جلوس تھے تو کہیں ان کرداروں کے ذریعے بچوں کی دلچسپی کے ڈرامے اور شو ہو رہے تھے۔ کہیں ٹرینیں چل رہی تھیں کہیں گھوڑا گاڑیاں اور تاریخی رتھیں کہیں ٹرام گاڑیاں اور کہیں چھوٹی پٹڑی کی ٹرینیں اور موٹری قافلے ..... ان کے ساتھ ساتھ کام و دہن کی تواضع کے لئے ہوٹل' ریسٹورنٹ اور چلتی پھرتی دکانیں اور وینڈر (VENDOER) بھی ہر جگہ موجود تھے۔ اہم سائنسی ایجادات لوگوں کی دلچسپی کے لئے کھلی جگہوں پر رکھی گئی تھیں۔ اس طرح بچے خاص طور پر کھیل اور تفریح کے ذریعے نت نئی معلومات خود بخود حاصل کر سکتے تھے۔

◆◆◆

کینیڈی سپیس سنٹر

اگلی صبح ہم نے کینیڈی سپیس سنٹر دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ ہوٹل کے ٹورزم کاؤنٹر سے گائیڈڈ ٹور کے ٹکٹ خرید لئے۔ صبح 10 بجے سیاحوں کی ڈبل ڈیکر بس تمام ہوٹلوں سے پیشگی بک کئے گئے سیاحوں کو اکٹھا کر کے سات میل دور سپیس سنٹر پہنچ گئی۔ امریکہ کے خلائی پروگرام کا یہ منظر نما اپنے اندر امریکی خلائی سرگرمیوں کی تمام تر دلچسپیوں اور معلومات کو سمیٹے ہوئے ہے۔ چاند تک انسان کو پہنچانے کے امریکی پروگرام کا آغاز 1961 میں ہوا تھا۔ تب خلائی نظامت کا ادارہ ناسا قائم کیا گیا جس کے تحت خلائی سفر کی تربیت اور خلائی تحقیقات کے لئے ہزاروں سائنس دانوں میں سے چند سو افراد کو منتخب کر کے کام شروع کر دیا گیا۔ نو برس کی مسلسل تحقیق و جستجو اور محنت و کاوش کے بعد 30 جولائی 1969 میں پہلی بار اپالو پروگرام کے تحت تین امریکی سائنس دانوں کو چاند پر اتارا گیا۔ اس کے بعد 1972 تک امریکہ نے بارہ خلانوردوں کو چاند پر اتارا۔ اس کے دوران اور اس کے بعد بھی چاند سے آگے خلائے بسیط میں کروڑوں میلوں کی دوری پر واقع دیگر سیاروں تک رسائی کے لئے وائجر وائی کنگ اور کئی دیگر خلائی جہاز اور راکٹ روانہ کئے جاتے رہے۔ اپالو پروگرام چاند کی تسخیر کے بعد ختم کر دیا گیا۔

کینیڈی سپیس سنٹر میں اپالو گاڑی جس نے انسان کو چاند پر اتارا تھا محفوظ کر کے نمائش کے لئے رکھ دی گئی ہے اس کے علاوہ ایک راکٹ گارڈن بھی ہے جس میں خلا میں بھیجے جانے والے 8 راکٹ اپنے لانچنگ پیڈ پر نصب ہیں۔ یہ سنٹر فلوریڈا کے ساحل پر واقع ہے۔ شروع شروع میں جب جدید خلائی شٹل تیار نہ ہوئی تھی تو خلائی گاڑیوں کو سمندر میں اتارا جاتا تھا جس کے لئے کیپ کینیورل کا ائیر فورس سٹیشن بھی یہیں واقع ہے ہمیں خلابازوں کو تربیت دینے والے ادارے کے اندر بھی لے جایا گیا اور وہ بلڈنگ بھی دکھائی گئی جس کے اندر خلائی گاڑیاں اور راکٹ اسمبل کئے جاتے ہیں۔ 5 منزلہ تھیٹر بلڈنگ میں 70 فٹ چوڑی سکرین پر IMAX فلم بھی دکھائی گئی جس میں دیکھنے والا خود کو خلا میں سفر کرتا اور بے وزنی کی حالت میں تیرتا ہوا محسوس کرتا ہے ایسی دو فلمیں دکھائی گئیں جن کے نام تھے ''خواب پورا ہوتا ہے'' اور ''نیلا کرہ'' فلمیں سارا دن آنے والوں کو وقفے وقفے سے دکھائی جاتی ہیں اور یہ واقعی بڑا سنسنی خیز تجربہ تھا۔ اس کا ٹکٹ 4 ڈالر تھا جبکہ سپیس سنٹر کا ٹکٹ 7 ڈالر وصول کیا گیا۔

چاند سے لی گئی مٹی اور چٹانوں پر مشتمل ایک سپیس گیلری بھی دیکھی۔ خلا میں قائم کیا جانے والا ایک سپیس سٹیشن ''فریڈم'' بھی

عوام کے دیکھنے کے لئے رکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مقررہ اوقات میں خلانورد وہاں آنے والوں کو رونمائی اور آٹوگراف دینے کے لئے بھی سامنے آتے ہیں۔ ناسا آرٹ گیلری اور خلا سے متعلقہ امور کی واقعاتی یا فلموں کے ذریعے نمائش کے بھی انتظامات ہیں جنہیں دیکھنے کا کوئی ٹکٹ نہیں ہے۔ ان سب جگہوں کو دیکھانے کے لئے گائڈڈ ٹور والی بس ہمارے ساتھ ساتھ موجود رہی۔ سب سے زیادہ دلچسپی کا مرکز اپالو چاندراکٹ تھا جو 25 سال گذرنے کے باوجود اب بھی بڑی اچھی حالت میں تھا ہر ایک نے اس کے قریب کھڑے ہو کر تصویریں کھنچوائیں۔ جس جگہ ناسا کا یہ مرکز قائم کیا گیا ہے وہ سابق صدر بش کی اراضی تھی' جس کے سنگتروں کے باغات اب بھی پھلوں سے لدے ہوئے تھے ہماری خوش قسمتی سے جب ہم وہاں موجود تھے امریکی خلائی گاڑی ENDEAVOUR خلا کی جانب روانہ ہو رہی تھی اور آٹھ دن بعد جب ہم ایم ٹریک میں خلیج میکسیکو کے قریب سے گزر رہے تھے تو ریڈیو بتا رہا تھا کہ فلوریڈا میں موسم صاف نہ ہونے کی وجہ سے اینڈریو کو یہاں سمندر میں اتارا جا رہا ہے۔

◆◆◆

مغرب کا جانب سفر.....ایریزونا

یہ بات ہمارے لئے خوشگوار حیرت کا باعث تھی کہ جوں جوں ہم مغرب کی طرف بڑھ رہے تھے عورتوں میں عریانیت کا رجحان کم ہوتا جا رہا تھا حالانکہ شمال یعنی نیویارک سے جنوب یعنی فلوریڈا کی طرف جاتے ہوئے یہ رجحان مسلسل بڑھتا گیا اور فلوریڈا پہنچتے ہی کپڑے کم ہوتے ہوتے بکنی تک نوبت پہنچ گئی۔ اس کی ایک معقول وجہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ امریکیوں کو گرمی کچھ زیادہ ہی ستاتی ہے پھر نیلے آسمان تلے چمکتی ہوئی دھوپ میں تو روز ازل کے فطری لباس میں لوٹ جانا انہیں بڑا بے چین رکھتا ہے سن شائن سٹیٹ یعنی فلوریڈا تو وہ جگہ ہے جہاں پورے براعظم سے گوریاں اور چٹی چمڑی والے گورے اپنی سکن ٹین کرنے کے لئے مہینے مہینے بھر کی چھٹیاں لے کر پہنچے ہوئے ہوتے ہیں لیکن اب تو ہم فلوریڈا کو بہت پیچھے چھوڑ کر مغرب کی طرف بڑھ رہے تھے جو ٹیکساس اور میکسیکو کی ریگستانی ہواؤں کی زد میں تھے۔ اس کے باوجود ہم جس شہر یا مضافاتی علاقے میں بھی رکے وہاں گرمی کے باوجود لڑکیوں اور عورتوں کے مکمل لباس دیکھے۔ ایریزونا ریاست کے صدر مقام فنکس میں لمبے فراکوں اور پوری سکرٹوں میں ملبوس لڑکیاں دیکھ کر خوشی ہوئی۔ لباس کا یہ اہتمام نیویارک جیسے شمالی شہروں میں صرف یہودیوں کے ہاں دیکھنے میں آیا تھا۔ اور اب ہر کوئی خاتون ہو یا لڑکی..... انہی جیسی نظر آ رہی تھی۔ فنکس میں ہم نے ہوٹل سے ریلوے سٹیشن جانے کے لئے جو ٹیکسی لی وہ ایک 35 سالہ سفید فام امریکی خاتون چلا رہی تھی۔ اس نے ہمیں بتایا کہ ایریزونا کے اس شہر میں گرمیوں میں درجہ حرارت 125 درجہ تک چلا جاتا ہے جیسے ہمارے ہاں جیکب آباد اور کشمور کے گرم علاقے ہیں۔ خاتون اکیلی ہونے کے باوجود بالکل نڈر اور بے خوف تھی۔ جاتے وقت اس نے ہمیں اپنا ٹیکسی کا موبائل نمبر اور کارڈ دیا۔ ''پھر کبھی آنا جانا ہو تو یاد کر لیجئے گا۔'' فنکس میں پانچ چھ دن قیام رہا۔

امریکی براعظم کے اندر انتہائے شمال سے سفر آغاز کرنے کے بعد ہم انتہائے جنوب مشرق میں فلوریڈا کی خلیج میکسیکو تک سفر کرنے کے بعد ساحل بہ ساحل شہروں کی سیریں کرتے ہوئے مغربی اور وسطی حصوں کو دیکھ کر آگے بڑھ رہے تھے۔ لیکن اس خطے سے نکلنے سے پہلے ہم نے ایریزونا اور کیلیفورنیا دیکھنا تھا۔ چنانچہ ایریزونا دیکھنے کے لئے ہم اس ریاست کے صدر مقام فنکس (PHOENIX) میں اترے۔ اس کو ویلی آف دی سن بھی کہتے ہیں اور یہاں ماقبل انسان کی کروڑوں سال کی تاریخ ارض اپنی تمام حیرتوں، طلسمات خوبصورتیوں اور تضادات کے ساتھ جوں کی توں محفوظ ہے۔

فنکس کے ماضی کا سرغ لگانے کے لئے تین سو سال قبل مسیح کے عہد کا تصور قائم کرنا پڑے گا جب یہاں ہوکوکام ریڈ انڈین قبیلہ آباد تھا۔ یہ قبیلہ پانچ سو برس پہلے اپنا وجود کھو چکا تھا لیکن اس کے ثقافتی اور تہذیبی اثرات آج بھی وہاں منطبق ہیں۔ انہوں نے پہاڑی اور بے آب و گیاہ علاقوں کو سیراب کرنے کے لئے ایک ایسا نہری نظام وضع کیا جو آج کے جدید دور میں بھی محفوظ کر لیا گیا ہے۔ جہاں 17 مختلف ریڈ انڈین قبیلوں کے پچاس ہزار باشندے قیام رکھتے ہیں۔

آج کا فنکس شہر 1880 میں سالٹ ریور کے کنارے پر آباد کیا گیا تھا۔ اس شہر کا نام اس کے بانی کے نام پر رکھا گیا جس کی پیش گوئی تھی کہ یہ شہر قدیم ہوکوکام قبیلے کے کھنڈرات سے پھر اسی طرح جنم لے گا جس طرح عنقا کا روائتی پرندہ اپنی خاکستر سے دوبارہ جنم لیتا ہے عصر حاضر میں فنکس امریکہ کا ایک اہم صنعتی پیداواری اور اعلیٰ ٹیکنالوجی کا مرکز بن چکا ہے۔ یہاں اخراجات زندگی کم اور معیار زندگی عام شہروں جیسا ہے۔ سال میں 300 دن سورج چمکتا ہے۔ بارش کی اوسط 8 انچ سالانہ ہے۔

امریکہ کے جنوب مغرب میں یہ سیاحوں کی دلچسپی کی نمبر ون جگہ ہے۔ یہاں بہترین ہوٹل شاپنگ سنٹر اور ٹرانسپورٹ کے ذرائع ہیں۔ یہ امریکہ کا نواں سب سے بڑا شہر ہے۔ تقریباً 20 لاکھ لوگ رہتے ہیں۔ یہ شہر سورج ران SONORAN صحرا کے قلب میں واقع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گرمی بھی خاصی پڑتی ہے۔ لیکن اپریل مئی تک موسم خوشگوار رہتا ہے جس کی وجہ چاروں طرف بلند پہاڑی سلسلے ہیں۔ کاؤبوائز اب بھی یہاں ہیں لیکن آج کل انہیں رانچوں اور سرکاری محفوظ پارکوں جنگلوں کی نگہبانی کا کام سونپ دیا گیا ہے۔ یہاں کے سرخ' سرمئی اودے اور سنہرے رنگوں والے پہاڑ اور رات کے وقت تاروں بھری سیاہ رات سیاحوں کو موہ لیتی ہے ٹکسن TUCSON ریاست کا دوسرا صدر مقام ہے۔ جو نسبتاً پرسکون اور خاموش شہر ہے۔ سپینش لب لہجہ اور اثرات نمایاں ہیں جنگلی حیات کی بہتات ہے۔

ایریزونا کا جنوبی اور مغربی علاقہ عام طور پر گرم خشک ہے جبکہ ریاست کا شمالی حصہ سرد ہے۔ اور یہاں جنگلات بکثرت ہیں۔

گرینڈ کینن ایریزونا بلکہ پورے امریکہ کا وہ حیرت انگیز علاقہ ہے جسے دیکھنے کے لئے سیاح اور ماہرین طبقات الارض دنیا بھر سے دوڑے چلے آتے ہیں۔ ان کو قدرتی عجائبات سنگ کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ اور ان کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ سرخ پہاڑی سلسلے کس طرح اتنے زبردست کٹاؤ کا باعث بنے۔ غالباً یہ سارا کچھ اربوں سال کی پانی اور ہوا کی مشترکہ جدوجہد کے بعد وجود میں آیا ہو گا۔ ماہرین طبقات الارض کا کہنا ہے کہ کبھی یہ میلوں تک پھیلے ہوئے پہاڑی سلسلے قرنوں تک سمندر کے نیچے رہے ہوں گے اور پھر رفتہ رفتہ سمندر نے اپنا راستہ بدل لیا ہوگا۔ گرینڈ کینن کو جنہیں نیشنل پارک قرار دیا گیا ہے قرنوں کی ماضی کی شکست وریخت کی کہانی بیان

کرتے ہیں۔شمالی ایریزونا میں یہ پہاڑی اور چٹانی سلسلے ایک میل کی گہرائی تک کٹے ہوئے ہیں اور ان کے درمیان نیچے گہرائیوں میں دریائے کولوریڈو 277 میل تک تنگ گھاٹیوں میں سے ہوتا ہوا بہتا ہے۔ جہاں اس کا بہاؤ 600 گز سے لے کر 18 میل تک چوڑا ہے۔ان پہاڑی سلسلوں کی عظمت و ہیبت اور پہاڑوں کی متنوع رنگت کے لحاظ سے یہ دنیا بھر میں اپنا ثانی نہیں رکھتے یہاں آنے والا ہر سیاح انہیں دیکھتے ہی انگلی دانتوں میں دبالیتا ہے۔ خاص طور پر جب وہ پہاڑوں کے جنوبی سلسلوں کے ساتھ ساتھ چلتا ہے جہاں ایسی گہرائیاں ہیں جنہیں جھک کر نیچے دیکھنے کی کوشش کریں تو سر چکرا جاتا ہے مگر ان کی آغوش میں سانپ کی طرح بل کھاتا ہوا دریا دکھائی نہیں دیتا۔صرف شور سنائی دیتا ہے اور نیچے سے اوپر تک ناہموار پہاڑی پہلوؤں پر گھنے جنگلات ہیں۔شمال اور جنوب کے سلسلوں کو ملانے کے لئے اوپر ہموار اور رواں دواں سڑکیں ہیں جن پر سیاح با آسانی کار میں سفر کر سکتے ہیں۔کینن ترقی یافتہ شہری علاقوں کے درمیان تقریباً دس میل تک پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ شمال میں برائٹ اینجل سے لے کر جنوب میں گرینڈ کینن ولیج تک کے علاقے کا احاطہ کرتے ہیں لیکن ان دونوں سروں کے درمیان سڑک پر سفر کیا جائے تو یہ 214 میل بنتا ہے۔کینن کا ماربل (سفید سنگ مرمر) کا علاقہ (شمال مشرق بعید) میں واقع ہے جو شمال کی جانب سے وسط اکتوبر سے وسط مئی تک شدید برفباری کے سبب بند رہتا ہے۔اس وسیع و عریض پارک میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ٹورسٹ ڈیپارٹمنٹ کے دفاتر اور ریڈ انڈین لوگوں کی بستیاں ہیں جہاں سارا سال سیاحوں کی دلچسپی کے لئے علاقائی ثقافتی میلے' تقریبات اور رنگا رنگ پروگرام ہوتے رہتے ہیں۔ ہائیکنگ کیمپنگ دریا میں رافٹنگ (کشتی رانی) اور ہیلی کاپٹروں وفلائنگ کلب کے ٹوسیٹر طیاروں کے ذریعے فضائی سیر اور فوٹوگرافی کی سہولتیں بھی مہیا کی گئی ہیں۔ہم نے یہاں ایک روز اپنی کار میں اور دوسرے روز چھوٹے طیارے میں سیر کی۔اور جو کچھ دیکھا وہ ساری زندگی کے لئے یادگار بن گیا۔

گرینڈ کینن جانے کے لئے فونکس سے پانچ گھنٹے کی ڈرائیو ہے۔ پہلے انٹرسٹیٹ 17 نمبر پر فلیگ سٹاف اور پھر وہاں سے روٹ 180 نارتھ ویسٹ پر گرینڈ کینن جانا ہوتا ہے۔

گرینڈ کینن کے بارے میں سیاحوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ صحرائی اور بیشتر گرم پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے یہاں نہایت خطرناک حشرات الارض زہریلے سانپ اور اژدر ڈنک مارنے والے حشرات کے علاوہ یہاں آسمانی بجلی بھی بکثرت گرتی ہے۔اور جب گرنے لگے تو جس پر بجلی گرنی ہو اس کے جسم میں تیز کرنٹ دوڑ جاتا ہے۔ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ویسے بجلی مہلت نہیں دیتی لیکن جونہی بجلی کی چمک نظر آئے زمین پر سجدے کی حالت میں گر جانا چاہیے اس طرح سر اور چہرہ دونوں ہاتھوں کے درمیان ہو اور

دونوں ہاتھ اور کہنیاں زمین پر رکھی ہوں۔ سینہ اور سر و منہ زمین کے ساتھ نہیں لگنا چاہیے۔

فنکس سے واپس آنے سے پہلے ہم نے چھوٹے جہاز میں گرنیڈ کینن پر پرواز کا پروگرام بنایا۔ دو انجن والا ٹوسیٹر طیارہ تھا جس کو ایک پائلٹ لڑکی اڑا رہی تھی نیچے کولوریڈو ریور بہہ رہا تھا۔ طیارہ بڑی مہارت سے بلند نوکیلی چوٹیوں کے درمیان سے گذرتا جا رہا تھا۔ ڈر بھی بہت لگا کہ کہیں طیارے کا کوئی ونگ کسی پہاڑ سے ٹکرا گیا تو ہڈیاں تک نہ ملیں گی اور مزہ بھی خوب آیا۔ اتنا خطرناک فضائی سفر اس سے پہلے کبھی نہ کیا اور نہ سنا تھا۔ ہمارے گلگت اسکردو کا فضائی سفر کہتے ہیں دنیا کا خطرناک ترین فضائی روٹ ہے لیکن اس جیسا نہیں ہوگا۔ اس طیارے کی کھڑکی بھی کھولی جا سکتی تھی۔

ہوور ڈیم سائنس کا ایک بہت بڑا عجوبہ ہے اور اسے عجائبات عالم میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ یہ ڈیم اتنے خشک صحرا میں دریائے کولو ریڈو کو روک کر بنایا گیا ہے۔ اس ڈیم کے اوپر سے بھی پرواز کی۔ یہاں آ کر اپنا بلوچستان کا صحرائے سوئی یاد آ گیا ہوٹل میں دو دن قیام سمیت ہوائی جہاز اور جیپ پر سیر کا پیکج 222 ڈالر میں طے پایا تھا۔

◆◆◆

کولوریڈو

یہاں سے ہم پھر ایمٹر یک پر بیٹھے اور کولوریڈو ریاست کے صدر مقام ڈینور میں جا اترے۔ ڈینور (DENVER) تک پہنچتے پہنچتے صحراؤں کا سلسلہ جو دو دن سے ہمارے ساتھ چل رہا تھا مکمل طور پر ختم ہو چکا تھا اور پہاڑی سلسلوں کا آغاز ہوا چاہتا تھا۔ یہاں ریلوے سٹیشن پر ہمارے بیٹے کی ایک سابقہ کولیگ جس کو آپ دوست بھی کہہ سکتے ہیں آئی ہوئی تھی۔ شام سات آٹھ کا وقت تھا کچھ زیادہ سواریاں نہیں اتری تھیں۔ بیشتر سیاح اور کچھ مقامی لوگ نظر آتے تھے ٹرین سے اترتے ہی ایک خوش شکل نوجوان لڑکی نے بڑی معصوم مسکراہٹ کے ساتھ ہمارا استقبال کیا۔ وہ سرخ بلاوز لانگ سکرٹ اور ہاف کوٹ پہنے تھی۔ سفید لیگون سے ٹانگیں پاؤں تک COVER تھیں۔ سرخی پاؤڈر یا میک اپ کوئی خاص نہیں تھا۔ دراصل اس کی ضرورت بھی نہ تھی۔ اس عمر میں دلکشی قدرت عطا کرتی ہے وہ بدرجہ اتم موجود تھی۔ ہم نے سوچا شائد بیٹے نے پہلے سے بتا دیا ہوگا "دیکھو والدین بالکل مشرقی لوگ ہیں۔ لباس وغیرہ ٹھیک ٹھاک پہن کر آنا۔" لیکن یہ بات نہیں تھی۔ وہاں سب لڑکیاں مکمل لباس میں نظر آ رہی تھیں۔ وہ نیویارک اور فلوریڈا والی باتیں اور عادتیں سب بہت پیچھے رہ گئی تھیں۔ اور بات ہمارے لئے بڑے اطمینان اور خوشی کا باعث تھی۔ ہمارے شہروں کے برعکس یہاں ریلوے سٹیشنوں اور ہوائی اڈوں پر عام طور پر قلی نہیں ملتے۔ ہر شخص ٹرالی پر خود ہی اپنا سامان رکھتا ہے اور ٹرالی ریڑھ کر سٹیشن کے باہر ٹیکسی یا کار تک لے کر جاتا ہے ہم نے بڑی بوڑھی عورتوں کو بھی خود ٹرالی کھینچتے دیکھا۔ البتہ ریڈ گارڈ مدد کے لئے ضرور مل جاتے ہیں۔

ہم بھی ٹرالی پر اپنا سامان رکھ کر باہر نکلے۔ سوزی نے کار میں سامان رکھوایا اور ہمیں لے کر پہلے بک کرائے ہوئے ہوٹل رمادا میں آ گئی۔ سامان کمرے میں رکھوایا۔ رسمی تعارفی باتیں ہوئیں اور یہ کہہ کر چلی گئی "ابھی آپ سفر سے تھکے ہوئے ہوں گے۔ آرام کریں میں صبح پھر آؤں گی۔"

ہوٹل میں رات کے کھانے کے لئے ہم لوگ نیچے ڈائننگ ہال میں چلے گئے مگر وہاں معلوم ہوا کہ صرف صبح کا ناشتہ ہی سرو کیا جاتا ہے۔ چنانچہ رمادا سے باہر نکلتے ہی میکڈانلڈ کا بڑا سا M نظر آیا۔ غنیمت سمجھا اور خوشی ہوئی کہ ہمارے جیسے مسلمان سیاحوں کے لئے فاسٹ فوڈ کا یہ اہتمام پورے امریکہ میں موجود ہے۔ چنانچہ کاؤنٹر پر جا کر اوپر بورڈ پر لکھے ہوئے کھانوں اور ان میں شامل اجزا کی تفصیل پڑھی۔ حلال یا کوشر گوشت والی یہاں بھی کوئی چیز میسر نہ تھی۔ اور جھٹکے کا گوشت ہم کھانے کے لئے تیار نہ تھے چنانچہ سبزی

سلاد اور چکن وغیرہ پر گذارہ کیا۔ ہر ایک نے اپنی پسند کے برگر بنوائے۔ فرنچ فرائز یعنی آلو کے چپس اور سافٹ ڈرنک SERVE کئے گئے۔ اس کے بعد فروٹ اور سویٹ ڈش..... اپنے کمرے میں واپس آنے سے پہلے ریاست کولوریڈو اور ڈینور کے بارے میں ٹورزم کے کاؤنٹر سے بہت سا لٹریچر مل گیا۔ بیڈ پر جا کر انہی کی ورق گردانی شروع کر دی۔

کولوریڈو سیاحوں کا پسندیدہ مقام ہے اس کو ویلی آف دی سن بھی کہتے ہیں۔ یہ راکی ماؤنٹین اور سکائنگ کے لئے برفپوش پہاڑی چوٹیوں کی وجہ سے شہرت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ اس طرف نو آبادکاروں کے ہجوم کی ایک بڑی وجہ اس کی سونے کی کانیں بھی تھیں۔ سنٹرل سٹی کے نواح میں سونے کی صرف ایک کان سے اس زمانے میں 60 ڈالر کے مساوی مالیت کا سونا نکالا گیا تھا پہلی دفعہ 1863 میں سونے کی موجودگی کا پتہ چلا۔ یہاں ڈینور سب سے بڑا شہر ہے۔ جو میدانی علاقے میں ہے۔ ارد گرد جدھر نظر اٹھائیں برفپوش چوٹیاں دکھائی دیتی ہیں۔ یہاں کا صرف راکی ماؤنٹین نیشنل پارک ہی 415 میل پھیلا ہوا ہے۔ دس ہزار فٹ سے بلند چوٹیوں کی تعداد پچاس ہے۔ سیاح بڑی آسانی سے اپنی کاروں میں 12183 فٹ کی بلندی تک جا سکتے ہیں۔ ASPEN اور VAIL برفانی پہاڑوں پر آباد خوبصورت بستیاں ہیں جہاں برفانی کھیلوں کے شائقین سیزن میں جاتے ہیں اور ہر قسم کے سیاحوں کے لئے یہاں اس جدید دور کی ہر قسم کی سہولتیں موجود ہیں۔ جارج ٹاؤن وہ جگہ ہے جہاں اول اول نو آبادکاروں نے قدم رکھا تھا۔ اسے سلور کوئین آف سی راکیز بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں سے 1890 تک کانوں سے سونا اور چاندی نکالا جاتا رہا۔ تب یہ ریاست کا تیسرا سب سے بڑا شہر ہوا کرتا تھا۔ اس کی عظیم الشان عمارتیں اور تجارتی اداروں کے دفاتر آج بھی عظمت رفتہ کی یادیں تازہ کرتے ہیں۔

سنٹرل سٹی اول اول ریاست کا صدر مقام ہوا کرتا تھا بعد میں صدر مقام ڈینور منتقل ہو گیا۔ کولوریڈو سپرنگز کے نزدیک CRIPPLE CREEK اب بھی سیاحوں کی توجہ کا سب سے بڑا مرکز ہے 1890 میں اس کی کانوں سے 300 ملین ڈالر مالیت کا سونا نکالا گیا تھا۔ تب اس کی آبادی 25 ہزار تھی۔ اس دور کے ریسٹورنٹ اور دکانیں اب بھی یہاں موجود ہیں کولوریڈو میں زمانہ قبل تاریخ میں عظیم الجثہ جانور ڈینوسار بھی ہوا کرتے تھے۔ جن کے مدفون ڈھانچے دریافت کر کے ان کا ایک میوزیم بھی قائم کیا گیا ہے۔

پہاڑی سلسلوں کے قدموں میں ڈینور کا خوبصورت شہر آباد ہے۔ اس میں داخل ہوتے وقت اس گولڈ ڈگر سٹیٹ کا چمکتا دمکتا گیند نما گنبد ہر آنے والے کا خیر مقدم کرتا ہے۔ ڈینور کے مغرب میں گولڈن کی بستی ہے جہاں کسی زمانے میں جیالے بل فائٹرز کے

ہاتھوں بل فائٹنگ میں مارے جانے والے جانوروں کو دفن کیا جاتا تھا۔

کولوریڈو..... موسم گرما میں نہایت سرسبز وشاداب اور جنت نگاہ ہوا کرتا ہے اور موسم سرما میں اس کا تمام حسن برف کی دبیز تہوں میں اگرچہ چھپ جاتا ہے پھر بھی اس ہیبتناک خاموشی میں بھی ایک ناقابل بیان حسن اور دلکشی ہوتی ہے۔ برف یہاں زندگی کے ہم ہے ختم نہیں کر دیتی۔ زندگی اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ جاری وساری رہتی ہے البتہ اس کا ARINA بدل جاتا ہے۔

ڈینور اگرچہ میدانی علاقہ پر آباد ہے تاہم اس کے مغرب میں بلند برفانی پہاڑی سلسلے پھیلتے چلے گئے ہیں۔ اس کا ڈاؤن ٹاؤن بھی اپنی بلند وبالا تجارتی وکاروباری عمارتوں اور شاپنگ سنٹروں کی وجہ سے بڑی شہرت رکھتا ہے۔

اس شہر میں پارک سسٹم انتہائی قابل تعریف ہے۔ ایسے پارکوں کی تعداد کم وبیش ڈیڑھ سو ہے سب سے مشہور پارک ریڈ راک پارک ہے۔ اس کے قابل دید مقامات میں آرٹ میوزیم' بوٹانیکل گارڈنز' میوزیم آف مینی ایچرز' ڈالز اینڈ ٹوائز' ڈینورز ڈول ہاؤس میوزیم' میوزیم آف ویسٹرن آرٹ اور میوزیم آف نیچرل ہسٹری ہے ڈینور شہر خود تو ایک ہموار سطح پر واقع ہے لیکن اس کے مغرب کی جانب پہاڑوں کا بہت لمبا چوڑا سلسلہ ہے۔ یہ طویل مدت تک اس پہاڑی سلسلوں کی ایمپائر کا زبردست تجارتی واقتصادی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے۔ کبھی یہ ریاست سونے کی کانوں کے لئے شہرت رکھتی تھی اور دور ونزدیک سے لوگ سونے کی تلاش میں یہاں کھنچے چلے آتے تھے۔ اسی زمانے میں یہاں بلند وبالا اور عظیم الشان عمارات تعمیر ہوئیں۔ امریکہ کے مغرب میں واقع اس اہم ترین سیاحتی مرکز میں آج کل دنیا کے سب سے بڑے انٹرنیشنل ایئرپورٹ کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے جو 53 مربع میل پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ مین ہٹن جزیرے سے دوگنا بڑا ہے۔ یہ امریکہ میں گزشتہ 20 برسوں میں تعمیر ہونے والا سب سے جدید ہوائی اڈا ہے اور اس میں جو سہولتیں مہیا کی جارہی ہیں وہ اور کسی اڈے میں نہیں ہوں گی۔ یہاں مسافروں کا سامان ان کے پہنچنے سے پہلے ٹرمینل پر پہنچ جایا کرے گا۔

ڈینور 600 مربع میل علاقے میں سب سے بڑی ریاست ہے اور یہ علاقہ پورے یورپ کے برابر ہے۔ سوا صدی تک یہ علاقہ ثقافت' شاپنگ اور تفریح وسیاحت کا بڑا مرکز رہا ہے اور دنیا کا سب سے بڑا ائیر پورٹ تعمیر ہو جانے کے بعد یہ علاقہ غالباً اگلی صدی میں بھی اپنی اہمیت اور انفرادیت قائم رکھے گا۔

189 میں ساؤتھ پلیٹ ریور اور چیری کھاڑی کے مقام اتصال پر سونے کے ذخائر دریافت کے بعد یہاں ڈینور شہر آباد ہونا شروع ہوا ابتدائی چند برسوں تک یہاں زبردست سیلاب آتے رہے کئی دفعہ بہت بڑے پیمانے پر آگ لگی اور ریڈ انڈین باشندوں نے شہر پر حملے کئے۔ خانہ جنگی کے دوران وفاقی فوجوں نے اس شہر پر کئی بار حملے بھی کئے جن کے مقابلے کے لئے مقامی فوج تیار کی

گئی جس نے بال آخر وفاقی فوجوں کو شکست دی۔ پہاڑوں میں مزید سونے کی دریافت کے بعد ڈینور میں کاروبار زبردست فروغ پانے لگا۔ یہ ہوٹلوں' سراؤں' جوے خانوں کلبوں اور ریلوے کا بڑا مرکز بن گیا۔ سطح سمندر سے اس شہر کی بلندی ایک میل تھی۔ اور مغرب کے پورے علاقے سے بدنام ترین عنصر اور ڈاکوں ولٹیروں نے اس شہر کو ایک نہ ایک بار ضرور اپنی بدنام سرگرمیوں کا مرکز بنایا یہاں سے نکلنے والے سونے کا ایک حصہ یہاں کے پارکوں' فواروں' پارکوں میں لگے مجسموں' دورویہ درختوں سے آراستہ سڑکوں اور عالیشان عمارتوں کی تعمیر پر خرچ کیا گیا جس کے نتیجے میں آج ڈینور کا شہر ایک ہزار مربع میل کے علاقے میں ''میدانی شہروں کا تاجدار'' مشہور ہوگیا۔ 1980 میں یہاں تیل کی دریافت کے بعد حیرت انگیز ترقی ہوئی جس کے نتیجے میں اس شہر کی آبادی قریب قریب دوگنا ہوگئی۔

جغرافیائی لحاظ سے ڈینور امریکہ کے وسط میں واقع ہے۔ براعظم کے مرکز سے ٹھیک 340 میل کے فاصلے پر یہ چٹانی (راکی) سلسلوں سے بارہ میل دور ہموار میدانی علاقے پر آباد ہے ڈینور سے ایک گھنٹے کی ڈرائیو پر آپ کو سطح سمندر سے 14240 فٹ بلند آٹو بائی وے ملے گی جبکہ خود ڈینور کا شہر مین ہٹن سے بھی زیادہ ہموار زمین پر آباد ہے۔

ڈینور کا شہر امریکہ کے سب سے تیز رفتار میٹروپولیٹن شہروں میں سے ایک ہے۔ اس کی آبادی پانچ لاکھ ہے جبکہ شہر کی حدود میں 19 لاکھ افراد بستے ہیں۔ ان میں 15 سے 35 سال کے جوانوں کی اکثریت ہے۔ کالج گریجوایٹس کی شرح کے لحاظ سے یہ واشنگٹن کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ ڈینور ایک میل کی بلندی پر واقع ہے تو قطعاً غلط نہیں کیونکہ یہ سطح سمندر سے ٹھیک 5280 فٹ بلند ہے اس کی پہاڑی سیرگاہیں آٹھ سے دس ہزار فٹ تک اونچی ہیں۔ یہاں بہت سے پارک' کالج یونیورسٹیاں' میڈیکل یونیورسٹی' میوزیم' فائن آرٹس کے مراکز اور امریکی ٹیکسال ہے۔ جہاں ہر سال امریکہ کے 5 ارب سکے ڈھالے جاتے ہیں جس کے تہہ خانے امریکہ کے دوسرے سب سے بڑے سونے کے ذخائر لئے ہوئے ہیں۔ جبکہ امریکہ کا سونے کا پہلا سب سے بڑا ذخیرہ فورٹ ناکس (KNOX) میں محفوظ ہے۔

ڈینور کی آب وہوا خشک معتدل ہے۔ سورج سال میں 300 دن چمکتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سان ڈیاگو اور میامی بیچ سے بھی زیادہ یہاں مطلع صاف رہتا ہے۔ لاس اینجلز کی طرح یہاں بھی سال میں 15 انچ بارش ہوتی ہے۔ تاہم یہاں اپریل اور مئی میں برفباری ہوتی ہے۔ اور موسم بہار میں بھی اردگرد پہاڑوں کی چوٹیاں برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ خزاں ستمبر اکتوبر میں شروع ہوجاتی

ہے۔اوراس کے بعداس کے نواحی پہاڑی سلسلوں پر برفانی کھیلوں کا اصل آغاز ہوتا ہے۔موسم سرما کے دوران یہاں فروری میں درجہ حرارت 45ڈگری ہوتا ہے جو نیویارک کے مقابلے میں قدرے بہتر ہے۔ڈینور کے مغرب میں 34 میل دور شہر سنٹرل سٹی اور بلیک ہاک (HAWK) کبھی سونے کی کانوں کے بہت بڑے مرکز ہوا کرتے تھے صرف اکتوبر 1991 میں ہی یہاں سے نصف ارب ڈالر کا سونا نکالا گیا تھا۔ان شہروں میں قمار خانوں کی کثرت ہے گولڈن سونے کی کانوں کا تیسرا بڑا مرکز تھا جہاں سے سونا تمام کا تمام نکالا جاچکا ہے۔اورزمین دوز کانیں صرف نمائش کے لئے رہ گئی ہیں۔

ہر سال تیس لاکھ سیاح پورے ملک اور دنیا بھر سے ڈینور دیکھنے آتے ہیں۔ان میں سے اکثریت برفانی کھیلوں کے لئے اسپن ASPEN' ویل' گلین ووڈ' کولوریڈو سپرنگز' ایسٹس ASTES پارک' سمٹ کاونٹی' ونٹر پارک' بریکن رج' نیوکریک' بولڈ بروک اور سلورکریک پر چلی جاتی ہے۔

رات کولوریڈو کے بارے میں سیاحتی لٹریچر پڑھتے پڑھتے نیند آ گئی۔صبح جب آنکھ کھلی تو وسیم صاحب اور بیگم تیاریوں میں تھے کہنے لگے۔جلدی سے اٹھ کر تیار ہو جائیں سوزی کا فون آیا ہے وہ آنے والی ہے۔پہلے سیر کرنے چلیں گے۔کھانا راستے ہی میں کسی جگہ کھالیں گے اور شام کا کوئی اور پروگرام بنائیں گے۔تھوڑی ہی دیر میں میں اٹھ کر تیار ہو گیا۔اتنے میں سوزی صاحبہ مسکراہٹ کے پھول کھلاتی ہوئی آ گئیں۔سنجیدہ سی شخصیت مگر سادگی میں مشرقی لڑکیوں سے قریب تر ہے۔قہقہہ لگا کر نہیں ہنستی بس صرف مسکراہٹ پر اکتفا کرتی ہے۔باتیں کرتے وقت آنکھیں بھی بولتی محسوس ہوتی ہیں۔حیادار اور بناوٹ و تصنع سے خالی شخصیت..... بیٹے نے بتایا کہ یہ شمال اور جنوب کی لڑکیوں سے بہت مختلف ہے۔بالکل دیہاتی مگر شہری اور تعلیم یافتہ طور طریقوں سے پوری طرح آشنا..... ہم نے پوچھا۔"آج کہاں کی سیر کرائیں گی؟ کہنے لگی" "کار پر نکلتے ہیں۔آپ کو قرب و جوار کا علاقہ دکھانے کا ارادہ ہے۔"

کچھ دیر بعد ہم چاروں ڈینور شہر کی حدود سے باہر نکل چکے تھے اور کار خوبصورت مناظر کی آغوش میں اترتی اور نکلتی ہوئی کشادہ سڑکوں پر دوڑی چلی جارہی تھی۔سوزی خود کار ڈرائیو کر رہی تھی۔اب ہم نیشنل پارک کی میلوں پھیلی وسعتوں میں سرگرداں تھے۔سڑک پر بہت کم آمدورفت تھی۔کہیں کہیں اکا دکا سیاحوں کی فیملیاں کاروں میں گھومتی پھرتی یا فوٹو گرافی کرتی نظر آ رہی تھیں۔سوزی ہمیں کار میں سیر کراتے ہوئے ڈینور کے حالات سے ایک ماہر گائیڈ کی طرح آگاہ کئے جارہی تھی۔راستے میں سڑکوں پر کہیں کہیں بورڈ لگے تھے۔ہرن۔احتیاط' بعض جگہوں پر صرف ہرن کی تصویر بنی ہوتی۔ہرنوں کا علاقہ ختم ہوتے ہی نشانات کے ذریعے اس کی اطلاع دے دی جاتی۔بعض جگہوں پر کسی اہم تاریخی شخصیت کی سابقہ رہائش گاہ یا ماضی کے کسی یادگار واقعہ کے بارے میں لکھا ہوتا۔

اور کسی بلند مقام پر بورڈ لگا ہوتا جس پر لکھا ہوتا SCENIC VIEW ایسی جگہوں پر بے اختیار گاڑی مخصوص جگہ پر روک کر مخصوص پوائنٹ پر جا کر دور تک پھیلے ہوئے دلنواز منظروں کو نگاہوں میں سمیٹ لینے اور نہاں خانہ دل میں اتار لینے کی کوشش کرتے۔ پھر اس خیال سے کہ کب تک یہ منظر یادداشت میں محفوظ رہ سکے گا وہاں تصویریں کھنچوائی جاتیں اور پھر اٹھارہ ہزار میل دور سے آئے ہوئے مختصر سے پاکستانی خاندان کا یہ مختصر سا قافلہ اپنی گائیڈ سوزی کی قیادت میں آگے روانہ ہو جاتا..... ڈاکٹر وسیم تو امریکہ کے ایسے مناظر سے بخوبی شناسا تھا لہٰذا وہ تو کچھ زیادہ متاثر نہ ہوتا تھا البتہ ہم دونوں کار میں بیٹھے ہوئے اچک اچک کر ہر منظر کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ ''اف کتنا خوبصورت ہے تمہارا ملک!'' سوزی سے کہہ رہا تھا۔

''YOU LIKE IT!'' اس نے کہا اور میں بے ساختہ جواب دیا ''OH I DIE FOR IT''

تیسرے پہر جب ہم کوئی تین سو میل کی سیاحت کر کے ہوٹل میں واپس آ کر کار سے اترنے لگے تو ہم نے اس کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔ رات ہم دیر تک سوزی اور سیر کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ پھر میں نے باتوں سے توجہ ہٹا کر آنکھیں بند کر لیں اور خود کو پھر جنت نگاہ میں لے جانے کی کوشش کی جہاں سے ہم ہو کر آئے تھے۔

◆◆◆

ڈینور.....گارڈن آف گاڈز

یہ نام اسے صدیوں پہلے مقامی لوگوں نے دیا ہوگا۔ ''خداؤں کی اس جنت میں ہمارا قیام آٹھ دن رہا۔ ان آٹھ دنوں کا ہر لمحہ ہم نے پوری طرح سیر و تفریح میں گذارا جب کبھی فرصت ملتی' سوزی خود کار لے کر آ جاتی اور ہمیں سیر کرانے لے جاتی ڈاؤن ٹاؤن میں شاپنگ اور ہوٹلوں میں دعوتیں اڑانے کے علاوہ ہم نے بہت سی قابل دید شہری جگہیں بھی دیکھیں۔ اس کے علاوہ ہم ہر روز کار لے کر دو چار سو میل دور راکی ماؤنٹین کی طرف نکل جاتے۔ عموماً ایسا ہوتا کہ صاف ستھرے موسم میں روانہ ہوتے چمکیلی دھوپ ہر طرف نکھری ہوتی اور موسم بہار کی تازہ و شاداب ہوائیں چل رہی ہوتیں لیکن جوں جوں بلند برفانی سلسلوں میں آگے بڑھتے برفپوش چوٹیاں سیاہ بادلوں میں گھرتی چلی جاتیں اور دیکھتے دیکھتے برفباری شروع ہو جاتی۔ ایسے ہی چمکیلے اور گھنگور گھٹاؤں میں لپٹے ہوئے ہم نے بہت سی پہاڑی مقامات دیکھ لئے جن میں اسپین VEIL گلین ووڈ' ونٹر پارک اور ایسٹس ASTES پارک وغیرہ شامل تھے ایسارہ پہاڑی قصبہ سکائنگ ریسارٹ یعنی سکائنگ اور دیگر برفانی کھیلوں کے لئے شہرت رکھتا ہے لیکن چونکہ برفانی کھیلوں کا سیزن نہ تھا اس لئے ہر جگہ رونقیں کم تھیں۔ لوگ سکائنگ کا سامان لے کر کیبل چیئر لفٹ کے ذریعے یا برفانی موٹر سائیکل کی مدد سے جو پہیوں کی بجائے سلج پر دوڑتی تھی' اونچے برفانی سلسلوں پر پہنچ جاتے اور وہاں سے پیروں پر سکائنگ سلیپر باندھ کر پھسلتے ہوئے نیچے آ جاتے۔

ڈینور سے روانہ ہونے کے 20 منٹ بعد ہم LOVE LAND کے قریب سے گذرے۔ یہ ہائی وے کے بائیں جانب ایک پہاڑی پر چھوٹے چھوٹے فلیٹس پر مشتمل ایک خوبصورت بلکہ آئیڈیل بستی تھی جس میں امریکہ بھر سے محبت کے متوالے اور نئے شادی شدہ جوڑے ہنی مون منانے کے لئے آتے۔ بہت سے لوگ اپنے خوابوں کی اس حسین بستی کے بوسٹ آفس کی مہر لگوانے کے لیے اپنے محبوباؤں کو لولینڈ کے راستے محبت نامے اور گریٹنگ کارڈ بھیجتے جس کے لئے انہیں چند ڈالر اضافی فیس ادا کرنی پڑتی۔ ہم ہر روز آتے جاتے اس بستی کے قریب سے گذرتے وقت بڑے اشتیاق سے اسے اور یہاں قیام کرنے والے محبت کے متوالوں کو دور سے ہی دیکھ کر یہاں آنے کی آرزو لئے گذر جاتے۔

اپنا تو وقت گزر گیا ہے بیٹے! آپ ہنی مون منانے کے لئے یہاں ضرور آئیے گا۔

''ابو آپ جانتے ہیں ڈاکٹر کی زندگی کتنی مصروف ہوتی ہے.....!''

''یہ درست ہے مگر شادی اور ہنی مون روز روز نہیں ہوتے۔''

''تم جوانی میں خوبصورت لمحات ضرور اکٹھے کر لینا۔ اچھی اور صحت مند سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لینا۔ جوانی کے لمحات سے جی بھر کر خوشیاں اخذ کرنا۔ ہر پل ہر ساعت سے مسرتیں..... سچی مسرتیں نچوڑنا..... تاکہ جب یہ خوشیوں بھرا جوانی کا زمانہ گذر جائے .....اور یہ پلک جھپکتے میں گذر جائے گا اور تمہیں خبر نہ ہوگی۔ تب جس وقت بڑھاپا دبے پاؤں تمہاری زندگی میں قدم رکھ چکا ہوگا ..... تم اچھے زمانے میں گذاری ہوئی سہانی صبحوں شاموں اور راتوں کی یادوں کے سہارے زندگی کے یہ بوردن گذار سکو گے۔ اور اگر تمہارے پاس خوبصورت یادوں کے خزینے نہ ہوئے.....''

ابھی میری باتوں کا سلسلہ جاری تھا کہ بیٹے نے ٹوک دیا

''بس کریں ابو..... کیا آپ نے شاعرانہ باتیں شروع کر دیں.....''

اور اس کے بعد میں خاموش تو ہو گیا مگر سوچنے لگا.....

''کاش میں گذرے وقت کو آواز دے سکتا''

◆◆◆

شایان میں امریکی کنبہ کے ساتھ

ویک اینڈ پر سوزی ہمیں اپنے والدین سے ملانے ان کے گاؤں شیان CHEYENNE لے چلنے کے لئے صبح سویرے ہی کار لے کر ہوٹل پہنچ گئی۔ ''شایان نام تو بڑا خوبصورت ہے۔ یہ ہے کہاں؟'' میں نے سوال کیا۔ ''یہ یہاں سے دو گھنٹے کی ڈرائیو پر ایک دوسری ریاست وائیومنگ WYOMING میں ہے۔ اور پھر ہم نے سفر کا آغاز کیا تو سوزی نے راستے بھر وائیومنگ کے بارے میں ہمیں اتنی باتیں بتا دیں کہ ہمارا اشتیاق بہت بھڑک اٹھا۔ شایان جس ریاست کا صدر مقام ہے اس کی آبادی 4 لاکھ 70 ہزار ہے۔ اس کا رقبہ 98 ہزار مربع میل ہے۔ یہاں کی زیادہ سے زیادہ بلندی سطح سمندر سے 13 ہزار 800 فٹ ہے۔ زراعت پیشہ لوگ ہیں۔ سوائے ایک شراب کشید کرنے کی بڑی فیکٹری کے کوئی خاص صنعت نہیں ہے۔ بھینسا یہاں کا ریاستی نشان ہے جو ریاست کی حدود میں داخل ہوتے وقت دائیں طرف ایک اونچے پہاڑ کی چوٹی پر نصب کیا گیا ہے جنگلات بکثرت ہیں چھوٹے بڑے ساتھ دریا ریاست سے گذرتے ہیں۔ ریڈ انڈین لوگوں کی کئی محفوظ قرار دی گئی آبادیاں (ریزویشنز) ہیں۔ ہوئی اور الاسکا کو چھوڑ کر باقی تمام ریاستوں میں یہاں مویشیوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ یلوسٹون اور گرینڈ ٹیٹان ..... دو بڑے قومی پارک ہیں۔ 136 مربع میل میں یلوسٹون لیک پھیلی ہوئی ہے ابھی علاقائی تعارف کا یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ ہم ایک خوبصورت شہر میں داخل ہو گئے۔ صاف ستھری سڑکیں اور صاف ستھرے مکانات خوبصورت مال (مارکیٹیں) اور روائتی قسم کا بلند و بالا بلڈنگوں والا ڈاؤن ٹاؤن۔

دو گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد ہم ایک کوٹھی نما مکان میں داخل ہو رہے تھے یہاں تمام مکانات ایک جیسے تھے۔ قرب و جوار میں کوئی رہائشی عمارت دو منزلہ نہ تھی۔ ہر مکان کے چاروں طرف کئی کئی ایکٹر کشادہ زمین تھی درمیان میں بنے ہوئے مکان کے چاروں جانب باغ اور پھولوں والی کیاریاں تھیں۔ عقب کی جانب مکان کی کوئی حد ہی نہ تھی دور تک کھلی زمینیں تھیں اور ان میں گھوڑے اور مویشی چر رہے تھے مکان کے فرنٹ کو پھولوں سے لدی بیلوں نے اپنی آغوش میں لے رکھا تھا بیل ہوتے ہی دروازہ کھلا اور ادھیڑ عمر ایک جوڑے نے باہر نکلتے ہی ڈاکٹر وسیم کا اور پھر ہم دونوں کا گرمجوشی سے مصافحہ سے خیر مقدم کیا۔ یہ مسٹر لیو گارشیا اور مسز گارشیا تھیں۔ ان کی مسز صحت مند اور شگفتہ صورت و شگفتہ مزاج خاتون تھیں۔ دونوں کے چہروں سے کشادہ مزاجی عیاں تھی۔ وسیم نے بتایا ''یہ میرے امی اور ابو ہیں'' ہمیں لے جا کر سجے سجائے ڈرائنگ روم میں صوفوں پر بٹھایا گیا۔ میزوں پر پڑے بڑے باؤلز میں تازہ پھول بہار دے رہے تھے۔ دیواروں پر نصب چوکھٹوں میں کتابیں سجی تھیں اور دروازوں اور کھڑکیوں کے پاس طاقچوں میں حضرت مسیح اور

حضرت مریم کے مجسمے اور کہیں کہیں صلیب کے نشان آویزاں تھے۔ان مجسموں اور صلیب کے نشانات کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے یہ کسی امریکی یا عیسائی کا مکان نظر آتا۔عام طور پر ہمارے ہاں بھی اوسط درجے کے ڈرائینگ روم اسی طرح سجے ہوتے ہیں۔تھوڑی دیر بعد سوزی کی دو بہنیں مسز کیتھی اور مس میری بھی آ گئیں غالباً وہ کسی دوسرے کمرے یا کچن میں تھیں۔کیتھی باپ کی طرح دراز قد تھی جبکہ میری اور سوزی ماں پر گئی تھیں۔کیتھی کسی پروٹسٹنٹ کسان سے بیاہی ہوئی تھی اور اس کے دو اور چار سال کے دو بچے تھے۔دو سال کی بچی ٹیلر بہت خوبصورت اور جلد بے تکلف ہو جانے والی تھی۔اس نے ماں کے کہنے پر ہمارے گلے میں بانہیں ڈال کر زور سے معانقہ کیا جبکہ چار سال کا کلارک قدرے شرمیلا تھا اور آخر تک ماں سے ہی لپٹا رہا۔ہم ڈرائینگ روم میں بٹھائے گئے اور سوزی اور وسیم صاحب اس کی امی کے پاس کچن میں چلے گئے۔سوزی کے والد لیو نے ابتدائی تعارفی کلمات کے بعد مجھ سے صحافی ہونے کے ناطے پاکستان کی تشکیل' جغرافیائی وسیاسی حالات اور پھر اسلام کے بارے میں سوالات شروع کر دیئے۔بے نظیر کے نام سے وہ اچھی طرح واقف تھے اور جاننا چاہتے تھے کہ ایک عورت کو پاکستان کے مسلمانوں نے کیسے سربراہ حکومت بنانا گوارا کر لیا ایک سوال پر جب میں نے انہیں بتایا کہ پاکستان متحدہ ہندوستان کا ایک حصہ ہوا کرتا تھا لیکن ہندو اکثریت کے متعصبانہ رویہ کی وجہ سے اور دو قومی نظریہ کے تصادم نے اکٹھے رہنا ناممکن بنا دیا اور ہم انگریزوں کے چلے جانے کے بعد ہندو مذہب وثقافت اور سیاسی غلبہ کے ڈر سے علیحدہ وطن بنانے پر مجبور ہو گئے تو انہیں پاکستان کی تشکیل کے پس منظر سے آگاہی ہوئی پھر جب میں نے انہیں بتایا بھارت کی جارحیت کی وجہ سے ہم آدھے ملک سے محروم ہو گئے لیکن اب ابھی ہماری آبادی 120 ملین ہے تو انہیں بڑا تعجب ہوا۔غالباً پہلے سے ہمارے آنے کی اطلاع ہونے کی وجہ سے اب تک سوزی کی پھوپھی اور پھوپھا بھی آ چکے تھے۔ہمارے ہاں تو 60 تک پہنچتے پہنچتے لوگ ''کرم خوردہ'' ہو جاتے ہیں۔ایک ماہ بعد ہمیں فون پر اطلاع ملی کہ سوزی کے یہ انکل ہسپتال میں داخل کر دیئے گئے ہیں کہ ان کو کینسر ہو چکا ہے۔ویسے اگر کینسر اور ایڈز سے امریکی نہ مریں تو سو سال کی عمر کو آسانی سے پہنچ جاتے ہیں۔

اسلام کے بارے میں خصوصاً پاکستان کے متعلق مغربی میڈیا نے جو غلط فہمیاں پھیلا رکھی ہیں ان کے بارے میں ان لوگوں نے بہت سے سوالات کئے جن کے جوابات معلوم کر کے انہیں حیرت ہوئی حیرت ہمیں بھی ہوئی مگر ہماری حیرت قدرے مختلف تھی اور وہ یہ کہ دنیا کی سب سے باخبر قوم' واحد سپر پاور ہمارے کھانے پینے کی خبر رکھنے والی بلکہ ہمارے ذاتی اور ملکی امور سے مکمل واقفیت کا دعوی رکھنے والی قوم کے لوگ اس قدر اصل حالات سے بے خبر ہیں۔بہر کیف ہمیں جو موقع ملا تھا اس سے ہم نے خوب فائدہ اٹھایا اور مغربی میڈیا کی پیدا کردہ بہت سی غلط فہمیاں دور کرنے کی کوشش کی۔

باتوں ہی باتوں میں خاصا وقت گذر گیا اور پھر ہم سب ڈائننگ ٹیبل پر آ گئے۔یہ ایک لمبا سا ٹیبل تھا جو کچن کے اندر ہی سجایا گیا

تھا۔ خاتون خانہ اور اس کی بیٹیوں نے مل کر کئی قسم کی ڈشز تیار کر رکھی تھیں جن میں کئی طرح کی مچھلی' ابلے ہوئے چاول' چنے کی دال اور بہت کچھ دیگر چیزیں بھی تھیں۔ ہمیں یہ جان کر حیرت ہوئی کہ یہ رومن کیتھولک فیملی شراب اور سور کے گوشت (پورک) سے مکمل پرہیز کرتی ہے۔ چنانچہ ہم نے بے دھڑک ہو کر کھایا۔ اور جب کھانا ختم کر لینے کے بعد سوزی کے گھر والے ہمیں اپنا گھر اور اس کے گرد و پیش دکھا رہے تھے اور انہوں نے ہمیں اس خوبصورت اور کشادہ ماحول سے بہت متاثر پایا تو ہمیں فراخدلی سے آفر کی کہ جتنے دن چاہیں یہاں آ کر رہیں ہمارے مہمان بن کر.....! انہوں نے بتایا کہ ہمارے بیٹے ڈاکٹر وسیم احمد کو وہ اپنا بیٹا ہی سمجھتے ہیں کیونکہ ان کا بیٹا کوئی نہیں۔ صرف تین لڑکیاں ہی ہیں۔

واپسی سے پہلے ہم سب نے مکان کے اندر اور باہر بہت سے گروپ فوٹو کھنچوائے..... لیوریٹائر ہو چکے تھے مگر فیکٹری کے یونین لیڈر ہونے کے سبب ٹریڈ یونین کا عہدہ اب بھی ان کے پاس تھا۔ ان کی بیگم کاسمیٹک کا سامان بنانے والی ایک مشہور فرم کی سیلز گرل تھیں چنانچہ انہوں نے روانگی سے پہلے مجھے میری بیگم کو اپنی فرم کی مصنوعات تحفے میں دیں۔ یہ دونوں میاں بیوی ہمارے ہاں کے معمر جوڑوں کی طرح ایک دوسرے سے بیزار نہ تھے بلکہ چاہت کی انتہا تھی کہ اکثر و بیشتر ایک دوسرے پر فقرے چست کرتے رہتے تھے۔ لیوز یادہ خوشگوار موڈ میں رہتے تھے۔

روانگی سے پہلے جب میں نے مسز لیو کا شکریہ ادا کیا کہ ہماری وجہ سے آپ کو کچن میں کئی گھنٹے رہنا پڑا..... اس تکلیف کے لئے معذرت! تو انہوں نے دونوں ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے کہا ''میری صحت اتنی اچھی ہے کہ کسی قسم کی ٹربل میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔''

اس کے بعد ہم ایک دوسرے کو الوداع کہہ کر رخصت ہو رہے تھے اور ہم سوچ رہے تھے کہ چند گھنٹوں کی اس عارضی رفاقت نے ہمارے درمیان اجنبیت کا کوئی پردہ حائل رہنے ہی نہیں دیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے برسوں کے شناسا تھے۔

میں نے الوداعی جملوں میں کہا۔ ''ایک خوبصورت ماحول کے خوبصورت لوگوں میں گذارے ہوئے یہ خوبصورت لمحات ہمیں برسوں یاد رہیں گے!''

''اگر آپ کو ہم لوگ اور یہ جگہ اچھی لگی تو پھر بھی آیئے گا۔'' انہوں نے جواب دیا اور سوزی نے واپسی کے لئے کار سٹارٹ کر دی۔

◆◆◆

لاس اینجلز

لاس اینجلز کو بجا طور پر تفریحی دنیا کا صدر مقام کہا جاتا ہے۔ اس کو گریٹر لاس اینجلس بھی کہتے ہیں۔ اس میں دنیا کی بہترین تفریح گاہیں، تھیٹر، ٹیلی ویژن اور موشن پکچرز سٹوڈیوز، سپورٹس کی سہولتیں اور آرٹ میوزیم واقع ہیں اس کے علاوہ اس خطے میں انتہائی خوبصورت ساحل سمندر پہاڑی سلسلے اور صحرا ہیں۔ یہ بلاشبہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک مادی دلچسپی اور خوشیاں بہم کرنے والی دنیاوی جنت کہی جاسکتی ہے۔

لاس اینجلس مغربی ریاست کیلیفورنیا کا اہم ترین شہر ہے رقبے کے لحاظ سے یہ امریکہ کی تیسری سب سے بڑی ریاست ہے ریاست کا صدر مقام سکرے منٹو ہے۔ لاس اینجلس خاص طور پر دنیا کے سب سے بڑے فلمی سٹوڈیوز کے مرکز ہالی وڈ اور فلم سٹارز کی دنیا کی سب سے قیمتی رہائش گاہوں کے علاوہ بیورلی ہلز کی وجہ سے مشہور ہے۔ اس کے علاوہ یہاں میکس فیکٹر میوزیم اور میوزیم آف ٹالرنس جیسی مشہور دیکھنے کی جگہ بھی ہیں۔ یہاں لانگ بیچ اور وہاں سیاحوں کو سیر کرانے والا کوئین میری بحری جہاز ہے جو اپنی اصل ڈیوٹی سے کب کا ریٹائر کیا جاچکا ہے۔

وقت تھوڑا اور دیکھنے کی جگہیں بہت زیادہ اس کے علاوہ بغیر گائڈ کے بیشتر جگہیں دیکھی بھی نہیں جاسکتی تھیں۔ لہٰذا ہم نے گائڈڈ ٹور کے ٹکٹ خرید لئے اور صبح دس بجے کے قریب سیاحوں کی بس ہمیں لینے کے لئے ہوٹل پہنچ گئی۔

ہمارا گائڈ انگریزی، فرانسیسی اور سپینش بڑی روانی سے بولتا تھا اور بڑا زندہ دل شخص تھا۔ باتوں باتوں میں چٹکلے اور لطیفے چھوڑتا جاتا۔ اور ہالی وڈ کی سیر کے دوران مشہور فلموں ان کے مناظر اور کردار کے بارے میں سوال کرتا..... بھلا بتایئے وہ کون ہے اور اس سے آگے کیا ہوا..... فلاں منظر تو آپ کو یاد ہوگا۔ ذہن پر زور دیجئے کیا یہاں پہنچ کر آپ کو وہ منظر یاد نہیں آیا وغیرہ۔ چار گھنٹے کا ٹور تھا ور یہ چار گھنٹے وہ شخص مسلسل بولتا رہا۔ مگر تھکا نہیں بڑا اچھا رٹا لگا ہوا تھا ہالی وڈ اور بیورلی ہلز کی ایک ایک عمارت ان سے وابستہ ایک ایک کیرکٹر کے بارے میں اس کے پاس معلومات تھیں۔ سب سے پہلے سفر کا آغاز کرتے ہوئے اس نے اپنے بارے میں مختصراً بتایا اور پھر ہر سیاح کو موقع دیا کہ وہ خود اپنا تعارف کرائے۔ ہم نے جو بتایا کہ پاکستان سے آئے ہیں تو کچھ لوگوں کے کان کھڑے ہو گئے اور باقی لوگوں کے سر پر سے بات گذر گئی۔

اب ہم ہالی وڈ کی حدود میں داخل ہو چکے ہیں وہی جنت نگاہ جس کو فلمی صنعت نے لازوال شہرت عطا کر دی ہے۔ گائڈ بتا رہا تھا آج جو فلمی دنیا کا صدر مقام ہے اس صدی کے اوائل میں یہ کھیتی باڑی کی ایک سویا سویا فارم تھا۔ یہاں یونیورسل سٹوڈیو 1914 میں قائم کی گیا اور اب یہ دنیا کا سب سے بڑا اور مصروف ترین سٹوڈیو ہے ایسا ایک سٹوڈیو فلوریڈا میں بھی ہے۔ لیکن ہالی وڈ کا یہ سٹوڈیو سب سے بڑا ہے یہاں تباہ کن زلزلے کی فلمیں بنانے عمارتوں کو لرزانے ملبے کا ڈھیر بنا دینے خوف و دہشت کی فضا اور تاثر قائم کرنے اور سارے تباہ شدہ شہر کو ایک بار اپنی اصلی حالت میں کھڑا کر دینے کا عجیب و غریب میکنزم تیار کیا گیا ہے۔ بے شمار کیمرہ ٹرکس اور سٹنٹ بھی استعمال کئے گئے ہیں اسی طرح ہارر فلموں کی تیاری کے لئے خصوصی سٹوڈیوز ہیں۔ ہالی وڈ دیکھنے کے لئے دنیا بھر کی فلمی صنعت سے تعلق رکھنے والے اداکار اور مکینکی ماہرین بھی آتے ہیں۔ ان کے مداح ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتے ہوئے چائنیز تھیٹر میں دعوت عام سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور چھوٹے موٹے کردار بھی کر لیتے ہیں۔ ہالی وڈ کی خوبصورت اور سرسبز پہاڑیوں میں سٹوڈیوز پھیلے ہوئے ہیں۔ ہالی وڈ میں داخل ہوتے وقت گائڈ نے ہمیں کہا کہ سامنے پہاڑی کے اوپر نظر اٹھا کر دیکھیں۔ بادلوں میں گھرا ہوا بڑا سا HOLLY WOOD لکھا ہوا تھا۔ اس کے ہر لیٹر پر 26 ہزار ڈالر خرچ ہوئے تھے۔

ہالی وڈ کی سیر کرتے ہوئے ہم اٹھارہویں صدی کے طرز تعمیر کی ایک خوبصورت اور مرصع عالیشان عمارت کے سامنے رک گئے۔ اس کے باہر دونوں طرف بڑے شیر اور اژدھے منہ پھاڑے کھڑے تھے اور گرجاؤں کی طرح اونچی نیچی کئی برجیاں تھیں طرز تعمیر پگوڈا اور چرچ کا مشترکہ امتزاج لگتا تھا۔ اس کے باہر کھڑا ایک شخص ٹی وی ٹاک شو میں شرکت کے لئے فری پاس دے رہا تھا۔ اس شو میں بڑے بڑے ایکٹر حاضرین سے مختلف سوال کرتے ہیں اور ہمارے طارق عزیز شو کی طرح انہیں اداکاری کے مظاہر کی دعوت بھی دیتے ہیں یہاں سے ہالی وڈ کو بعض اچھے ٹیلنٹ بھی مل جاتے ہیں۔ ہالی وڈ میں مختلف مشہور و معروف سٹوڈیوز دیکھتے ہوئے اب ہم بیورلی ہلز BEVERLY HILLS میں داخل ہو چکے تھے یہ عظیم الشان کوٹھی ایڈی مرفی کی ہے۔ پورا مکان سبز پوش پہاڑوں میں ڈیڑھ میل تک پھیلا ہوا ہے اور یہ ہے عالمی شہرت کے موسیقار مائیکل جیکسن کی بہن جیسی جیکن کا گھر' یہ بھی ایک میل علاقے پر محیط ہے۔ اس کے بعد ایڈلس ہکسلے سابق گلوگار اور سابق صدر ریگن کے گھر۔ خوبصورت اداکارہ ڈورس ڈے کے خوبصورت محلات دیکھے۔ بار برا فلزر نے یہاں چار گھر بنوا رکھے ہیں۔ ٹنڈا اداکار کوجیک اور بی بی سی کے عالمی شہرت کے پروگرام کی اداکارہ لوسی اور ہالی وڈ کے اداکر فرینک سناترا کا مکان دیکھا۔ سناترا کے مکان میں استعمال ہونے والی ہر اینٹ میکسیکو سے آئی ہے۔ گائڈ نے بتایا کہ وہ سٹیج شو کر رہا تھا کہ اسے دل کا دورہ پڑا بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

یہاں ان دنوں باب وولر کی بیوی بھی ایک گھر بنوا رہی ہے۔ مارلن منرو جیسی خوبصورت اداکارہ تھی ویسا ہی خوبصورت اس کا مکان دیکھا۔ ان لوگوں نے جنکی زندگیاں شوبزنس کے خوبصورت گناہوں کی آغوش میں گذریں دنیا میں تو جنت کے مزے لوٹ لئے آگے جا کر انہیں کیا ملے گا خدا بہتر جانتا ہے۔

بیورلی ہلز میں ہزاروں ایکٹر پر پھیلے ہوئے باغات کی وجہ سے لاس اینجلس میں پانی کی بہت کمی ہوتی ہے چنانچہ انتظامیہ نے ان باغات کے لئے خاص طور پر دریائے کالوریڈو پر بند باندھ کر وہاں سے پانی سپلائی کرنے کا بندوبست کر رکھا ہے۔ گائڈ مسلسل بولے جا رہا تھا۔ جس گھر کے آگے سے گذرتا اس کے مالک اداکار یا اداکارہ کے بارے میں اس کی مشہور فلموں کے بارے میں اور اس کے مکان وغیرہ کے بارے میں بہت کچھ بتاتا ہوا چلتا۔ اب وہ ایڈی مرفی کے گھر کے سامنے سے گذر رہے تھے۔ اس نے اس وسیع و عریض جنت کی حفاظت کے لئے بارہ خونخوار کتے رکھے ہوئے ہیں ویسے بھی آپ اس طرف کبھی پیدل آنکلنے کی جرات نہ کریں ورنہ یہ آپ کا جو حشر کریں گے وہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ گائیڈ بتا رہا تھا کہ نیورلی ہلز میں صرف کاروں پر ہی آیا جا سکتا ہے پیدل چلنے والوں کو پولیس فوراً پکڑ لے جاتی ہے۔

الزبیتھ ٹیلر جو اپنی آٹھ شادیوں کی وجہ سے بھی خاصی شہرت رکھتی ہے اب ہم اس کی جنت نگاہ کوٹھی کے سامنے سے گذر رہے تھے یہ کوٹھی دوسری کوٹھیوں کی طرح پہاڑی پر بنی ہے اور چوٹی پر ایک کشادہ سوئمنگ پول ہے جسے اس کے پہلے اور آٹھویں خاوند رچرڈ برٹن نے بنوا کر دیا تھا۔ صرف اس سوئمنگ پول پر کئی ملین ڈالر خرچ آئے تھے۔

ہالی وڈ کی پہاڑیوں سے اترتے ہی ہم اس سڑک پر آ گئے جہاں ہوٹل اور شوبزنس والوں کے دفاتر ہیں۔ ہوٹل یہاں دو قسم کے ہیں ایک وہ جن میں فلموں کے پروڈیوسر اور ایکٹر آ کر بیٹھتے ہیں اور شوقین اداکاروں سے ملاقاتیں کر کے نئے چہرے بھرتی کرتے ہیں۔ ایسے ہوٹلوں کو ایمپلائمنٹ ہوٹل کہتے ہیں۔ دوسرے عام ہوٹل ہیں جو کھانے پینے کی سروس کرتے ہیں اس کی روڈیو ڈرائیو پر شاپنگ سنٹر ہیں اور یہاں دنیا بھر سے آئے ہوئے سیاحوں کی اس قدر بھیڑ ہوتی ہے کہ کھوے سے کھوا چلتا ہے مغرب کی جانب بیل ایئر کا علاقہ ہے جہاں کیلیفورنیا کی یونیورسٹی آف لاس اینجلز U.C.L.A واقع ہے۔ لاس اینجلز جو امریکہ کا پانچواں بڑا شہر ہے اس میں ایک کروڑ کاریں ہیں۔ اس کا وقت نیویارک سے تین گھنٹے پیچھے ہے گائڈ ڈٹور کے اختتام پر جب ہم بس سے اتر رہے تھے تو گائڈ صاحب مجسم سوال بن کر کھڑے تھے اور ہر شخص اسے دو چار یا پانچ ڈالر ٹپ دے کر جا رہا تھا۔ ڈرائیور کی سیٹ کے سامنے بس کے اندر بھی لکھا تھا۔

"TIPS ARE APPRECIATED"

ایریزونا کی طرح کیلیفورنیا بھی زلزلوں کا علاقہ ہے۔ یہاں اکثر و بیشتر بڑی شدت کے زلزلے آتے رہے ہیں اور بلند و بالا فلک بوس عمارتوں کے باوجود زلزلے سے نقصانات کچھ زیادہ نہیں ہوتے۔ ماہرین طبقات الارض نے لاس اینجلز اور اسی جیسے دوسرے شہروں کی عمارتیں زلزلہ پروف بنائی ہیں کہ جھٹکے سہ جاتی ہیں۔ اس شاک آبزرور ٹیکنالوجی کے باوجود 1994 میں جب ہم وہاں تھے جنوبی کیلیفورنیا کا سارا علاقہ ایک شدید زلزلے سے تہہ و بالا ہو کر رہ گیا۔ شمال کی جانب مسلسل جھٹکے آ رہے تھے اور دیکھتے دیکھتے ایک اہم سپر ہائی وے پر بنا پل (معلق ہائی وے) چند ثانیوں کے اندر اس طرح ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا کہ یقین ہی نہیں آتا تھا کہ اس قدر مضبوط فولاد و کنکریٹ کا پل اس طرح تباہ و برباد ہو کر بکھر سکتا ہے۔ اس وقت پل پر ایک بل ڈوزر دو کاریں اور ایک موٹر سائیکل گذر رہا تھا۔ موٹر سائیکل پل ٹوٹتے ہی اس میں پڑنے والے شگاف میں گر کر مارا گیا جبکہ ایک کار لڑھک کر نیچے آ گری اس کا ڈرائیور زخمی ہوا جبکہ بلڈوزر بھی الٹ گیا اور ڈرائیور زخمی ہوا۔ اس پل کے عین نیچے زلزلے کا مرکز تھا ورنہ یہ پل یوں بری طرح تباہ نہ ہوتا۔ کسی دوسرے علاقے میں ایسی شدت کا زلزلہ آتا تو شہروں کے شہر تباہ ہو جاتے اور ہزاروں آدمی مارے جاتے۔

◆◆◆

فلے مارکیٹ

ویک اینڈ یعنی ہفتہ اور اتوار کو امریکی دفتروں میں چھٹی ہوتی ہے اگرچہ کاروبار کی بندش کے لئے ہماری طرح ہفتہ میں ایک دن بھی مقرر نہیں۔ بڑے بڑے بازار اور مارکیٹیں ضرور اتوار کو بند ہوتی ہیں۔ لیکن بیشتر دکانیں عموماً ہفتے میں ساتوں دن کھلی رہتی ہیں۔ دفتروں سے چھٹی کرنے والے ویک اینڈ پر اپنے گھروں کوٹھیوں کی صفائی کرتے ہیں۔ پھول پودوں کیاریوں ولان کی تراش خراش کرتے ہیں۔ لان پارٹیاں مثلاً باربی کیو اور سالگرہ کی تقریبات یا فیملی اجتماعات ہوتے ہیں۔ اور گراسری وغیرہ (شاپنگ) کی جاتی ہے۔ گھریلو سامان کی شاپنگ کے لئے عام طور پر عورتیں ہی جاتی ہیں اور ٹرالیاں بھر بھر کر ہفتے بھر کا سامان خرید کر لے آتی ہیں۔ یہ سارے کام ہفتہ کو کر لئے جاتے ہیں اتوار کے روز امریکی ساحل سمندر پر جاتے پکنکیں مناتے اور نجی پارٹیوں میں جی بھر کر پیتے پلاتے ہیں۔ پڑے سوئے رہتے ہیں اور دو دن موج میلہ میں گذار لینے کے بعد باقی پانچ دن پھر خوب ڈٹ کر کام کرتے ہیں۔

جن لوگوں کے گھروں میں فالتو سامان ہو گیا ہوتا ہے وہ اسے نکالنے کے لئے چار دن پہلے ہی اپنے علاقے میں درختوں وغیرہ پر گیراج سیل کے اشتہار لکھ کر لگا دیتے ہیں۔ اس روز وہ اپنے گھر کا تمام فالتو سامان گیراج میں جمع کر کے اس کو اونے پونے بیچ ڈالتے ہیں۔ اس طرح گھر کی صفائی بھی ہو جاتی ہے اور نئے سامان کے لئے جگہ بھی نکل آتی ہے۔ مالدار لوگ اور بڑی دکانوں والے ہر تھوڑے عرصے بعد پرانا سامان شام کو نکال کر کوٹھیوں یا دکانوں کے باہر چھوڑتے ہیں جو غریب لوگ جن میں زیادہ تر کالے ہوتے ہیں اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ اس سامان میں اکثر و بیشتر بالکل ٹھیک ٹھاک مشینیں، حتی کہ صوفے سیٹ، کرسیاں، میزیں اور الماریاں تک ہوتی ہیں۔ جو اگر کوئی غریب آدمی نہ اٹھا کر لے جائے تو ٹھیکداروں کے ٹرک آتے ہیں اور اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ خریداری کے لئے بڑی بڑی فیشن ایبل دکانوں اور مال (بازاروں) کے علاوہ غریب لوگوں کے لئے ہمارے ہاں کی طرح جمعہ یا منگل بازار بھی لگتے ہیں۔ جنہیں فلے (FLEA) مارکیٹ کہا جاتا ہے۔ ان بازاروں کے لئے کوئی خاص دن مقرر ہوتا ہے اور نہیں بھی ہوتا۔ یہ بازار عام طور پر پارکوں یا خالی میدانوں میں لگتے ہیں۔ اس کے لئے شامیانوں خیموں یا عارضی گشتی گاڑیوں سے کام لیا جاتا ہے۔ عام خیال یہی ہے کہ ان بازاروں میں چیزیں اونے پونے مل جاتی ہیں لیکن چالاک دکاندار یہاں بھی گاہکوں کو جہاں وہ پھنس جائیں پھانس لیتے ہیں۔ زیادہ تر چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کا تاریخ استعمال ختم ہونے والی ہوتی ہے۔ ایسی چیزیں سستی بھی مل جاتی ہیں چک چکا خوب ہوتا ہے۔ پورے امریکہ میں چونکہ کسی چیز پر پرائس کنٹرول نہیں ہے لہٰذا ایک چیز اگر ایک دکاندار ایک ڈالر میں دیتا ہے تو

وہی چیز دوسرا چار یا تین ڈالر میں فروخت کر دیتا ہے۔ عام طور پر چیزوں کی قیمتیں تین چار گنا زیادہ رکھی جاتی ہیں یعنی دکاندار لوٹ سیل لگا کر بھی خسارے میں نہیں رہتا۔ ہمارے لوگوں کی طرح یہاں بھی کاروباری طبقے کی چالیں اور ہتھکنڈے ایک جیسے ہیں۔ یہ لوگ دکانوں کے باہر یا اندر یا مقامی اخبارات میں اعلان کرتے ہیں کہ کاروبار چھوڑ رہے ہیں۔ تبدیل کر رہے ہیں یا کینیڈا یا یورپ جا رہے ہیں اس لئے بہت سستا مال لگا دیا ہے اور جب گاہک دکان کے اندر جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ محض اشتہار بازی تھی۔ 20 فیصد اور پچاس فیصد کمی کے TAG محض دھوکہ دینے کے لئے لگا دیئے گئے ہیں۔ یہاں کاروبار کے بڑے جدید طریقے ہیں۔ بڑے بڑے ہوٹلوں میں فری بریک فاسٹ اور کھانوں کے دعوت نامے جاری کئے جاتے ہیں جہاں ہر ٹیبل کے لئے ایک ماہر سیلز گرل یا سیلز بوائے متعین کر دیا جاتا ہے جو رئیل اسٹیٹ (پراپرٹی) یا کسی بھی بڑی چیز کی فروخت کے لئے مدعو حضرات کو خریداری پر آمادہ کرتا ہے۔ اور یوں کئی مفت بریک فاسٹ یا لنچ کے لئے آنے والے ارادہ نہ ہونے کے باوجود عیار سیلز مینوں کے جال میں آ کر غیر ضروری املاک خریدنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

چیزیں فروخت کرنے کا دوسرا معروف طریقہ جنک میل (JUNK MAIL) ہے۔ ہر آدمی کے گھر کے پتے پر ایسی غیر مطلوبہ ڈاک ڈھیروں کے حساب سے آ جاتی ہے۔ جس میں چیزیں بذریعہ سیل آرڈر فروخت کرنے کے لئے جیک پاٹ (JACK POT) یعنی بڑے بڑے انعاموں کا لالچ دیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے آیئے "سب سے پہلے آرڈر دیجئے اور مفت حاصل کیجئے" اگر آپ کچھ بھی آرڈر نہیں دیں گے تب بھی آپ کے نام کے چھپے ہوئے کیٹلاگ مسلسل آپ کے گھر آتے رہیں گے۔ صرف کیٹلاگ ہی نہیں مصنوعات مثلاً چائے خشک دودھ اور اسی قسم کی دوسری چیزوں کے پیکٹ بھی بکثرت ڈاک میں آتے رہیں گے۔ ہر چیز آنکھیں بند کر کے منگوالیں پسند نہ آئے تو 90 دن کے اندر واپس' کا وعدہ اور اس وعدے سے غریب ملکوں کے لوگ بڑے ناجائز فائدے بھی اٹھاتے ہیں۔ ہماری ایک پاکستانی خاتون خصوصی تقریبات کے لئے ایسی پیشکشوں سے عموماً ناجائز فائدہ اٹھایا کرتی تھیں اور نوے دن کے اندر چیزیں واپس بھجوا کر قیمت منگوالیا کرتی تھیں کوئی دکاندار یہ بھی نہیں پوچھ سکتا کہ "کیوں ناپسند ہے؟"

دکانوں پر خریداری کیجئے تو دوبارہ آنے کے لئے ایک آدھ فری کوپن تو عام دے دیئے جاتے ہیں۔ ایک خرید و دوسری چیز مفت کی وبا تو عام ہے۔ ہمارے ہاں کے کاروباری آدمیوں کو کاروبار کے نئے نئے ہتھکنڈے سیکھنے کے لئے ادھر کا رخ ضرور کرنا چاہیے لیکن یہ لوگ ہوتے وعدے کے پکے ہیں ہمارے لوگوں کی طرح مکر نہیں جاتے۔

◆◆◆

امریکی ٹیلی ویژن

امریکی ٹیلی ویژن دنیا کے دوسرے ممالک سے بھی کہیں زیادہ موثر ترین ذریعہ ابلاغ ہے اور یہ یورپ جتنا تو نہیں لیکن زیادہ فحاشی وجنسی بے راہ روی پھیلانے کا ذمہ دار ہے۔ یہاں سی این این۔ اے بی سی اور بی بی سی سمیت سو سے زیادہ چینل ہیں۔ سی بی ایس ڈراموں اور اشتہارت کے لئے شہرت رکھتا ہے۔ این بی سی کا چینل پرانی فلمیں فرمائش پر دکھاتا ہے۔ ایل بی ایس چینل کا کام اشتہارات بک کرنا ہے۔ چینل بی او ہے جو بہت پسند کیا جاتا ہے۔ اس کے دو چینل 22 اور 52 ہیں جن کے لئے 10 ڈالر یومیہ ادا کرنے پڑتے ہیں۔ اس کے خریدار عام طور پر ہوٹل والے ہوتے ہیں۔ ایم ٹی وی چینل صرف گانوں اور وی ایچ آئی چینل صرف ناچ اور راک اینڈ رول کے لئے شہرت رکھتا ہے ایچ بی او صرف بالغوں کے پروگرام پیش کرتا ہے۔ اگرچہ اسے دیکھنے والے عموماً نابالغ ہی ہوتے ہیں۔ اس میں کسی قسم کا پردہ حجاب نہیں ہوتا اور کھلی فحاشی دکھائی جاتی ہے۔ عموماً بچے جو شام کو پڑھائی کی غرض سے اپنے کمروں میں چلے جاتے ہیں رات کو چھپ کر یہ پروگرام دیکھا کرتے ہیں۔

ٹیلی ویژن کاروبار نجی سطح پر آکاس بیل کی طرح پھیلا ہوا ہے۔ جو چاہے اپنا نیٹ ورک قائم کر کے جس قسم کا پروگرام چاہے نشر کرنے کا لائسنس لے کر معاشرے میں ہر قسم کی گندگی پھیلا سکتا ہے۔ مفت سرکاری پروگرام پیش کرنے والے بمشکل آٹھ دس چینل ہونگے۔ باقی سارے چینل جن کی تعداد مختلف ریاستوں میں سینکڑوں تک ہوتی ہے اپنی مرضی کے پروگرام پیش کرتے ہیں۔ یہ چینل کیبل کے ذریعے پیش کئے جاتے ہیں۔ مختلف کمپنیوں کے مختلف ریٹ ہوتے ہیں۔ عام طور پر 40 سے 60 ڈالر ماہانہ کرایہ ہوتا ہے متعلقہ کمپنی والے آ کر کیبل اور ریسیونگ سیٹ دے جاتے ہیں جس کے بعد آپ کے ٹی وی پر ان کے پروگرام آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ 96 چینل ہر (نیویارک میں) عریاں وسپورٹس کی فلموں کے اشتہارت دکھائے جاتے ہیں۔ ہر فلم کا تین چار ڈالر سے 20 ڈالر تک معاوضہ ہوتا ہے عام طور پر سپورٹس کی فلمیں بہت مہنگی اور پلے بوائے۔ پلے گرل۔ GAY یا لزبین کے بارے میں گندی اور جنسی فلمیں تین چار ڈالر میں دکھا دیتے ہیں۔ چینل نمبر 95 پر فلمیں ہوتی رہتی ہیں جن میں ریپ کے مناظر اور بوس وکنار عام دکھاتے ہیں ایک چینل 48 ہے جس میں سپینش ڈانس کلب سے ڈائیرکٹ شو پیش کئے جاتے ہیں۔ تقریباً ہر چینل 24 گھنٹے چلتا ہے اور سارا وقت جنسی قید و بند سے آزاد پروگرام دکھائے جاتے رہتے ہیں۔ گھروں کے اندر، گھروں سے باہر، ہوٹلوں، کلبوں، پارکوں، تفریح

گاہوں اور سمندر کے ساحلوں پر ہر جگہ معاشرہ اسی کام پر لگا نظر آتا ہے۔ باقی جو کسر رہ جاتی ہے وہ الیکٹرانک میڈیا پوری کر دیتا ہے۔

کچھ چینل بیشک مذہبی (مسیحی) اور تعلیمی ہیں۔ کم وبیش بیس ٹی وی شو ایسے ہوتے ہیں جن میں امریکی معاشرے میں پائی جانے والی اچھی و بری باتوں کو پیش کیا جاتا ہے۔ کچھ سنجیدہ اور شائستہ پروگرام بھی پیش کئے جاتے ہیں جن میں میڈیکل ونفسیاتی مشورے دیئے جاتے ہیں۔

ازدواجی زندگی کے بارے میں پروگرام بھی پیش ہوتے رہتے ہیں جن کو بڑی حد تک جنسی پروگرام ہی کہا جا سکتا ہے۔ ان میں لڑکیاں اور ان کے سابق محبوب پیش کئے جاتے ہیں وہ ایک دوسرے سے گلے کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اس نے مجھے کیوں یا میں نے اسے کیوں چھوڑا۔ لڑکیاں ان پروگراموں میں بتاتی ہیں کہ وہ 14'15 سال کی عمر میں سولہ سترہ لڑکوں سے مجامعت کر چکی ہیں۔ ہر لڑکی بڑے فخر سے اپنے سیاہ کارنامے بیان کرتی ہے۔ بعض لڑکیاں گلے کرتی ہیں کہ ان کے عاشق لڑکوں کو ان کی ماؤں نے اچک لیا۔ لزبین (LISBIAN) پروگراموں میں لڑکیوں سے پوچھا جاتا ہے کہ وہ جنسی تسکین کے لئے کون کون سے طریقے اپناتی ہیں۔ اور وہ اس کا عملا مظاہرہ بھی کرتی ہیں لڑکیاں کھلے عام اعتراف کرتی ہیں کہ انہوں نے 18 سال بلوغت کی عمر کو پہنچنے سے پہلے کتنے لڑکوں سے صحبت کی لیکن ان کے خلاف کبھی قانون حرکت میں نہیں آتا حالانکہ 18 سال سے کم عمر کی لڑکی کا جنسی عمل میں مبتلا ہونا قانونا قابل گرفت ہے۔

نیویارک ٹیلی ویژن پر ایک اور بہت گندہ پروگرام سالہا سال سے ہو رہا ہے۔ یہ رات دس بجے شروع ہوتا ہے اور اس کا مکروہ شکل وصورت کا کمپیئر مہذب معاشرے کی دھجیاں اڑا کے رکھ دیتا ہے اسے (HOW ARD STERN SHOW) کہتے ہیں اور اسے تفریحی پروگرام کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ چینل نمبر 44 (کیبل) پر ہوتا ہے سابق صدر ریگن نے بارہا کھلے بندوں کہا کہ اس غلیظ پروگرام کو بند کر دیا اور اس کے کمپیئر کو جیل میں ڈال دینا چاہیے لیکن صدر کی مخالفت کے باوجود یہ پروگرام جاری رہا اس لئے کہ ناظرین نے اسے جاری رکھنے کے حق میں رائے دی یہ غلیظ پروگرام قطعا اس قابل نہیں کہ اشارتا ذکر بھی کیا جائے۔

معاشرے کو غلیظ تر کرنے کی اس ''قومی'' مہم میں سکولوں میں پانچویں اور چھٹی جماعت سے جنسی مخلوط تعلیم سونے پر سہاگہ کا کام کر رہی ہے۔ بیشتر سکولوں میں اساتذہ' استانیاں' اور تعلیمی اداروں کے سربراہ چائلڈ ابیوز (CHILD ABUSE) میں ملوث ہوتے ہیں۔ اور غیر قانونی طور پر جنسیات کی عملا تربیت دینے کے لئے شاور شو جیسے پروگراموں یا اوائل عمر میں ہی جنسی عمل کی ریہرسل کراتے ہیں ان چیزوں کو دیکھتے ہوئے جی ڈرا ہے کہ کہیں امریکہ خدا کے عذاب کا شکار نہ ہو جائے جس کا اس نے انتباہ کیا ہے۔ چینل نمبر 48 پر ٹمپنسی کی ناش ویل سٹی سے کنٹری پروگرام کے تحت ڈانس کلب سے سپینش رقص پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ پروگرام ہر رات

10:30 بجے کے بعد ہوتا ہے۔

چند چینل اچھے بھی ہیں مثلاً 16 علمی چینل اور 36 چینل دن کے وقت لرننگ اور کھانے پکانے (فوڈ) کی ترکیبیں بتائی جاتی ہیں۔ ایک چینل ڈسکوری سائنس کی جدید ایجادات۔ مہم جوئی اور آثار قدیمہ کی دریافت کے موضوعات پر فلمیں دکھاتا ہے۔ ایک دوسرا چینل ٹریول ہے جو سیر و سیاحت سے متعلق دنیا کے قابل دید مقامات کی فلمیں پیش کرتا ہے۔ امریکہ میں عوامی سطح پر خاصا پسند کیا جانے والا ڈیوڈ لیٹر مین شو ہے۔ جس میں عام طور پر شوبزنس سے متعلق شخصیات اور نوجوان لڑکے لڑکیوں کو پیش کیا جاتا ہے۔ یہ مین ہٹن پر سے براہ راست ہوتا ہے اور اس میں شرکت کے لئے موقع پر موجود نوجوانوں ہی کو منتخب کیا جاتا ہے۔ لوگ اس شو کو بڑی دلچسپی سے دیکھتے ہیں لیکن اس میں عریانیت بدرجہ اتم موجود ہوتی ہے۔ پچھلے دنوں اس میں شوبزنس کی ایک مشہور اداکارہ نے شو کے دوران اپنی قمیض اتار کر خود کو عریاں کر دیا۔ اس پروگرام کا موضوع بھی مرد۔ عورت کے جنسی مسائل ہوتے ہیں۔ اب سنا ہے کہ پرائیویٹ سطح پر چینلوں کی تعداد میں بہت اضافہ ہو رہا ہے۔ صرف لاس اینجلس میں پانچ سو نئے چینل قائم کئے جا رہے ہیں۔ ایسے ہر چینل کے اشتہارات سے کروڑوں ڈالر کی آمدن ہوتی ہے۔

◆◆◆

جرائم اور امریکی پولیس

اس میں کوئی شک نہیں کہ امریکہ میں جرائم کی شرح تشویشناک حد تک زیادہ ہے اور دنیا میں سب سے زیادہ جرائم نیویارک شہر میں ہوتے ہیں۔ 1993 میں امریکہ میں 26 ہزار افراد قتل کئے گئے تھے۔ جبکہ 1994 میں یہ تعداد بڑھ کر 28 ہزار ہوگئی۔ پہلے صرف سیاہ فام باشندے جرائم میں ملوث ہوتے تھے اب چینیوں کی بڑی تعداد یہاں آباد ہوجانے کے بعد سے ان کی نوجوان نسل بھی جرائم پیشہ بن گئی ہے اور قتل وغارت اور لوٹ مار میں وہ بھی کسی سے پیچھے نہیں نیویارک' واشنگٹن' شکاگو اور دوسرے سیاہ فام آبادی والے شہروں میں ٹیکسی ڈرائیور عام طور پر ان رہزنوں کا نشانہ بنتے ہیں۔ جو مسافر بن کر ٹیکسیوں میں بیٹھتے ہیں اور پیچھے سے ڈرائیور کے سر میں گولی مار کر اس کو لوٹ کر چلتے بنتے ہیں۔ یہ لوگ بھیڑ بھاڑ میں بھی اپنا شکار تاک کر اس کی جیبیں خالی کرا لیتے ہیں۔ ماتھے پر یا سینے پر پستول رکھ دیں گے یا چاقو کی نوک گردن یا سینے پر چبھو کر جیبیں خالی کرنے کو کہیں گے۔ اگرچہ مین ہٹن' سب وے' پارکوں اور ویران سڑکوں پر پولیس ان کی تاک میں پھر رہی ہوتی ہے۔ لیکن یہ لوگ کم ہی پولیس کے ہتھے چڑھتے ہیں۔ سیاحوں سے ویڈیو' مووی کیمرے چھیننا' عورتوں میں پرس زیور اور قیمتی چیزیں اور گھڑی وغیرہ جھپٹ لینا یہ اپنا حق سمجھتے ہیں۔ جان ان کے نزدیک بے وقعت چیز ہے یہ وجہ ہے کہ نیویارک پولیس کی طرف سے سیاحوں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے پاس کم از کم دس ڈالر ضرور رکھیں کیونکہ لوٹنے والا تو اپنی جان کو داؤ پر لگا کر ہی کسی کو اپنی جیبیں خالی کرنے کو کہے گا اور اگر اس کی جیب سے کچھ بھی نہ نکلا تو ممکن ہے وہ طیش میں آ کر گولی مار کر فرار ہوجائے۔ ان لوگوں کا نشانہ عام طور پر غیر ملکی بلکہ زیادہ تر ایشیائی باشندے ہی بنتے ہیں۔

ایک دفعہ ہمارے ایک پاکستانی نوجوان نے بتایا کہ وہ بروکلین کے جس محلے میں رہتا تھا وہ کالوں کا علاقہ تھا اسے دفتر جاتے وقت روز ایک کالا راستے میں ملا کرتا۔ کچھ دن بعد اس پاکستانی نے سوچا یہ روز ملا کرتا ہے کیوں نہ اسے WISH کیا جائے ہرج ہی کیا ہے۔ تعلقات بنیں گے۔ چنانچہ اس نے پاس سے گذرتے وقت کالے کو خیر سگالی کے طور پر ''ہیلو ہاؤ ڈو یو ڈو'' کہہ دیا۔ کالے نے مسکراہٹ میں لپٹے ہوئے اس خیر سگالی کے جملے کو سنا اور اس کے بڑھے ہوئے قدم ایک دم رک گئے۔ اسے پتہ چل چکا تھا کہ یہ گورا چٹا نوجوان کوئی یورپی نہیں بلکہ ایشیائی ہے چنانچہ وہ پیچھے پلٹا اور خنجر اس کی گردن پر رکھ کر اسے جیبیں خالی کرنے کا حکم دیا۔ چار و ناچار بیچارے پاکستانی کو اس جذبہ خیر سگالی کی قیمت ادا کرنی پڑی۔

امریکہ میں ان رہزنوں کے ہاتھ سے مارے جانے والے زیادہ تر پاکستانی نوجوان اور وہ بھی پنجاب کے ٹیکسی ڈرائیور ہوتے ہیں بیچارے صرف اس لئے ان کے ہاتھ سے مارے جاتے ہیں کہ پنجابی ہونے کی وجہ سے وہ کالوں کی تڑی میں نہیں آتے اور نہتے ہونے کے باوجود کالے سے دست وگریباں ہوجاتے ہیں۔ جبکہ دوسرا خطرناک اسلحہ سے لیس ہوتا ہے۔ وہ مہلک وار کر کے یہ جا وہ جا۔ پولیس اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔

ویسے امریکی پولیس بڑی خوفناک چیز ہے۔ اس کی تربیت بہت سخت ہوتی ہے اور یہ پولیس سات آٹھ فٹ کا لمبا تڑنگا نہائت خوبصورت سرخ وسفید امریکی ہونے کے باوجود بڑا ظالم ہوتا ہے۔ اور سیاہ فام جرائم پیشہ لوگوں سے نبٹنا خوب جانتا ہے۔ کالے ان پولیس والوں سے بہت بچ کر چلتے ہیں وہ ان کی مار سے بڑے خوفزدہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کالوں کو موقع ملتا ہے وہ اپنے اس سب سے بڑے دشمن کو ضرور نشانہ بناتے ہیں۔ نیویارک میں ہر سال قتل ہونے والے پولیس والوں کی تعداد بھی سینکڑوں سے کم نہیں ہوتی۔ یہ کالے پولیس والوں کو چلتی گاڑیوں کے نیچے بھی دے دیتے ہیں اور صبح سویرے ڈیوٹی پر جاتے وقت یا رات کی تاریکی میں ان کو قتل کر کے اپنی آتش انتقام کو ٹھنڈا کرتے ہیں۔

تین چار سال پہلے لاس اینجلز کے سیاہ فام ٹیکسی ڈرائیور روڈنی کنگ کا واقعہ تو ابھی سب کے ذہنوں میں تازہ ہوگا۔ جب ٹریفک پولیس کے رکنے کے اشارے کی پروانہ کرتے ہوئے کنگ نے ٹیکسی دوڑا دی۔ اور بعد میں جب پولیس نے اسے جا پکڑا تو چار پولیس والوں نے مل کر اس کی اتنی پٹائی کی کہ اس کے کھنے سجا دیئے۔ اس سرعام واقعہ نے کالوں کو بہت مشتعل کیا اور جب انہوں نے دیکھا کہ عدالت نے چاروں پولیس والوں کو بری کر دیا ہے تو انہوں نے آگ بگولا ہو کر لاس اینجلز شہر کے ایک حصے کو لوٹ کر نذر آتش کر دیا۔

ان کے ساتھ انصاف کرنے کے لئے حکومت کو باقاعدہ جیوری بٹھا کر چاروں سفید فام پولیس والوں پر مقدمہ چلانا پڑا اور بال آخر نہ صرف ان کو برطرفی کی سزائیں دی گئیں بلکہ روڈنی کنگ ڈرائیور کو 38 لاکھ ڈالر معاوضہ بھی ادا کیا گیا۔

اس واقعہ کے بعد پولیس کالوں پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے کئی بار سوچتی ہے۔ پھر بھی جب کوئی جرائم پیشہ اس کے ہاتھ چڑھ جائے تو اتنی ٹھکائی کرتی ہے کہ دیکھنے والے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ یہ کالے نہ صرف قتل وغارت کے مرتکب ہی ہوتے ہیں بلکہ ڈرگ (منشیات) کے کالے دھندے میں سر سے پیر تک ڈوبے ہوئے ہیں۔ مین ہٹن کا بڑا علاقہ بیشتر سڑکیں اور چوک سرشام ان کے کنٹرول میں آجاتے ہیں اور یہ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی صورت میں جن میں عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں سرراہ ڈرگ بیچتے ہیں۔ ہوائی

اڈوں کے آس پاس بھی ان کے ایجنٹ بیرون ملک سے ہیروئن وغیرہ سمگل کرنے والوں سے ڈرگ خریدنے کے لیے موجود ہوتے ہیں۔ مین ہٹن اور بروکلین کی کئی بدنام سڑکیں ان کے مستقل ٹھکانے ہیں جہاں یہ ہر آنے جانے والی کار کو اشارے سے روکنے کی کوشش کرے ہیں اس جگہ پولیس ان کا تعاقب کرتی ہے اور یہ پولیس کو دیکھتے ہی ادھر ادھر ہو جاتے ہیں۔ اس جگہ کئی ڈرگ مافیا کام کرتے ہیں اور ہر گروپ دوسرے کو کاروبار سے بھگانے کے لئے خون خرابہ کرتا رہتا ہے۔

جرائم کی روک تھام کے لئے جہاں امریکہ میں سخت قوانین بنائے گئے ہیں وہاں شراب کی بوتل اور اسلحہ سر عام لے کر نہیں چل سکتے لوگوں سے اسلحہ رضا کارانہ طور پر واپس لینے کے لئے گن کے بدلے گفٹ سکیم بھی شروع کی گئی ہے چنانچہ بھوکے ننگے اور منشیات کو ترسے ہوئے کالے مقررہ دکانوں پر اپنا اسلحہ دے کر نقد رقم یا روزمرہ ضروریات کا سامان خریدنے کے لئے ٹوکن حاصل کر سکتے ہیں لیکن یہ سکیم کچھ زیادہ کامیاب نہیں ہو سکی۔ اب اسلحہ کے بدلے کمپیوٹر کی سکیم شروع کی گئی ہے۔

کچھ عرصہ پہلے تک تو مین ہٹن کی سڑکوں پر کالوں نے واردات کرنے کا ایک نیا طریقہ شروع کیا تھا وہ ریڈ لائٹ آتے ہی اشارے پر رکنے والی کار کا شیشہ صاف کرنے کے لئے پہنچ جاتے۔ ان کے ایک ہاتھ میں کپڑا اور دوسرے ہاتھ میں لوہے کا خوفناک راڈ ہوتا وہ ونڈ سکرین صاف کرتے وقت اس راڈ کو بھی مسلسل دکھاتے رہتے۔ پھر کار والے سے صرف ایک ڈالر کا مطالبہ کرتے اور اگر وہ ڈالر دیئے بغیر آگے چل پڑتا تو راڈ سے ونڈ سکرین توڑ دیتے۔ اس نقصان سے بچنے کے لئے عام لوگ ڈر کر ایک ڈالر دے دیتے۔ آخر پولیس نے ایسے لوگوں کو پکڑنا شروع کر دیا جن کے پاس یہ راڈ ہوتا۔ چنانچہ اب بھی یہ لوگ ونڈ سکرین صاف کرنے ضرور پہنچ جاتے ہیں مگر ان کے پاس راڈ نہیں ہوتا۔

اسلحہ کی تلاش میں پولیس کو کچھ غیر معمولی اختیارات بھی دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ ایک بار کوئنز کے علاقے میں ایک پاکستانی نوجوان اور اس کا بھائی کار پر جا رہے تھے کہ پولیس پارٹی کو کچھ شک گذرا۔ انہوں نے کار روکی۔ پوچھا ''اسلحہ وغیرہ؟''

جواب ملا۔ ''ہرگز نہیں۔''

پولیس کی تسلی نہ ہوئی۔ لڑکوں کو کار سے اتار کر سڑک پر کھڑا کر دیا اور خود دو پولیس کار کی تلاشی لینے کے لگے۔ ڈگی کھولتے ہی ان کی نظر ایک بندوق پر پڑی۔ اور اس کے ساتھ ہی دونوں پولیس والے ان دونوں نوجوانوں پر ٹوٹ پڑے۔ ٹھڈے مار مار کر انہیں سڑک پر گرا دیا اور گھونسوں اور تھپڑوں کی بارش کر دی۔ پھر دونوں کے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے۔ پٹائی اتنی زبردست اور اچانک تھی کہ دونوں بھائی اپنی صفائی میں ایک لفظ بھی نہ کہہ سکے۔ اس ناگہانی آفت سے بڑی مشکل سے سنبھلنے کے بعد انہوں نے اصل حقیقت

بتانے کی کوشش کی۔

''ہم نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔ یہ تو شکاری بندوق ہے۔ چڑیاں مارنے والی۔ چھرے دار۔ خراب تھی۔ ٹھیک کرانے لے جارہے تھے۔ اس سے انسان تو کیا کتا بھی نہیں مرسکتا۔''

اس اثنا میں ایک پولیس والا گن کا اچھی طرح جائزہ لے چکا تھا۔ دونوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو کسی قسم کی معذرت کئے بغیر ان کے ہاتھ کھول کر آگے چل دیئے۔ اس کے بعد دونوں بھائی کئی دن تک زخموں پر دوا لگاتے اور جبڑوں کو ٹکوریں کرتے رہے۔

ایک بار ہم لانگ آئی لینڈ سے سب وے کے ذریعے مین ہٹن جارہے تھے۔ دوران سفر ایک لمبا تڑنگا کالا ہاتھ میں شراب کی بوتل پکڑے کمپارٹمنٹ میں گھس آیا۔ اس کے سر کو خوب چڑھی ہوئی تھی۔ چنانچہ وہ ٹرین میں بیٹھے مسافروں کو مغلظات سنانے کے ساتھ ساتھ برابر دھمکیاں بھی دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اگر اسے سب نے ایک ایک ڈالر نہ دیا تو وہ شراب کی بوتل ان کے سروں پر توڑ دے گا۔ ہم اور ہمارے پیچھے بہت سے دوسرے شریف لوگ اور لڑکیاں کمپارٹمنٹ چھوڑ کر دوسرے میں چلے آئے۔

اتنے میں کالا شرابی وہاں بھی آدھمکا۔ ہم سب لوگ پھر گھبرا گئے۔ لگتا تھا اب وہ ضرور کسی نہ کسی کے سر پر بوتل توڑ دے گا۔ اتنے میں ٹرین رک گئی۔ ٹرین گارڈ نے دروازے بند رکھے ورنہ عام طور پر ٹرین رکتے ہی دروازے خود بخود کھل جاتے ہیں۔ اگلے ہی لمحے ٹرین دو پولیس والے پستول تانے داخل ہوئے اور انہوں نے شرابی کو اپنی مضبوط گرفت میں لیتے ہی اس کے ہاتھ سے بوتل چھین لی اس کے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر تلاشی لی۔ ٹرین کا دروازہ کھلا اور یہ پولیس والے اس کو لے کر نیچے اتر گئے۔ گارڈ نے مسافروں کی سلامتی کے لئے کمیونیکیشن سسٹم کے ذریعے پولیس کو طلب کرلیا تھا۔

شہریوں اور سیاحوں کو بچانے کے لئے نیویارک میں مستعد پولیس ہمہ وقت موجود رہتی ہے اور ذرا سی شکایت پر حرکت میں آجاتی ہے۔ بیشتر لوگ عام طور پر کالوں کے ہاتھوں لٹ جانے کے باوجود پولیس کو اطلاع دے کر انہیں پکڑوانے سے گریز کرتے ہیں چونکہ ڈرتے ہیں کالے پھر کہیں ٹکر گئے تو جان لئے بغیر نہ چھوڑیں گے۔ نیویارک کے علاوہ کئی دوسرے شہروں میں کالے جرائم پیشہ لوگوں سے سیاحوں کو بچانے کے لئے ریڈ کیپ گارڈ (رضا کار) بھی سڑکوں پر پھرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ پرخطر علاقوں میں خصوصاً ڈاؤن ٹاؤن میں جہاں کالوں کی وارداتوں کا زیادہ امکان ہوتا ہے فٹ پاتھ پر یا بس سٹاپس پر موجود رہتے ہیں اور سیاحوں کو کالوں سے بچاتے ہیں یہ امریکی سفید فام نوجوان ہوتے ہیں جو آتے جاتے سیاحوں کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ کوئی خوف محسوس نہ کریں۔ یہ لوگ ان کی حفاظت کے لئے موجود ہیں۔

یہ کالے راہزن اور پیشہ ور وارداتیے عام طور پر سیاحوں ہی کو نشانہ بناتے ہیں سیاح سیر و تفریح کے لئے جو کاریں رینٹ کرتے

ہیں پہلے ان کی مخصوص نمبر پلیٹ ہوا کرتی تھی جس سے واردات کرنے والے کو پتہ لگ جاتا تھا کہ یہ غیر ملکی ہے۔ چنانچہ حفاظت کے خیال سے اب حکومت نے رینٹ کی جانے والی کاروں پر مخصوص نمبر پلیٹ ختم کر دی ہے۔ اب ان پر ایسی کوئی علامت نہیں ہوتی جن سے کالوں کو پتہ چل سکے کہ یہ ان کا شکار بن سکتا ہے۔

◆◆◆

روزگار کے متلاشی

امریکہ کی 18 فیصد آبادی میں اس وقت دو کروڑ 20 لاکھ غیر ملکی ہیں۔ جو کل آبادی کا 8 فیصد ہیں۔ امریکہ میں ہر سال دوسرے ملکوں سے 5 لاکھ افراد کو قانونی طور پر آباد کیا جاتا ہے جبکہ اتنے ہی غیر ملکی ہر سال غیر قانونی طور پر یہاں آ کر آباد ہو جاتے ہیں۔ لاٹری کے ذریعے ہر سال 40 ہزار غیر ملکیوں کو بھی رہائش کے اجازت نامے جاری کئے جاتے ہیں۔

امریکہ کو LAND OF OPPORTIUNITIES کہا جاتا ہے۔ یہاں دنیا بھر سے لوگ اپنی کشتیاں جلا کر مقدر آزمانے آتے ہیں اور چونکہ ابھی تک روزگار کے متلاشیوں کے خلاف مقامی لوگوں کا تعصب بہت زیادہ نہیں بڑھا اس لئے ہر کسی کو تھوڑی سی جدوجہد کے بعد روزگار میسر آ جاتا ہے۔ پاکستان' بنگلہ دیش' ہندوستان اور کچھ دوسرے پسماندہ ملکوں کے لوگ جنہیں کوئی خاص فنی مہارت حاصل نہیں یہاں عام طور پر گیس (پٹرول) سٹیشنوں پر ملازمت کر لیتے ہیں۔ سپین' نگارا' گوا اور کئی دوسرے ملکوں کے لوگ بکثرت آباد ہیں۔ سپین کے لوگوں کا ملازمتوں میں تناسب 40 فیصد تک ہے۔ زیادہ تر غیر ملکی کاروباری اداروں اور دکانوں میں نوکریاں کر لیتے ہیں جہاں انہیں دکانوں کے اندر جھاڑو دینے سے لے کر سیلز مین تک تمام کام کرنے پڑتے ہیں۔ سٹوڈنٹس کو قانون کی رو سے جز وقتی جاب مل جاتے ہیں اور یہ فارغ اوقات میں چار گھنٹے سروس کر کے اپنے کسی قدر اخراجات پورے کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ سرکاری منصوبوں اور دفاتر میں غیر قانونی طور پر آئے ہوئے لوگوں کو یا وزٹ ویزا پر آنے والوں کو ملازمتیں نہیں مل سکتیں۔ چنانچہ ملازمت کے ایسے خواہشمند افراد خوب استحصال کا شکار ہوتے ہیں اور آٹھ ڈالر فی گھنٹہ کے غیر ہنر مند کارکن کی اجرت کی بجائے انہیں دو تین ڈالر پر ہی ٹرخا دیا جاتا ہے۔ بہت سے پاکستانی' ہندوستانی اور سکھ یہاں اپنی اپنی آبادیوں میں چھوٹی موٹی دکانیں کھول کر بیٹھ جاتے ہیں پاکستانی زیادہ تر ہوٹل اور مٹھائی کا کاروبار کرتے ہیں۔ بنگالی مسلمان مچھلی' گوشت' مرغی' انڈے اور ہوٹلوں کا بزنس کرتے ہیں اور ہندو سکھ سرمایہ دار کپڑوں ساڑھیوں یا الیکٹرانکس کے سامان کی بڑی بڑی دکانیں کر رہے ہیں۔ ہم نے جیکسن ہائٹس (نیویارک) میں ایک پاکستانی کی دکان سے 16 ڈالر فی پونڈ کے حساب سے برفی اور جلیبیاں خریدیں۔ ایک دوسری دکان سے سموسے ایک ڈالر میں دو کے حساب سے خریدے جو خاصے بدمزہ تھے پکوڑوں کی دکانیں بھی ہیں۔ اور تو اور اس علاقے میں پان شاپس بھی ہیں۔

پورے امریکہ کی طرح جیکسن ہائٹس میں اشیا کی کوئی قیمت مقرر نہیں۔ آزاد معیشت اور آزاد منڈی میں قیمتیں خود بخود طے ہوتی ہیں۔ ایک چیز جو ایک دکاندار ایک ڈالر میں دے رہا ہے دوسرا اسی کے دو ڈالر مانگے گا۔ ایک پاکستانی دکاندار نے ہم سے چھوٹی قالین کے 32 ڈالر مانگے۔ ہمارے منہ سے 20 ڈالر نکل گیا اس نے فوراً یہ قیمت منظور کر لی۔ اس طرح ایک سکھ دوشیزہ نے ہمارے ہاتھ ایک دستی سیونگ مشین 32 ڈالر میں بیچی۔ بعد میں پتہ چلا کہ اس کی تو قیمت 22 ڈالر ہے۔

پاکستانیوں کی طرح ہندو اور سکھ دکاندار بھی گاہکوں کی خوب کھال اتارتے ہیں دوسرا ہر دکاندار چیز واپس لینے میں کبھی پس و پیش نہیں کرے گا لیکن ہمارے بھائی بند سودا ناپسند آنے پر کبھی واپس لینے پر تیار نہ ہوں گے اور سو سو عذر پیش کریں گے۔

◆◆◆

غربت اور بے گھری

امریکہ میں آنے والا سیاح بلاشبہ سب سے پہلے یہاں کی پرشکوہ مادی ترقی' سائنس اور انجینئرنگ کے حیرت گم کر دینے والے معجزوں اور بے انتہا خوبصورت قدرتی مناظر سے متاثر ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ہی وہ یہاں دولت کی ریل پیل اور فراخدلی کا بھی نوٹس لئے بغیر متاثر نہیں رہتا۔ یہاں صرف نیویارک کے علاقہ مین ہٹن میں اتنے بڑے بڑے دولت مند آباد ہیں کہ دنیا کے کسی حصے میں اتنے نہ ہونگے۔ یہاں ایسے لاکھوں دولت مند ہیں جنہیں اپنی دولت کا اندازہ ہی نہیں۔ ارب پتی ہی نہیں ایک ایک شخص کھربوں پتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی دوسری چیز جو سب سے زیادہ چونکا دیتی ہے وہ یہاں کے لوگوں کی غربت ہے۔ ایسے ہزاروں لوگ جو شہر' علاقوں کی سڑکوں' پارکوں اور سب وے سٹیشنوں کے پلیٹ فارموں اور سڑھیوں پر پڑے ملیں گے جن کے پاس سر چھپانے کو مکان نہیں اور جو پیٹ کی آگ بھرنے کے لئے بھیک مانگنے پر مجبور ہیں۔ مین ہٹن عالیشان عمارتوں کے سائے میں اور کروڑ پتی لوگوں کی فرموں کے آگے فٹ پاتھوں پر یہ غریب لوگ اپنے سامنے ہیٹ یا کپڑا پھیلا کر مانگتے عام نظر آتے ہیں۔ مین ہٹن سے ملحقہ کالوں کا علاقہ بروکلین زیادہ تر غریب اور نشے کے عادی لوگوں اور ان کے تنگ مکانوں پر مشتمل ہے۔ ایک ایک گھر میں بیس بیس فرد تنگ و تاریک کمروں میں رہ رہے ہیں۔ ان میں سے بیشتر کا گذارہ سوشل سیکورٹی والوں کے دیئے ہوئے الاؤنسوں پر ہوتا ہے جو یہ لوگ بے روزگار ہونے کے بہانے حاصل کرتے ہیں ویسے ان لوگوں کا اصل پیشہ لوٹ مار اور قتل و غارت ہوتا ہے۔ پولیس والے اگر ان کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں تو انہیں بھی یہ نہیں بخشتے بلکہ سب سے پہلے ان کا کام تمام کرتے ہیں۔

امریکہ میں گذشتہ کئی سالوں سے معیشت تباہ ہو رہی ہے۔ سود کی شرح بڑھتی جا رہی ہے حکومت کے ٹیکس زیادہ اور سہولتیں کم ہوتی جا رہی ہیں۔ دو سال پہلے نیویارک کے سیاہ فام میئر ڈنکن کو صرف اس لئے شکست کا سامنا کرنا پڑا کہ اس نے بجٹ کم کرنے کے لئے لائبریریاں بند کرنے اور شہریوں کے گھروں کے سامنے سے کوڑے کے ڈرم خالی کرنے پر بھی ٹیکس لگانے کا فیصلہ کیا تھا غربت یہاں صرف سیاہ فاموں کا مقدر ہی نہیں سفید فام بھی غریب ہیں۔ میں نے خود کئی سفید فام بوڑھے امریکیوں کو سنٹرل پارک میں کوڑے والے ڈرموں سے ڈبل روٹیوں کے ٹکڑے نکال کر کھاتے دیکھا۔ ان کے جسموں پر چیتھڑے لٹک رہے تھے اور کوئی انسانی ہمدردی کا دعوے دار سردی سے بچانے کے لئے ان کی مدد کو نہیں آتا تھا۔

امریکہ میں خاص طور پر نیو یارک جیسے شہر میں بیکریوں اور ہوٹلوں' کھانے پینے کی دکانوں پر یہ پابندی ہے کہ وہ کھانے کی کوئی چیز دوسرے دن اپنی دکانوں پر فروخت نہیں کریں گے۔ ایسی ہر چیز 24 گھنٹے بعد انہیں کوڑے والے ڈرموں میں پھینک دینا پڑتی ہے خواہ خراب بھی نہ ہوئی ہو۔ چنانچہ منوں کے حساب سے ضائع ہونے والی اس انسانی خوراک کا کچھ ایسے غریب امریکیوں کا پیٹ بھرنے کے کام آجاتا ہے۔ اگر یہ قانون نہ ہوتا تو نہ جانے ہر روز کتنے غریب امریکی فاقوں سے مرا کرتے۔

امریکیوں کی غربت کا سب سے بڑا سبب سیاہ فام لوگوں کے نشے کی عادت اور لوٹ مار اور قتل وغارت گری کو پیشہ بنا دینا ہے۔ جرائم میں وہ اتنے تیز ہوتے ہیں کہ شاذ و نادر ہی پکڑے جاتے ہیں۔ ان کے کچھ نہ کرنے کی سزا ان کے بچوں کو ملتی ہے جو بجا طور پر ابتدائی ضروریات سے بھی محروم رہتے ہیں ایک امریکی قومی سروے کے مطابق امریکی بچوں کی ایک چوتھائی تعداد غربت میں گذر بسر کرنے پر مجبور ہے۔ یہ وہ بچے ہیں جن کی عمریں 6 سال سے کم ہیں یہ تعداد 87 میں دس لاکھ تھی جواب کہیں بڑھ چکی ہے۔ ان بچوں کے پانچ میں سے تین کے والدین مکمل یا جز وقتی طور پر برسر روزگار رہتے ہیں باقی لوگوں کو عوام کی رضا کار تنظیمیں یا حکومت کی سوشل سکیورٹی سروس نقد امداد فراہم کرتی ہے۔

ایڈز اور اس جیسی دوسری قبیح بیماریوں میں مبتلا 50 فیصد لوگ بے گھر پائے گئے ہیں۔ وفاقی کمیشن کے سروے کے مطابق سڑکوں پر رہنے والے 15 فیصد لوگ ایڈز کے مریض ہیں۔ حکومت کی کوشش کے باوجود ایسے لوگوں کو مکان دلانے میں کامیابی نہیں ہو سکی۔ کیونکہ کوئی شخص بھی انہیں مکان دینے پر تیار نہیں ہوتا حالانکہ قانون ایسے امتیازی سلوک کی اجازت نہیں دیتا۔ ایڈز کے 30 فیصد مریضوں کو علاج کے لئے ہسپتال میں داخل کر لیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں بھی یہ لوگ مکان کا کرایہ یا قسطیں ادا کرنے کے قابل نہیں ہوتے۔

امریکہ میں کبھی خوراک بڑی سستی ہوا کرتی تھی لیکن گزشتہ آٹھ دس برسوں میں یہ چیز بھی بہت گراں ہو چکی ہے۔ مکانات کے کرائے شہروں میں تو بہت ہی زیادہ ہیں۔ ریلوے اور بسوں کے علاوہ ہوائی جہاز اور ٹرانسپورٹ کے دیگر ذرائع بھی گراں خرچ ہیں۔ صرف پٹرول موجودہ حالات میں سستا نظر آتا ہے جو ایک ڈالر یا اس سے بھی کم میں ایک گیلن مل جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ امریکہ میں بڑی بڑی بھاری بھرکم اور لمبی گاڑیاں بکثرت نظر آتی ہیں حالانکہ یہ گاڑیاں پٹرول بہت کھاتی ہیں۔ ایک سال کے اندر پٹرول (گیس) کی قیمت میں بھی چالیس فیصد اضافہ ہو گیا ہے۔

مہنگائی کے اس چکر کی وجہ سے یہ ممکن نہیں کہ گھر کے صرف ایک یا دو شخص کمائیں اور باقی آرام سے کھائیں۔ یہاں تو ہر شخص کو حتی

کہ سکول جانے والے بچوں کو بھی دن میں کم از کم چار گھنٹے کسی نہ کسی ادارے میں نوکری کرنی پڑتی ہے۔ اور ہر ادارہ طالبعلموں کو جز وقتی ملازمت دینے کا قانوناً پابند ہوتا ہے۔

خاتون خانہ یعنی بچوں کی ماں عموماً ملازمت پیشہ ہوتی ہیں ان کی اضافی مصروفیت سے ان کے بچے خاصے متاثر ہوتے ہیں۔ ایک قومی کمیشن کے مطابق گریڈ سکول کے 8 فیصد بچے جب گھروں کو واپس آتے ہیں تو ان کی مائیں دفتروں میں گئی ہوتی ہیں۔ ایسی ماؤں کے 16 لاکھ بچے صرف نیویارک میں ہیں جو گھر پہنچتے ہیں تو ماں باپ کی شکل دیکھنے کو ترس جاتے ہیں لیکن بچوں کی کون پروا کرتا ہے۔ بہت کم بچے دے کیئر سنٹروں کے حوالے کئے جاتے ہیں۔ غرض امریکی معاشرے کا ایک افسوسناک پہلو یہ بھی ہے کہ یہاں بچے اس عمر میں جبکہ والدین کی توجہ کی بے حد ضرورت ہوتی ہے ان کی توجہ سے محروم رہتے ہیں۔

◆◆◆

مسلمانوں کی خوراک کا مسئلہ

پاکستان سے نیویارک یا امریکہ کے دوسرے شہروں میں جانے والوں کے لئے حلال خوراک کا حصول بہت بڑا مسئلہ ہے۔ عام امریکی ہوٹلوں میں ان کی خوراک نہیں ملتی۔ سب جگہوں پر پورک (سور) اور اسکی چربی میں پکی ہوئی غذائیں دستیاب ہیں۔ یا پھر جھٹکے کا گوشت (بیف) میسر آتا ہے۔ مرغی بھی جھٹکے کی ہوتی ہے۔ بس ایک مچھلی ایسی غذا ہے جسے ہم مسلمان کسی وہم اور خوف وخطر کے بغیر کھا سکتے ہیں۔ پاکستانی' بنگالی' ہندوستانی یا ترک وعرب ہوٹل ملتے تو ہیں مگر بہت فاصلوں پر اور مخصوص علاقوں میں۔ پھر یہ ہوٹل کمیاب ہونے کی وجہ سے اور مسلمان سیاحوں کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر قیمتیں بھی بہت زیادہ وصول کرتے ہیں۔

عام طور پر ہر وقت اور ہر جگہ دستیاب خوراک برگر ہے۔ جو میکڈانلڈ' برگر کنگ' وینڈی' پنڈوریسہ جیسے مشہور عالم ہوٹلوں میں فاسٹ فوڈ کے طور پر دستیاب ہوتے ہیں۔ ان سرراہے ہوٹلوں میں بھی ہاٹ ڈاگ اور دوسری شکلوں میں پورک وغیرہ سرو جاتے ہیں۔ اس لئے آرڈر دینے سے پہلے کاؤنٹر کے اوپر لگے ہوئے بورڈوں پر تفصیلات کا ضرور مطالعہ کر لینا چاہیے میکڈانلڈ اور اسی جیسے دوسرے ہوٹلوں میں عام طور پر ہر نوجوان شخص ایک ڈالر سے تین ڈالر تک میں پیٹ بھر کر کھانا کھا سکتا ہے۔ ان میں مختلف اقسام کے برگر مثلاً چکن برگر' فش برگر' سلاد برگر' ایگ برگر' بیف برگر' (جھٹکا گوشت) کرسینٹ وغیرہ تیار کئے جاتے ہیں۔ ڈینش ایک میٹھی ڈش ہوتی ہے۔ کومنوا ایک ایسا برگر ہوتا ہے جس میں اوپر نیچے کئی تہوں میں سلاد' انڈے کا آملیٹ' بیف کی دو تہیں وغیرہ ہوتی ہیں۔ ان کے ساتھ عام طور پر فرنچ فرائز (لمبے کٹے ہوئے چپس (مفت ملتے ہیں جبکہ سافٹ ڈرنگ مثلاً کوک وغیرہ آپ کو خریدنے پڑتے ہیں پاکستانی مسلمان عام حالات میں انہی برگروں پر گذارہ کرتے ہیں۔ بیشتر لوگ بیف بھی نہیں کھاتے کیونکہ یہ حلال نہیں ہوتا۔ یہاں کھانے کے ساتھ پانی نہیں پیا جاتا اور اگر کوئی پانی مانگے تو لوگوں کو بڑی حیرت ہوتی ہے۔

بعض جگہوں پر ترکوں کے بھی ہوٹل ہیں (مثلاً علی بابا ہوٹل) ان میں مسلمانوں کو اچھے اور لذیذ کھانے مل جاتے ہیں۔

پنڈوریسہ اور بعض دوسرے سرراہے ہوٹلوں میں برگر وغیرہ کا آرڈر دیں اور سلاد جتنی چاہیں کھالیں۔ یہ سلاد تقریباً 72 قسم کی ہوتی ہے جس میں سیب' آڑو' کیلے' سٹرابری' اور مٹھائی سب ہی کچھ ہوتا ہے۔ بعض واقف لوگ تھوڑا سا آرڈر دے کر باقی پیٹ مفت کی سلاد سے بھر لیتے ہیں لیکن ایسے ہوٹلوں میں ایک کھانے کا بل تین چار ڈالر نہیں بلکہ نو دس ڈالر آتا ہے۔

ان سے سے زیادہ اچھی اور مزیدار بات یہ ہے کہ کسی اطالوی ہوٹل میں چلے جائیں اور پیزا (PIZA) کا آرڈر دیں۔ پندرہ بیس منٹ میں ایک بہت بڑا روٹی نما پیزا گرما گرم تیار ہو کر آ جائے گا۔ عام طور پر یہ اطالوی سٹوڈنٹ (ملازم) لڑکیاں تیار کرتی ہیں۔ یہ تیار کرنے کے لئے خمیرے میدے کا بڑا سا پراٹھا بنا کر اس کے اوپر پنیر' سلاد اور نہ جانے کیا کیا چیزیں لگائی جاتی ہیں۔ جس کو چھری کانٹے سے کاٹ کاٹ کر کھایا جاتا ہے۔ کسی سالن وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایک بہت بڑا پیزا عام طور پر 20 ڈالر کا درمیانے سائز کا دس ڈالر کا اور چھوٹا پیزا چار پانچ ڈالر کا مل جاتا ہے۔ بعض ہوٹل والے بل وصول کرتے وقت ایک یا دو کوپن دے دیتے ہیں جو آئندہ خریداری میں استعمال ہو سکتے ہیں اور یوں ''بائی ون گیٹ ون فری'' والی بات ہو جاتی ہے یہ اتنی مزیدار چیز ہے کہ ہفتوں کھانے سے بھی انسان بور نہیں ہوتا۔ لیکن ضروری نہیں کہ ہر ہوٹل والا پیزا تیار کرنے میں بھی ماہر ہو۔ پیزا تیار کرنے والے ہوٹل بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ مثلاً ڈومینو پیزا' پیزا سپیٹا وغیرہ لیکن سب سے مزیدار اور اچھا پیزا ''پیزا ہٹ'' والے تیار کرتے ہیں یہ خیال رہے کہ پیزا کے اوپر چیزیں چٹخارے کے لئے ٹاپنگ کے طور پر ایلوینیو' پیرونی اور مشروم وغیرہ لگائے جاتے ہیں۔ پیرونی پورک ہوتا ہے لہٰذا پیزا بنوانے سے پہلے خاص طور پر منع کر دیں کہ یہ چیز نہیں لگانی۔

یہودی بھی مسلمانوں کی طرح جانور ذبح کر کے کھاتے ہیں۔ ان کے ذبح کو کوشر کہا جاتا ہے اور یہ مسلمانوں کے لئے حلال اور جائز ہے۔ یہ گراسری کی دکانوں سے پیکٹوں میں بند گوشت کی صورت میں بھی مل جاتا ہے اور یہودی ہوٹلوں میں کوشر پکے ہوئے کھانے بھی دستیاب ہوتے ہیں۔

نیویارک میں ترکوں کے علاوہ عربوں کے ہوٹل بھی ہیں۔ ترکی ریستوران بڑی تعداد میں ملتے ہیں جن کے ڈوبر کباب۔ اس کے علاوہ سکے ہوئے قیمے کے ٹکڑوں کو دہی اور روٹی کے ٹکڑوں میں ملا کر سموسے کی طرح کسی چیز میں بھر کر بھی پیش کیا جاتا ہے۔ پیاز' چٹنی اور سلاد سے بھی تواضع کی جاتی ہے اور کوفتے بھی بہت مشہور ہیں۔

ٹپ..... پندرہ فیصد

نیویارک بلکہ غالباً پورے امریکہ میں (TIP) کا رواج عام ہے۔ جبکہ سنا ہے کہ فرانس جیسے ملک میں ٹپ قانوناً ممنوع ہے۔ امریکہ میں ٹپ کو جائز حیثیت دے دی گئی ہے۔ اور 15 فیصد عام طور پر ضرور دی جاتی ہے کم دیں تو لینے والا بالکل اصرار نہیں کرتا۔ نہ دیں تب بھی محسوس کیا جاتا ہے لیکن مجبور نہیں کیا جاتا۔ ٹیکسی میں بیٹھیں' گائڈڈ ٹور پر جائیں' ہوٹل میں کھانا کھائیں یا کمروں میں رہیں۔ یا کوئی اور سروس ہو۔ ہر جگہ ٹپ دینا پڑتا ہے۔ ہوٹلوں' ریستورانوں اور سروس کی جگہوں پر عام طور پر لوگ سروس کرنے والے

کو دیکھ کر ٹپ دیتے ہیں۔ خوبصورت خوش اخلاق لڑکوں کو نوجوان دل کھول کر ٹپ دیتے ہیں چنانچہ جب وہ دوبارہ جاتے ہیں تو ان کا ''اوپن آرمز'' استقبال کیا جاتا ہے۔ بوڑھی عورتوں کو عموماً لوگ محض ترس کے جذبے سے زیادہ ٹپ دے دیتے ہیں۔ باقی رہے سیاہ فام سروس کرنے والے تو انہیں واجبی سا ہی ٹپ ملتا ہے۔

عموماً ہوٹل والے اپنے سیاح گاہکوں کے لئے فری ٹرانسپورٹ سروس مہیا کرتے ہیں لیکن اس میں بھی ڈرائیور کی سیٹ کے اوپر بڑے نمایاں طور پر لکھا ہوتا ہے۔ TIPS ARE APPRECIATED چنانچہ اترتے وقت ہر شخص ٹپ دے کر جاتا ہے۔ ٹپ لے کر ہمارے لوگوں کی طرح ناقدری کا اظہار نہیں کیا جاتا بلکہ بڑے ادب سے جھک کر شکریہ کیا جاتا ہے۔

امریکہ میں THANK YOU کا استعمال بکثرت ہوتا ہے اور راستہ دینا یا لینا ہو تو EXCUSE ME PLEASE کہہ دینا کافی ہے۔ کوئی معمولی سی بھی اخلاقی مدد کرے تو (APPRECIATE YOUR HELP) کہہ کر اظہار ممنونیت کیا جاتا ہے۔ امریکی قانون کی رو سے ہر دکان یا فرم پر لازم ہے کہ طالب علم لڑکے لڑکیوں کو دن میں چار گھنٹے کا جز وقتی جاب ضرور دے۔ چنانچہ عموماً سہ پہر 4 سے 8 بجے شام تک طلبا کو جاب کی سہولت حاصل ہوتی ہے۔ ان کی اجرت بھی عام آدمی کی اجرت کی طرح 8 ڈالر فی گھنٹہ ہوتی ہے۔ بعض جگہوں پر ٹپ وغیرہ بھی مل جاتے ہیں۔ اس طرح ٹپ کا رواج غالباً انہی جز وقتی طلباء کے لئے شروع کیا گیا ہوگا۔

امریکہ میں کار چلاتے وقت کسی کو لفٹ دینے کی سختی سے ممانعت ہے اس کے باوجود بیشتر لوگ طلباء و طالبات کو اپنی کاروں میں لفٹ دے دیتے ہیں۔

◆◆◆

امریکہ میں اسلام

امریکہ میں اسلام کے بارے میں جاننے اور دوسرے مذاہب خصوصاً اسلام کا مطالعہ کرنے کی خواہش روز بروز بڑھ رہی ہے۔ دراصل مغربی ذرائع ابلاغ نے اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلانے اور سنسنی خیز خبریں اڑانے کا سلسلہ جب سے شروع کیا ہے اسلام کے بارے میں امریکیوں کا تجسس بہت بڑھ گیا ہے۔ جب کبھی مسلمانوں اور مسلم ثقافت کے بارے میں خبریں بڑھا چڑھا کر پیش کی جاتی ہیں اس کے فوراً ہی بعد امریکہ میں اسلام کے بارے میں کتابوں کی فروخت بہت بڑھ جاتی ہے۔ اور بڑی تعداد میں لوگ اسلامی مرکز کا دورہ کرنے لگ جاتے ہیں ذرائع ابلاغ کا اسلام کے بارے متعصبانہ رویہ ہی اسلام کے فروغ کا باعث بن رہا ہے۔ لوگ جب اس مذہب کے بارے میں سنسنی خیز خبریں سننے کے بعد اس کا قریب سے مطالعہ کرتے ہیں تو انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ یہ عام پروپگنڈے کے برعکس بہت خوشگوار اور قابل قبول مذہب ہے۔ اس طرح اسلام امریکہ میں سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب بن چکا ہے۔

امریکی شہروں میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ تیزی سے بڑھ رہی ہے اور ملک بھر میں مسلمانوں کے ادارے بڑی تعداد میں قائم ہو رہے ہیں۔ اس وقت امریکہ میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد 70 لاکھ سے زیادہ ہے 30 لاکھ امریکی باشندے عربی النسل ہیں۔ سارے ملک میں چھ سو سے زیادہ مساجد اور اسلامی مراکز ہیں۔ دو اسلامی کالج اور بے شمار اسلامی سکول کئی سو سکول صرف ہفتے کے آخری دنوں میں کھلتے ہیں۔ خواتین کی تنظیمیں' نوجوانوں کے گروپ' پیشہ ورانہ شہری تنظیمیں اس کے علاوہ ہیں امریکہ میں آباد مسلمانوں کی دوسری نسل زیادہ مطمئن ذہین اور اچھی مسلمان ہے۔ مسلم سکالروں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ مذہب سے رجوع اور واقفیت برابر بڑھ رہی ہے۔

آج کل امریکی اپنے خاندانی اقدار کے زوال سے بڑی پریشان ہے جبکہ اسلام اپنے نظام اور مضبوط اخلاقی پیغام کے باعث اپنے اندر بڑی کشش رکھتا ہے اور معاشرے کی تشکیل نو کا عملی نمونہ پیش کرتا ہے۔

امریکی مسلمانوں کی سیاسی عمل کے ساتھ وابستگی بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ انہوں نے حال ہی میں کود کو سیاسی طور پر منظم کرنا شروع کر دیا ہے۔ ان کی کوشش سے امریکہ میں مسلمانوں کے حق میں شہری قوانین منظور کئے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کی تعطیلات کا اعلان

کثیر الاشاعت اخبارات میں اکثر اوقات کیا جاتا ہے۔ عید الفطر پر امریکی صدر پیغام خیر سگالی جاری کرتے ہیں ایک مسلمان کو حال ہی میں ٹیکساس ٹاؤن کا میئر منتخب کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس شہر میں صرف یہی ایک خاندان صرف مسلمانوں کا ہے۔ وہاں کے لوگوں نے اسے اس قابل سمجھا کہ اس پر اعتماد کیا اور اسے شہر میں سب سے زیادہ ووٹ ملے۔ دوسرے شہروں میں بھی مختلف سطحوں پر مسلمانوں کو ایسے امتیازات حاصل ہو رہے ہیں۔ دنیا بھر میں مذہب کی طرف رجحان کم ہو رہا ہے لیکن اس کے باوجود امریکہ کے مسلمان گھرانوں میں مذہب کی پابندی اور بچوں کی اسلامی معاشرتی اصولوں کے مطابق تربیت کا بڑا خیال رکھا جاتا ہے۔ اور یہاں کے مسلمان پاکستان کے عام مسلمان گھرانوں کی نسبت کہیں زیادہ پابند صوم وصلوٰۃ ہیں۔ یہ لوگ روزہ نماز اور دیگر دینی اجتماعات کا نہ صرف خاص خیال رکھتے ہیں بلکہ خصوصی اہتمام بھی کرتے ہیں اور ان کی بچیاں گھر سے باہر نکلتی ہیں تو سکارف سے لپیٹ کر اور سکولوں میں غیر اسلامی اقدار سے مکمل گریز کرتی ہیں۔

امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق 60 لاکھ ہے جبکہ سرکاری ذرائع نے یہ تعداد 40 لاکھ بتائی ہے۔ ان میں سے دس لاکھ مسلمان صرف نیویارک میں رہتے ہیں۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے ہیوی ویٹ باکسنگ چیمپئن محمد علی اور اس کے ساتھی مسلمان ہو چکے ہیں۔ امریکی باسکٹ ٹیم کے سپر سٹار کریم عبدالجبار جیسی افسانوی شخصیت بھی اسلام قبول کرنے والوں میں شامل ہے۔ ہر بڑے شہر میں مسلمانوں کی مساجد اور ان کے مرکز قائم ہو چکے ہیں۔ جن کی تعداد ایک ہزار ہے۔ اس وقت دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے تاہم یہ دین افریقہ اور ایشیا کی طرح امریکہ میں بھی تیزی سے پھیل رہا ہے۔ امریکہ میں 96 فیصد لوگ کوئی نہ کوئی مذہبی وابستگی رکھتے ہیں وہ کم وبیش 220 مسیحی فرقوں میں سے کسی نہ کسی سے وابستہ ہیں ان کی ایک تہائی تعداد رومن کیتھولک چرچ سے وابستہ ہے۔ جبکہ امریکہ میں بہت سے لوگ اب تیسرے بڑے مذہب کے بارے میں جاننے لگے ہیں جس کی جڑیں عقیدہ توحید میں پیوست ہیں۔

گذشتہ 30 سالوں میں مسلمان تارکین وطن کی آمد سے امریکہ میں اسلام سب سے تیز رفتار کے ساتھ پھیلنے والا مذہب بن چکا ہے۔ یہاں آباد دس لاکھ افریقی امریکی ایسے ہیں جنہوں نے تبدیلی مذہب کے بعد اسلام قبول کیا۔ اگر توسیع کی رفتار یہی رہی تو اسلام بہت جلد امریکہ کا دوسرے درجے کا بڑا مذہب بنجائے گا۔ امریکہ میں یہودیوں کی تعداد 55 لاکھ ہے اور خیال ہے کہ مسلمانوں کی تعداد اگر اس وقت اتنی نہیں تو بہت جلد ان سے بڑھ جائے گی۔ نیویارک شہر میں حال ہی میں آٹھ ہزار مربع میٹر رقبے پر ایک کروڑ چالیس لاکھ ڈالر سے ایک بڑی مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ واشنگٹن میں بھی مسلمانوں کی ایک بڑی مسجد تعمیر ہو رہی ہے جو بہت جلد کرائے کی

عمارت کی جگہ لے لے گی۔

امریکہ میں زیادہ تر مسلمان بچے پبلک سکولوں میں زیر تعلیم ہیں لیکن اسلام کے تیز رفتار پھیلاؤ کے پیش نظر سکولوں سے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ اسلامی اقدار اور اصولوں کی تعلیم و تدریس کا بھی انتظام کریں 50 سے زیادہ تعلیمی ادارے ایسے ہیں جن میں معیاری امریکی نصاب کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات پر مبنی اسباق بھی پڑھائے جاتے ہیں تاریخی نقطہ نظر سے شمالی امریکہ کے لئے اسلام نیا نہیں۔ اسلام وہاں اسی وقت پہنچ گیا تھا جب اٹھارہویں صدی عیسوی میں غلاموں کے جہاز مغربی امریکہ کے بربر۔ ملا۔ وولوف اور ماندے زبانیں بولنے والے مسلمانوں کو لے کر آئے تھے۔ ایک اندازے کے مطابق ہر پانچ غلاموں میں سے ایک مسلمان تھا اگرچہ ان میں سے اکثر کو عیسائی بنا لیا گیا۔

اس کے بعد 1880 کے عشرے میں مسلمانوں نے امریکہ آنا شروع کیا۔ ان میں سے کچھ وسطی مغربی کی زرخیز زمین کی کشش میں بطور کسان اور دوسرے بطور تاجر آ گئے۔ بہت سے اس وقت لبنان سے آئے جب وہاں ریشم کی صنعت ناکام ہو گئی۔ تیس سال بعد آنے والے تارکین میں بھی مسلمان شامل تھے جو ڈیٹرائٹ میں موٹر گاڑیوں کی ابھرتی ہوئی صنعت سے وابستہ ہو گئے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد اور مشرق وسطی میں بدلتے ہوئے سیاسی حالات کے پیش نظر مسلمان تارکین وطن کی آمد میں بہت اضافہ ہوا۔

اگرچہ مسلمان بے شمار شہروں اور قصبوں میں آباد ہو گئے تاہم ان کی بڑی تعداد نیویارک' شکاگو' ڈیٹرائٹ 'DETRIOT فلاڈیلفیا اور واشنگٹن جیسے شہروں میں یا ان کے قریب رہنا پسند کرتی ہے۔ ساؤتھ ڈئربارن (مشی گن) میں غالب اکثریت والی آبادی بارہ ہزار امریکیوں پر مشتمل ہے 1916 سے یمنی' شامی عراقی' فلسطینی اور لبنانی ایک متحدہ بستی میں آباد ہونے کے لئے اکثر آتے رہے۔ چھ بلاکوں پر مشتمل ایک بلاک میں 50 سے زیادہ کاروباری ادارے عربوں کی ملکیت ہیں۔ قریبی شہر ڈیٹرائٹ میں اب بہت سے سکولوں میں عرب اور مسلمان طلباء کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے عربی کلاسیں بھی شروع کر دی گئی ہیں۔ ایک اطلاع کے مطابق امریکہ کے دو تہائی مسلمان دس ریاستوں میں رہتے ہیں ان میں سے 20 فیصد سے زیادہ نیویارک اور نیوجرسی میں اور دس لاکھ کیلیفورنیا میں آباد ہیں۔ نیویارک سمیت شمالی امریکہ کے بہت سے شہروں میں مسلمان بکثرت آباد ہیں۔ ان میں دس ہزار سے زیادہ ڈاکٹر ہیں۔ امریکہ کے کسی شہر کے کسی اجتماع پر نظر دوڑائیں وہاں سوائے چہرے کے سارا جسم لباس میں چھپائے ہوئے متعدد سیاہ فام امریکی مسلمان ضرور ملیں گے۔

◆◆◆

کار پارکنگ بہت بڑا مسئلہ

امریکہ میں یورپ اور ایشیائی ملکوں کے برعکس ٹریفک لیفٹ ہینڈ نہیں بلکہ رائٹ ہینڈ ڈرائیو ہے۔ گاڑیوں کے سٹرنگ بھی دائیں کے بجائے بائیں جانب ہوتے ہیں۔ سڑکیں جدید ترین اور ٹریفک کا نظام بڑا سائنٹفک ہے۔ پارک وے' سپر وے اور ہائی وے کے ناموں سے مختلف رفتاروں کے لئے الگ الگ سڑکیں ہیں۔ ایک شہر سے دوسرے شہر جانے والی سڑکوں پر 55 میل فی گھنٹہ کی رفتار مقرر ہے۔ سڑکوں پر کمپیوٹر کے ذریعے رہنمائی مہیا کرنے والے بڑے بڑے بورڈ آویزاں ہوتے ہیں جن پر ہدایات کی حامل عبارتیں ہر لمحہ بدلتی رہتی ہیں۔ سڑکوں پر ٹریفک پولیس کی گاڑیاں ہر وقت چیکنگ کے لئے گشت کرتی نظر آتی ہیں۔ مقررہ رفتار سے زیادہ گاڑیاں چلانے والوں کو اسی وقت روک کر جرمانے کا ٹکٹ دے دیا جاتا ہے۔ سڑکوں کے علاوہ اوپر فضا میں بھی ٹریفک پولیس گاڑیوں کی رفتار اور حادثات پر نظر رکھتی ہے۔ فضا سے نیچے ٹریفک کنٹرول کرنے والوں کو لمحہ لمحہ خبر دی جاتی ہے کہ کس جگہ ٹریفک جام ہو رہا ہے لہٰذا کون سا متبادل راستہ اختیار کیا جائے۔ یہ سب ہدایات فی الفور کمپیوٹر کے ذریعے شاہراہوں پر لگے ہوئے نیون سائن پر لکھی جاتی ہیں نیو یارک میں کار ڈرائیو کرنے والا کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ وہ کسی ٹریفک قانون کی خلاف ورزی کر کے بچ کر نکل جائے گا۔

نیو یارک میں امریکہ کے دوسرے شہروں کی طرح فاصلے کلومیٹروں میں نہیں بلکہ میلوں میں بتائے جاتے ہیں اور عام طور پر فاصلہ میلوں میں بھی نہیں بلکہ گھنٹوں میں بتایا جاتا ہے مثلاً اگر کوئی شہر زیادہ سے زیادہ سو میل دور ہو تو کہیں گے IT IS HARDLY TWO HOURS نیو یارک میں کار پارکنگ کا مسئلہ دن بدن سنگین ہوتا جا رہا ہے۔ مین ہٹن اور دوسرے معروف کاروباری و تجارتی و مصروف علاقوں میں سڑکوں کے کنارے کار پارکنگ کے لئے جگہیں مقرر ہوتی ہیں۔ اور پارکنگ فیس کے لئے پول نصب ہوتے ہیں۔ علاقے کی اہمیت کے مطابق کار پارکنگ کی فیس رکھی جاتی ہے۔ مثلاً مین ہٹن کی معروف سڑکوں پر کار پارک کرنے کی ایک گھنٹہ کی فیس آٹھ ڈالر تک ہے جبکہ عام جگہوں پر یہ فیس 75 سینٹ یا 50 سینٹ ہوتی ہے۔ ہسپتالوں' پارکوں اور ساحل سمندر پر یا دفاتر کے باہر ہر جگہ گاڑی کھڑی کرنے کے لئے فیس دینا پڑتی ہے اور تقریباً ہر جگہ گاڑی کھڑی کرنے کے لئے جگہ بڑی مشکل سے ملتی ہے۔ بعض جگہوں پر گاڑی پارک کرنے کے لئے پورے علاقے کے کئی کئی چکر لگانے پڑتے ہیں۔ اور جہاں کوئی

کار نکالتا نظر آئے اس کی جگہ لینے کے لیے بیک وقت کئی کار والے لپکتے ہیں۔ بعض لوگوں کو کئی کئی فرلانگ دور گاڑیاں کھڑی کرنی پڑتی ہیں اسی دشواری کے پیش نظر اب نیویارک میں بھی نہ صرف زیر زمین بلکہ کئی کئی منزلہ کار پارکنگ کی عمارتیں بھی تعمیر ہوگئی ہیں۔ کاروں کی اسی بہتات نے مکانوں اور فلیٹوں کے آس پاس گیراجوں کا سنگین مسئلہ پیدا کر دیا ہے۔ اور خراب ہو جانے والی کاروں کو لوگ مرمت کرانے کی بجائے جنک (JUNK) کر دینا یعنی مفت اٹھوا دینا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ ٹیلی فون کیا جاتا ہے اور کالوں کے ٹھیکیدار آ کر آپ کی ناکارہ اور گلے پڑی ہوئی گاڑی کو اٹھا لے جاتے ہیں ورنہ اگر یہ گاڑی آپ کے گھر کے باہر سڑک کے کنارے ایک دو دن بھی پڑی رہے تو سرکاری عملہ آ کر اس پر جرمانے کا ٹکٹ لگا جائے گا۔ یہ جرمانہ کمپیوٹر ریکارڈ پر آپ کے نام چڑھ جائے گا اور کسی نہ کسی سٹیج پر آپ کو ضرور ادا کرنا پڑے گا۔ بعض محلہ سٹریٹس پر رات کے وقت پارکنگ ڈبل رو کی اجازت دی گئی ہے کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

نیویارک کی سڑکوں پر موٹر کاروں کے لئے الگ اور بھاری ٹرکوں کے لئے الگ سڑکیں ہیں۔ موٹر سائکل صرف گرمیوں میں نظر آتے ہیں۔ سائیکل صرف پارکوں اور تفریح گاہوں میں ملتے ہیں اور پیدل چلنے والے بہت کم ملیں گے۔

◆◆◆

نیو یارک کا موسم

نیو یارک کے موسم کا کوئی اعتبار نہیں۔ کینڈا کا علاقہ یہاں سے چار سو میل دور ہے اور یہ علاقہ سدا قطبی ہواؤں اور موسموں کی زد میں رہتا ہے۔ یہ ہوائیں موسم سرما کے علاوہ گرمیوں میں بھی اس طرف کا رخ کرتی ہیں تو درجہ حرارت ایک دم گر جاتا ہے۔ موسم سرما میں تو بعض اوقات نیو یارک کا موسم منفی 17 تک چلا جاتا ہے جس کا FREEZING EFECT ہمارے سیاچن گلیشیر کے برابر ہوتا ہے جہاں انسان بغیر لباس کے زندہ نہیں رہ سکتا اور فراسٹ بائٹ انسانی زندگی کے لئے سخت خطرہ بن جاتا ہے۔ عام حالات میں نیو یارک میں انچوں کے حساب سے برفباری ہوتی ہے لیکن سال میں ایک دو مواقع ضرور ایسے آتے ہیں جب اتنی برف پڑتی ہے کہ لوگوں کے گھروں کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن پہلے سے برفباری کی پیشگوئی کر دیتے ہیں اور سرکاری گاڑیاں سڑکوں پر سمندری نمک یا نمک والا پانی چھڑک دیتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معمولی برف تو پڑتے ہی پگھل جاتی ہے لیکن جب برفانی طوفان کئی کئی دن چلتے رہتے ہیں تو چار پانچ فٹ تک برف پڑ جاتی ہے اور سرکاری بلڈوزر سڑکوں پر سے برف دن رات ہٹانے میں مصروف رہتے ہیں۔ گاڑیاں جگہ جگہ جام ہو کر پھنس جاتی ہیں اور ایمرجنسی والے انہیں بھی TOW کرتے ہیں۔ پٹرول جم جائے تو اس کو پتلا کرنے کے لئے COOLENT مہیا کرتے ہیں اور پٹرول ختم ہو جائے تو تھوڑی بہت مقدار میں یہ بھی مہیا کرتے ہیں۔ یہاں امریکہ کے دوسرے حصوں کی طرح سال میں دو تین سمندری اور برفانی طوفان ضرور آتے ہیں۔ محکمہ موسمیات بڑا مستعد ہے اور آنے والے موسمی حالات کی کئی کئی دن پہلے اطلاع دے دیتا ہے۔ ٹیلی ویژن پر ہر روز پورے ہفتے کے موسم کی پیشگوئی کی جاتی ہے جو کبھی غلط نہیں ہوتی۔

موسم گرما یہاں بہت مختصر ہوتا ہے اور اپریل سے ستمبر تک رہتا ہے۔ گرمیوں کے موسم میں کبھی درجہ حرارت 85 سے اوپر نہیں جاتا۔ 1994 میں اوزون کی سطح پھٹنے اور آلودگی بڑھ جانے سے پہلی بار تاریخ میں درجہ حرارت 105 فارن ہائیٹ تک گیا ورنہ 90 درجہ حرارت ہو جائے تو لوگوں کے کپڑے اتر جاتے ہیں۔ اور وہ کام کاج سے فارغ ہوتے ہیں ساحلوں کا رخ کرتے ہیں جن کی یہاں کمی نہیں۔ کہتے ہیں نیو یارک میں 36 BEACHES ہیں جو موسم کی شدت کے ساتھ ساتھ آباد اور ویران ہوتی رہتی ہیں۔

امریکہ میں آپ کو ہر طرح کا موسم ملے گے۔ کہیں قطبین کی برفانی ہوائیں چل رہی ہوں گی تو کہیں برفباری ہو رہی ہوگی۔ کسی

جگہ ریگستانی موسم ہوگا اور جانور تک گرمی سے ہونکتے پھر رہے ہوں گے تو کہیں یوسٹن جیسے شہروں میں بھلے چنگے موسم میں بھی لوگوں کے پسینے چھوٹ رہے ہوں گے۔ پھر یہاں بعض علاقوں مثلاً نیویارک وغیرہ میں موسم بدلتے دیر بھی نہیں لگتی۔ بعض اوقات گرمیوں کا پورا موسم سر پر سے یوں گذر جاتا ہے کہ لوگ اس کا انتظار ہی کرتے رہ جاتے ہیں۔ اور پھر اچانک ایک دن سرد ہواؤں کے جھکڑ چلنے شروع ہوجاتے ہیں اور موسم سرما اپنی پوری قہرمانیوں کے ساتھ آموجود ہوتا ہے۔

نیویارک میں گرمیوں میں درجہ حرارت عام طور پر خوشگوار رہتا ہے۔ اگر کبھی دوپہر کے وقت 80 یا 85 درجہ فارن ہائیٹ ہوجائے تو ریڈیو اور ٹیلی ویژن دہائی ڈال دیتے ہیں گھروں اور دفتروں میں جہاں زیادہ سے زیادہ پنکھے چل رہے ہوتے ہیں اچانک ایئر کنڈیشنر آن ہوجاتے ہیں اور دفتروں سے فارغ ہونے والے اور گھروں میں بیٹھے ہوئے لوگ اچانک کاریں دوڑاتے ہوئے ساحل سمندر کا رخ کرتے ہیں۔ گرمی جوں جوں بڑھتی ہے لوگ خاص طور پر جنس لطیف کے کپڑے اترتے چلے جاتے ہیں۔ عام حالات میں بھی اس جنس کو یہاں پر گرمی کچھ زیادہ ہی لگتی ہے اس کے برعکس وہ شدید سردی کے موسم میں بھی کپڑوں سے بیزار ہی نظر آتی ہیں۔ ایک دن کچھ ایسا ہی عالم تھا۔ ساحل کی طرف لوگوں کے بہتے ہوئے سیلاب بے پناہ میں ہم بھی بہے چلے جارہے تھے۔

نیویارک پانی کے اوپر اور پانی میں گھرا ہوا شہر ہے۔ جدھر چلے جایئے آپ کو سمندر یا دریائے ہڈسن پر بنے ہوئے پلوں، ساحلوں اور بندرگاہوں سے واسطہ پڑے گا۔ یوں لگتا ہے جیسے اس شہر کی بنیادیں ہی پانی کے اندر رکھی گئی ہوں۔ اس شہر کی سب سے خوبصورت تفریح گاہیں SEA BEACHES ہیں ان میں سب سے مشہور جونز بیچ JONES BEACHE ہے۔ تقریباً ساری BEACHES ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ تاہم بعض BEACHES اپنی انفرادیت بھی رکھتی ہیں۔ ویسے کسی ایک ساحل کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کریں تو سمندر کے ساتھ ساتھ نیوجرسی کی ریاست میں داخل ہوجائیں گے اور یہ ریاست پورے امریکہ میں سب سے خوبصورت ساحلوں کے لئے مشہور ہے۔ جونز بیچ تک پہنچنے کے لئے ہمیں لانگ آئی لینڈ کے بہت ہی خوبصورت اور سرسبز و شاداب جزیرے کو شمالاً جنوباً قطع کرنا پڑا۔ بیچ میں داخل ہونے سے پہلے چار ڈالر فی کس کے حساب سے ٹول ادا کرنا پڑا جس میں کار پارکنگ چارجز بھی شامل تھے یہاں کار پارکنگ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ بیشتر مقامات پر اصل مقام سے نصف میل دور تک کار پارک کرنے کی کوئی جگہ نہیں ملتی۔ تاہم اس بیچ پر پارکنگ کا خاطر خواہ انتظام تھا۔ اور بڑے وسیع پارکنگ بلاک موجود تھے۔ کار پارک کرنے کے بعد جو ساحل سمندر پر قدم رکھا آنکھیں پھٹی پھٹی رہ گئیں۔ چمکدار دھوپ کے باوجود سمندر کے بدن کو چوم کر آنے والی ہوائیں لطافت کا بے کراں احساس پیدا کررہی تھیں۔ یہاں میں نے احتیاطاً سمندر کے بدن کو چوم کو آنے والی ہواؤں

کا ذکر کیا ہے ویسے خدا گواہ وہ ہر بے لباس حسینہ کا بدن چوم کر آ رہی تھیں۔ اور یوں ہمارے جیسے حیادار آدمیوں کو حیا آ رہی تھی۔ ہر طرف لباس سے بے نیاز جوان جسموں کو سن باتھ لینے کے لئے اوندھے الٹے پلٹے یا سیدھے ہر طرف دھوپ میں پڑے دیکھ کر یوں لگا جیسے ہم با لباس لوگوں نے ان عریانیت پسند لوگوں کے درمیان آ کر کوئی بڑا جرم کیا ہے۔ ویسے بھی یہ لوگ ہمیں کچھ عجیب عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے اور انگریزی محاورے کا خیال کرے ہوئے تو ہمیں بھی روم میں رہتے ہوئے اہل روم کی تقلید کرنی چاہیے تھی لیکن یہ ہمارے لئے نہ ممکن تھا اور نہ ہم اس کے لئے تیار تھے۔ چنانچہ ہم نے احساس جرم کے نشتروں کے برداشت کرنے اور گرد وپیش بکھرے ہوئے جسموں اور بے تاب جوانیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے محض سمندر کی سیر کا فیصلہ کیا۔

دنیا بھر میں خصوصاً مغربی ملکوں میں ساحلوں کا ماحول فری فار آل ہوتا ہے۔ رسمی حدود اگر ہوتی بھی ہیں تو ان کی پروا کم ہی کی جاتی ہے جس کے جو جی میں آئے کر گذرتا ہے۔ عام طور پر محبتوں کے متوالے یا پیار کے ترسے ہوئے یہاں کا رخ زیادہ کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر طرف ہم آمیزش و ہم آغوشی کے مناظر بکثرت دیکھنے میں آتے ہیں۔ بعض جوڑے تو انتہائی خلوت کے لئے ساحلوں سے دوران حصوں کا رخ کرتے ہیں۔ اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں گردپیش کی قطعاً پروا نہیں ہوتی۔ وہ زمانے کے ہر غم اور ہر فکر سے بے نیاز ایک جان دو قالب کی تصویر بنے ہوتے ہیں امریکہ میں بھی ساحلون پر یہ تمام آزادیاں دیکھنے میں آ رہی تھیں کہیں بوتلوں کے کاک اڑ رہے تھے تو کہیں خوش فعلیاں جاری تھیں۔

الغرض ساحل سمندر پر میلے کا سا سماں تھا۔ نیو یارک گرمی سے گھبرا کر یہاں پہنچا ہوا تھا اور یہاں گرمی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ سمندر کی طرف ٹھنڈی ہواؤں کے جھکڑ چل رہے تھے۔ دھوپ میں تمازت نام کو بھی نہ تھی اور تیز ہوائیں اپنے ساتھ بلند لہریں اچھال اچھال کر ساحلوں پر پھینک رہی تھیں۔ میلوں تک پھیلے ہوئے ریتلے ساحل پر نوجوان لڑکے لڑکیوں کے قریب قریب عریاں اور نیم عریاں جسم بکھرے ہوئے تھے۔ گورے چٹے جسموں کو سن باتھ کے ذریعے ٹین کرنے کا شوق جنون کی طرح بڑھ رہا ہے۔ گندمی رنگ کی جلد رکھنے والوں سے پوچھا جاتا ہے تم نے جلد کا یہ رنگ کیسے کر لیا۔ اس وقت پورے امریکہ میں گوری جلد کو ٹین (TAN) کرنے کے لئے فلوریڈا کے موسم کو بڑا اچھا خیال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ہر گوری کے دل میں ہفتے دو ہفتے کی چھٹی لے کر فلوریڈا جانے اور وہاں میامی یا پام بیچ یا سینٹ پیٹرگ PETERSBERG کے ساحلوں پر دھوپ میں گوری چمڑی کا تانبے جیسا بنانے کی خواہش مچلتی رہتی ہے۔ وہاں دھوپ یہاں کے مقابلے میں قدرے سیدھی اور تیز پڑتی ہے۔ نیو یارک یا نیو جرسی کے ساحلوں پر گھنٹوں دھوپ میں پڑے رہیں وہ بات نہیں بنتی جو فلوریڈا میں ہے۔

یہاں کے ساحل پر سن باتھ لینے والوں کی نسبت فری سیکس کا تجربہ کرنے والوں اور والیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ ان میں گوروں اور گوریوں کے ساتھ رنگ دار اور کالے بھی تھے۔ بہت سفید دوشیزوں کو رنگ دار لڑکوں نے ساتھ لے رکھا تھا بالکل کالے سمندر پر اکا دکا ہی تھے صرف وہی جو کسی گرل فرینڈ کو سیر کرانے یا اس کے ساتھ انجوائے کرنے یہاں آئے تھے لہروں سے جتنا دور جاتے اتنا ہی خلوت میں جلوت کے مزے لینے والے جوڑے بکھرے ہوئے نظر آتے۔ یہ دنیا جہاں سے بالکل بے نیاز..... اپنی ہی حرکتوں میں مگن نظر آ رہے تھے ہمارے جیسے لوگ انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر دور سے ہی گذر رہے تھے کیونکہ ہماری مداخلت یقینی طور پر ان کے رومانس کو بدمزہ کر سکتی تھی۔ یہ جوڑے کن کن حالتوں میں تھے اس کا ذکر یہاں نہ ہی کیا جائے تو بہتر ہے۔

ساحل سمندر پر آنے والوں کی ایک بڑی تعداد اپنی فیملیوں کے ساتھ آئے ہوئی تھی جن کے پاس صرف SURF بورڈ تھے۔ بعض کے پاس سپورٹس بوٹس تھیں لڑکے اور بکنی پہنے ہوئے لڑکیاں پلاسٹک کے صرف بورڈ لئے ساحل سے دور جاتی ہوئی لہروں پر بہہ کر دور تک چلے جاتے اور پھر جب بڑی بڑی لہریں ساحل کی طرف لوٹتیں تو یہ بھی لہروں کے سینے پر تیرتے ہوئے چلے آتے۔ چھوٹی چھوٹی بچیاں بھی سمندر میں دور تک تیر رہی تھیں۔ کچھ جہاز دور گہرے پانیوں میں سفر کر رہے تھے غالباً وہ سرکل لائن کے جہاز تھے جو سیاحوں کو لے جا رہے تھے سمندر کے ساتھ ساتھ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر نگراں چوکیاں قائم تھیں اور ہر چوکی پر دوربین لئے ایک تیراک لہروں پر نظر رکھے ہوتا۔ جبکہ دوسرا ہر لحہ ہنگامی امداد کے لئے سمندر میں کود جانے کے لئے ہمہ وقت تیار نظر آتا۔ یہ چوکیاں سمندر میں نہانے' تیرنے یا صرف کھیلنے والوں خصوصاً بچوں پر نظر رکھنے اور انہیں ہنگامی حالت میں بچانے کے لئے بنائی گئی تھیں۔ ایک ہمارے ساحل ہیں جہاں نوجوان دیکھتے دیکھتے لہروں کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں اور کئی گھنٹوں کی جدوجہد کے بعد ایدھی کے غوطہ خوروں یا ملاحوں کی خدمات نعشیں تلاش کرنے کے لئے میسر آتی ہیں۔ یہاں آج تک ایسا نہیں ہوا کہ ساحل سمندر پر کوئی بچہ یا بڑا ڈوب گیا ہو۔ اس جگہ آ کر پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں کی نظر میں انسانی زندگی کی کتنی قدر و قیمت ہے۔

کہیں کہیں کچھ غریب امریکی بھی تھے جو محض خالی بوتلیں اور خالی ڈبے اکٹھے کر رہے تھے ایک ستر اسی سال کی بڑھیا ہاتھ میں سٹک کے آگے میٹل ڈی ٹیکٹر لگائے ریت میں گرے ہوئے سکے تلاش کرتی پھر رہی تھی لیکن عام طور پر اسے مایوسی کا سامنا ہی کرنا پڑتا کیونکہ اس کے ڈی ٹیکٹر کے ساتھ کوئی سکہ چپکنے کی بجائے کسی بوتل کا ٹن کا ڈھکن چپک جاتا اتنے میں کالوں کی ایک بہت بڑی سٹیج نما گاڑی ساحل کے اندر ایک طرف آ کر کھڑی ہو گئی۔ کوئی دو درجن کالوں نے نکل کر تھوڑی دیر کے اندر سٹیج سیٹ کر دی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس سٹیج پر مائیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور ان کے سامنے نیچے ناچنے اور گانے والے کچھ اور کالے دائرے کی صورت میں تھرکنا

شروع ہو گئے۔ پھر جوڑ رمنگ شروع ہوئی تو دور دور تک کھرے ہوئے کیا کالے کیا گورے ہر کوئی تال پر تھرکنے لگا۔ ان کی موسیقی میں شور اور اچھل کود بہت زیادہ اور نغمگی نام کو بھی نہیں ہوتی۔ مائیک سے جاری ہونے والی ہدایات کے ذریعے اٹھک بیٹھک بھی کرائی جارہی تھی۔

بلند آہنگ نغمے بھی بلند ہو رہے تھے اور جوش جنوں میں تھرکنے اور ہم آغوشی کا عمل بھی جاری تھا ایک بات خاص طور پر دیکھنے میں آئی کہ جب اس قسم کا میوزک بج رہا ہوتا تو کوئی بھی شخص مرد یا عورت' گورا یا کالا تھرکے بغیر نہ رہتا۔ اگر کوئی بنچ پر بیٹھا شراب پی رہا ہے تو وہ بھی اپنی جگہ تھرک رہا ہے اور اگر کوئی اپنی گرل فرینڈ سے لپٹا ہوا ہے تو وہ دونوں بھی میوزک پر رقص کے سٹیپ لینے پر مجبور ہیں۔

اگرچہ شام کے سات بج رہے تھے لیکن سورج سمندر کے اوپر چمک رہا تھا یہاں آفتاب ساڑھے آٹھ بجے غروب ہوتا ہے اور طلوع صبح ساڑھے پانچ بجے ہی ہو جاتا ہے اسی لئے رات ایک دو بجے تک زندگی کی سرگرمیاں جاری و ساری نظر آتی ہیں بعض دکانیں اور بڑے بڑے سٹور آٹھ نو بجے تک بند ہو جاتے ہیں گراسری اور کچھ دوسرے سٹور 24 گھنٹے کھلے رہتے ہیں۔

ساحل سمندر پر آئے ہوئے خاصی دیر ہو چکی تھی اور اس عرصے میں ہم نے اس مادر پدر آزاد دنیا کے بہت سے رنگ دیکھ لئے تھے۔ اب ہم مین اینٹرنس سے بہت دور نکل آئے تھے چنانچہ سمندر کے ساتھ ساتھ گیلی ریت پر چلتے ہوئے واپس روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک جگہ خوبصورت نوجوان جوڑا جو غالباً پورٹوریکن تھا لہروں کے درمیان کھڑا دنیا و مافیہا سے بے نیاز پیار و محبت کے باغ سے خوشہ چینی کر رہا تھا ہم محبت کے ان متوالوں کی حرکتوں پر زیر لب مسکراتے پاس سے گزر گئے۔

◆◆◆

ایڈز..... عذاب الٰہی

امریکہ میں ایڈز عذاب الٰہی کی طرح پھیل رہی ہے سرکاری ریکارڈ کے مطابق نیویارک شہر میں ایڈز کے پچاس ہزار کیس رجسٹر کئے جا چکے ہیں۔ 30 مارچ 93 تک ایڈز کے ان 50274 کیسوں میں سے 40779 مرد۔ 8403 عورتیں اور 13 سال کی عمر تک کے 1092 بچے اس وبا سے بری طرح متاثر تھے۔ نیویارک شہر میں ایڈز سے متاثر افراد میں سے دو تہائی مر چکے ہیں۔ ایڈز نیویارک میں اموات کا تیسرا بڑا سبب ہے ایڈز سے مرنے والے مردوں اور عورتوں کی عمریں 25 سے 44 سال کے درمیان ہوتی ہیں۔ نیو یارک میں ایک لاکھ 25 ہزار سے لے کر 2 لاکھ 35 ہزار تک افراد HIV یعنی ایڈز سے متاثر ہیں۔ اور تقریباً ہر سال 5 ہزار افراد مزید اس مرض میں مبتلا ہو رہے ہیں اندازاً ہر سال ایڈز سے متاثرہ مائیں 1400 ایسے بچے جنم دیتی ہیں جو پیدائشی طور پر ایڈز سے متاثر ہوتے ہیں۔ ایک تازہ ترین اندازے کے مطابق امریکہ کی طرح شکاگو شہر میں بھی چالیس فیصد لوگ ایڈز سے متاثر ہیں اور ماہرین کا کہنا ہے کہ اگلے پانچ برسوں میں امریکہ کی آدھی آبادی ایڈز کا شکار ہو جائے گی۔ دنیا میں HIV سے متاثرہ مریضوں کی تعداد لاکھوں سے تجاوز کر کے کروڑوں تک جا پہنچی ہے۔ ایشیا میں صرف تھائی لینڈ میں 60 لاکھ' بنگلہ دیش میں 50 ہزار' سری لنکا میں 3 ہزار' نیپال میں 4 ہزار اور پاکستان میں ایڈز سے متاثرہ افراد کی تعداد 750 ہے۔ 50 پاکستانی اب تک اس مرض سے موت کے منہ میں جا چکے ہیں۔

نیویارک میں ایڈز سے بچاؤ کی مہم ریڈیو' ٹی وی اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے بہت بڑے پیمانے پر شروع ہے۔ بسوں' ٹرینوں اور پوسٹروں کے ذریعے لوگوں کو اس کے برے اثرات سے خبردار کیا جا رہا ہے۔ سب سے تشویشناک بات یہ ہے کہ لاکھوں عورتیں جو ایڈز سے متاثر ہیں وہ یہ مرض خود بخود نئی معصوم نسل کو منتقل کر رہی ہیں۔ چنانچہ عورتیں اور بچوں کو ایڈز سے بچانے پر خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔ بچاؤ مہم کا موٹو ہے۔ BE STRONG LIVE LONG ایڈز زدہ شخص تفکرات اور تکالیف سے بچنے کے لئے نشے کا سہارا لیتا ہے اور سرنج کا مشترکہ استعمال بڑی تیزی سے اس وبا کو دوسروں تک منتقل کرتا ہے۔ جہاں امریکہ میں پہلے سرنجوں کے حصول پر سخت پابندیاں تھیں وہاں اب خود سرکاری محکمے نشے کے عادی لوگوں کو ہر ہفتہ کوٹہ کے مطابق مفت سرنجیں مہیا کرتے ہیں تا کہ سرنجوں کے مشترکہ استعمال سے اس وبا کو پھیلنے سے کسی حد تک روکا جا سکے۔

پورے امریکہ ایسی ماؤں کی تعداد 30 لاکھ ہے جو حاملہ ہیں اور ایڈز سے متاثر بھی ہیں۔ ان کے پیدا ہونے والے بچوں کو ایڈز سے بچانا کسی طرح بھی ممکن نہ ہوگا۔ اس طرح ایک سال میں ان عورتوں اور بچوں کی تعداد از خود کم از کم ساٹھ لاکھ ضرور ہو جائے گی نیو یارک کے محکمہ صحت نے ایک ہاٹ لائن قائم کر رکھی ہے جس پر کال کرنے والے شخص کو فوری سرکاری طور پر ایڈز کے سلسلے میں ہر ممکن مدد بہم پہنچائی جاتی ہے ایسے مریضوں کا حکومت اپنے خرچ پر ہسپتالوں میں علاج کراتی ہے اگرچہ کامیاب علاج ابھی تک ممکن نہیں ہو سکا۔ ایڈز کے مریضوں کو ہسپتالوں میں ہی بڑی حد تک دوسرے مریضوں سے الگ تھلگ رکھا جاتا ہے۔ اور ان کا علاج کرنے والے عملے کے لئے خلائی لباس کی طرح کا بنا ہوا قیمتی خصوصی لباس ہوتا ہے تا کہ وہ خود اس مرض سے متاثر نہ ہو جائیں۔ ایڈز کمزور جسمانی دفاعی نظام کی صورت میں جلد حملہ آور ہوتا ہے۔ اس کے نمودار ہونے کا عرصہ چھ ماہ سے چھ سال ہوتا ہے اسی طرح مریض کی مرض الموت سے جدوجہد کا زمانہ بھی چھ ماہ سے چھ سال ہو سکتا ہے۔ ایڈز کے مریض کے آخری لمحات بڑے عبرت انگیز اور دردناک ہوتے ہیں۔ اس کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔ امریکی اس خدائی عذاب کے باوجود جنسی بے راہ روی سے باز نہیں آتے۔ اور ان کی اکثریت HIV ٹیسٹ کرانے کے لئے تیار نہیں ہوتی۔ بیشتر عیاش امریکیوں کی سوچ یہ ہے کہ زندگی انسان کو صرف ایک دفعہ ہی ملتی ہے اسے کیوں فکروں میں غلطاں کریں کیوں نہ اس کے ہر لمحے کو عیش و عشرت کی نذر کر دیں۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی ماہرین کے اندازے کے مطابق اگر آئندہ دس پندرہ برسوں تک ایڈز کی روک تھام کی دوا ایجاد نہ ہو سکی تو کروڑوں امریکی اس کی وجہ سے موت کی وادی میں اتر جائیں گے۔

ایڈز کا خطرناک وائرس 24 گھنٹے سے چھ دن تک زندہ رہتا ہے۔ جدید تحقیق کے مطابق سمندر کے انتہائی نمکین پانی میں بھی وائرس زندہ رہتا ہے۔ اس کے پھیلنے کی ایک اور بڑی وجہ لعاب دہن ہے جو بوسے سے دوسرے کو منتقل ہوتا ہے۔ نسل انسانی کو تیزی سے ختم کرنے والی اس وبا کا سب سے بڑا اور زیادہ نشانہ خواتین ہیں اور ایک اندازے کے مطابق سن دو ہزار تک جہاں امریکہ میں کئی کروڑ انسان اس کے سبب موت کے منہ میں جا چکے ہوں گے وہاں دنیا بھر میں ایڈز کے نئے کیسز میں 50 فیصد عورتوں کے کیس ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ عورتوں کو مشورے دیئے جا رہے ہیں کہ کم سے کم افراد سے جنسی تعلقات استوار کریں اور بہتر یہ ہے کہ صرف اپنے خاوند یا صرف ایک مرد ہی تک خود محدود رکھیں اور اس کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ بھی ایڈز سے متاثر نہ ہو۔

1992 کے اوائل میں پوری دنیا کے 168 ملکوں میں پانچ لاکھ بالغ افراد ایڈز سے متاثر تھے۔ لیکن عالمی ادارہ صحت کے مطابق یہ رپورٹ صحیح نہیں ہے۔ اس کے جائزے کے مطابق اب تک 170 لاکھ افراد ایڈز میں مبتلا ہو چکے ہیں جن میں سے نصف

تعداد جنوبی افریقہ اور افریقی صحارا کے علاقوں کی ہے جہاں ایڈز سے بہت بڑی تعداد میں اموات بھی ہو چکی ہیں۔ عالمی ادارے کے مطابق افریقی صحارا میں HIV سے متاثرہ بالغوں کی تعداد 70 لاکھ شمالی و جنوبی امریکہ و کریبین میں ان لوگوں کی تعداد 20 لاکھ شمالی افریقہ اور مشرق وسطی میں یہ تعداد 75 ہزار۔ آسٹریلیا میں 30 ہزار اور مشرقی افریقہ اور بحرالکاہل کے ملکوں میں HIV سے متاثرہ بالغوں کی تعداد 25 ہزار کے لگ بھگ ہے۔ عالمی ادارہ صحت کی ایک تازہ ترین رپورٹ کے مطابق دنیا میں ایڈز سے متاثرہ افراد کی تعداد 18 کروڑ تک پہنچ گئی ہے جو صدی کے اختتام تک ایک ارب ہو جائے گی۔ 94 میں دنیا میں ایڈز سے مرنے والوں کی تعداد ساڑھے چھ لاکھ سے بڑھ گئی ہے۔ ایشیا میں ایڈز کے مریض سب سے زیادہ ہیں۔ بھارت میں ان کی تعداد سوا کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے۔ جہاں ایڈز کا سب سے بڑا مرکز بمبئی کا علاقہ ہے۔ پاکستان میں بھی ایڈز تیزی سے پھیل رہا ہے اور لوگ خوف کے مارے اپنا مرض چھپاتے ہیں۔ رپورٹ میں میں کہا گیا ہے کہ ایک طرف ایڈز کا مرض پھیل رہا ہے دوسری طرف دنیا میں جنسی بے راہ روی بڑھتی جا رہی ہے۔ جسم فروشی کا دھندہ بین الاقوامی ناسور بن چکا ہے۔ پچھلے ایک سال کے دوران ہم جنسی اور جسم فروشی کی لعنتوں میں 12 فیصد اضافہ ہوا۔ برطانیہ اور امریکہ جیسے ملکوں نے ہم جنسی کو قانونا جائز قرار دے کر اور غضب کیا ہے۔ اس وقت دنیا میں جسم فروش عورتوں کی کل تعداد تین کروڑ ہے۔

ایڈز کیا ہے

AIDS یعنی..... ACQUIRED IMMUNE DEFFICENCY SYNDROME کے نتیجے میں ہونے والے انفیکشن کی اگلی کیفیت کا نام ایچ آئی وی یعنی HUMAN IMMNUNO DEFFICIENCY VIRUS آہستہ آہستہ جسم کی دفاعی صلاحیت یا قوت مدافعت کو تباہ کرتا چلا جاتا ہے اور بالآخر انسان ہر قسم کی انفیکشن یعنی حملہ آور بیماریوں یا کینسر کے سامنے بے بس ہو کر رہ جاتا ہے پہلی بار HIV سے متاثر ہونے والا شخص ایڈز کے مکمل طور پر کھل کر سامنے آنے تک دس سال کا عرصہ نکال سکتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ لازما ایڈز سے متاثر ہونے کے بعد دس سال سے قبل موت کے منہ میں نہیں جائے گا۔ تجربہ و مشاہدہ بتاتا ہے کہ HIV ٹیسٹ کے نتیجے میں اس کے پازیٹو اثرات والے افراد میں دیر یا سویر سے ایڈز کا مہلک مرض ضرور ابھرتا ہے۔ HIV سے متاثرہ اشخاص میں ہو سکتا ہے کہ کئی سال تک مرض کی علامات ظاہر نہ ہوں اور وہ اپنے اندر چھپے ہوئے اس چور کا علم بھی نہ رکھتے ہوں لیکن یہ بہت ممکن ہے کہ وہ غیر ارادی طور پر اس سے دوسروں کو متاثر کریں۔

ایڈز بھی جنسی طور پر دوسرے کو لگنے والی بیماری ہے۔ یہ ہیپی ٹائٹس بی یا سوزاک (سفلس) وغیرہ کی طرح خون کے ذریعے ماں

سے بچے کو منتقل ہوتا ہے۔

انسان کے مادہ منویہ اور عورت کے وجائنا کی رطوبت میں ایڈز کا وائرس موجود رہتا ہے۔ HIV بڑی حد تک کنڈوم کے بغیر انٹر کورس (مجامعت) کرنے پر یا ہم جنسی کی صورت میں ایک سے دوسرے فریق یا شخص کو متاثر کرتا ہے۔

جنسی مجامعت سے یہ مرد سے عورت' عورت سے مرد یا مرد سے مرد کو لازمی طور لاحق ہو جاتا ہے۔ جو لوگ ایک سے زیادہ جنسی پارٹنر رکھتے ہوں وہ بڑی حد تک اس مرض کا شکار ہو سکتے ہیں وہ لوگ جو دیگر جنسی بیماریوں مثلاً آتشک یا سوزاک وغیرہ میں مبتلا ہوں ان کا HIV میں مبتلا ہو جانا عین ممکن ہے۔

HIV سے متاثرہ خون یا ایسے شخص کا خون اگر صحت مند آدمی کو دیا جائے تو بھی مہلک مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ملکوں میں انتقال خون سے پہلے یہ پڑتال کر لی جاتی ہے کہ خون دینے والا شخص HIV سے تو متاثر نہیں ہے۔

نشے کے عادی لوگ آپس میں مشترکہ سرنجوں کے استعمال سے بھی ایڈز کے پھیلانے کا سبب بنتے ہیں۔ صرف سرنج ہی نہیں بلکہ SKIN میں چبھنے اور خون تک پہنچنے والا کوئی بھی سرجیکل ہتھیار مثلاً دانتوں کے ڈاکٹر کے آلات بھی اس وائرس کے پھیلانے کا باعث بنتے ہیں۔

کوئی ماں جو HIV سے متاثرہ ہو زمانہ حمل میں پیدا ہونے والے بچے کو بھی یہ وائرس منتقل کر دیتی ہے۔ ایسا زمانہ حمل پیدائش کے وقت یا اس کو فوراً بعد بھی ممکن ہے۔ ایسا امکان سو فیصد تو نہیں البتہ 25 فیصد ضرور ہے۔ بیشتر بچے جو پیدائشی طور پر متاثرہ ہوتے ہیں پانچ برس کی عمر سے پہلے ہی مر جاتے ہیں۔ بعض اوقات تو مائیں اپنے دودھ کے ذریعے اپنا مرض نومولود بچوں کو منتقل کر دیتی ہیں۔

وائرس HIV سکول میں بچوں کے اکٹھے پڑھنے اور ملنے ملانے' اکٹھے کھیلنے۔ کموڈ پر بیٹھنے' کام کی جگہوں پر یا تالاب میں تیرنے یا مارکیٹ میں جانے سے نہیں پھیلتا۔ نہ ہی یہ ہاتھ ملانے اور گلے ملنے سے دوسرے کو لگتا ہے۔ یہ متاثرہ کے برتن اور گلاس وغیرہ استعمال کرنے سے بھی دوسرے کو متاثر نہیں کرتا یہ مچھروں اور دوسرے کیڑے مکوڑوں کے کاٹنے سے بھی نہیں لگتا۔ جبکہ ایک جدید تحقیق کے مطابق یہ وائرس تالاب میں نہانے سے دوسروں کو لگ سکتا ہے۔

ایڈز سے بچنے کا یقینی طریقہ یہ ہے کہ جنسی عمل سے پرہیز کریں یا اپنا صرف ایک جنسی پارٹنر رکھیں جو HIV سے پاک ہوگا یا ہو گی۔ بہت سے جنسی پارٹنر بنانے یا نشہ والی ادویات کے ٹیکے لگوانے سے بچیں۔

اگر آپ کو یہ یقین نہیں کہ آپ یا آپ کا جنسی پارٹنر HIV سے پوری طرح محفوظ ہیں تو احتیاطی اقدامات اختیار کریں یا تو ہر قسم کے انٹرکورس سے گریز کریں یا کنڈوم استعمال کریں جو مادہ منویہ اور اندام کی رطوبیت کو ایک دوسرے سے علیحدہ رکھے گا۔ اس معاملے میں مضبوط قسم کے کنڈوم اور مخصوص لبریکنٹ استعمال کرنے چاہئیں۔ تیل، ویزلین، یا کریم استعمال نہ کریں جس سے کنڈوم پھٹ سکتا ہے۔ جسم کی جلد سے گذر کر خون تک پہنچنے والی کوئی بھی چیز مشترکہ طور پر استعمال میں نہ لائیں۔

اگر کسی شخص کو اپنے بارے میں ذرہ بھی خدشہ ہو کہ وہ کسی متاثرہ پارٹنر سے جنسی فعل کرنے کی غلطی کر بیٹھا ہے تو اسے چاہیے کہ فوراً اپنا HIV کرائے اور ڈاکٹر سے مشورہ کرے۔

ماں بننے کی عمر میں عورتیں HIV سے متاثر ہونے کی صورت میں بہتر ہے کہ حمل کی نوبت نہ آنے دیں تاکہ کم از کم یہ لعنت اپنے معصوم بچے کو منتقل نہ کریں۔

مسلمانوں کے لئے سب سے بہتر اور احسن بات یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات کو ملحوظ رکھیں۔ اپنی پاکیزہ بیوی تک ہی محدود رہیں اور مغرب کی مادیت پرستی و اخلاقی راوٹ اور جنسی گمراہی کا ہرگز شکار نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ایڈز جیسا تباہ کن اور مہلک مرض صرف اخلاق باختہ مغربی یا غیر مسلم اقوام کو نیست و نابود کرنے کے لئے بھیجا ہے ایسی ہی وباؤں سے آج تک نہ جانے کتنی ہی گناہگار قومیں اور تہذیبیں مٹ چکی ہیں۔

◆◆◆

نیویارک (BIG APPLE)

نیویارک امریکہ کا سب سے بڑا شہر ہونے کے علاوہ دنیا کا چھٹا بڑا شہر ہونے کا اعزاز بھی رکھتا ہے۔ یہ دنیا کا سب سے اہم ثقافتی اور کاروباری مرکز بھی ہے نیز یہ انجمن اقوام متحدہ کا صدر مقام ہونے کی وجہ سے عالمی دارلحکومت کا درجہ بھی رکھتا ہے۔ نیویارک شہر میں جو واقعات رونما ہوتے ہیں ان مین سے بیشتر کے اثرات پورے امریکہ بلکہ پوری دنیا کو متاثر کرتے ہیں۔ یہ سیاحت کا بہت بڑا مرکز ہے اور اسی لحاظ سے اسے ہوٹلوں اور ریستورانوں کا شہر بھی کہتے ہیں۔ یہاں ہوٹلوں کی تعداد 15 ہزار سے بھی زیادہ ہے۔

نیویارک کے عالمی دارلحکومت کی آبادی ستر لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ اور یہ امریکہ کے بہت سے دوسرے شہروں کی نسبت دوگنا سے بھی زیادہ انسانوں کو اپنی آغوش میں جگہ دیئے ہوئے ہے۔ درحقیقت نیویارک ریاست کو چھوڑ کر امریکہ کی صرف آٹھ ریاستوں کی آبادی نیویارک سے زیادہ ہے۔ اس کی بنیاد 1625 میں ہالینڈ کے ڈچ باشندوں نے رکھی تھی۔ اور اس کے بعد سے یہ دنیا بھر کے تارکین وطن کی توجہ کا مرکز اور کشش کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اٹھارہویں صدی کے دوران اور انیسویں صدی کے اوائل مین بہتر زندگی اور مستقبل کے امکانات سے بھرپور دنوں کی امید میں اس نئی دنیا میں یورپ سے لاکھوں لوگ آ آ کر آباد ہوتے رہے۔ مجسمہ آزادی جو 1886 میں نیویارک کی بندرگاہ' مین نصب کیا گیا تھا' اس نئی زندگی کی علامت بن گیا۔ انیسویں صدی کے وسط سے دوسرے ملکوں سے آ کر آباد ہونے کی بہت بڑی تعداد جن میں زیادہ تر امریکہ کی جنوبی ریاستوں سے تھے اور جو سپینش بولنے والے امریکی اور پورٹوریکن تھے۔ نیویارک کا رخ کر رہے تھے۔ یہ لوگ بھی بہتر زندگی کے لئے نیویارک شہر سے آس لگائے ہوئے تھے۔

نیویارک شہر کی کاروباری' تجارتی اور مالیاتی تنظیموں نے ملک اور عالمی معیشت میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ بنک' سٹاک ایکسچینج اور شہر کے مشہور و معروف وال سٹریٹ کے علاقے دوسرے مالیاتی ادارے امریکہ کی کاروباری کارپوریشنوں کو سرمایہ مہیا کرتے ہیں۔ نیویارک کی فلک بوس عظیم الشان عمارتیں جو اس عالمی شہر کی عظمت و شکوہ کا ثبوت ہیں' بے شمار قومی و بین الاقوامی تجارتی فرموں کو دفاتر مہیا کرتی ہیں۔ نیویارک میں دنیا بھر کے 135 ممالک کے لوگ رہتے ہیں۔ اسی شہر نے اپنی تاریخ خصوصاً خانہ جنگی کے بعد کئی بڑی نسلی تبدیلیاں دیکھیں۔ بیشتر ممالک اور اقوام کے لوگ اپنی انفرادیت کو قائم رکھنے کے لئے الگ الگ بستیاں بنا کر رہتے ہیں۔ یہاں پہلی بڑی نسلی تبدیلی تب ہوئی جب ڈچ باشندوں کی جگہ انگریزوں نے لی۔ دوسری تبدیلی تب ہوئی جب اینگلو سیکسن لوگوں کی

جگہ آئرش اور جرمن لوگوں نے لی۔ اسی طرح اور بھی نسلی تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ 1970 کے عشرے میں نیو یارک کی ایک تہائی سے بھی زیادہ آبادی کالوں۔ اور پورٹو ریکن وسپینش لوگوں پر مشتمل تھی۔

طبقاتی لحاظ سے نیو یارک باہر سے آنے والے تقریباً ہر گروپ کا خیر مقدم کرتا رہا ہے لیکن جب قدیم سہیلیاں رہنے والوں نے محسوس کیا کہ باہر سے آنے والے ان کے لئے روزگار کے مسائل پیدا کر رہے ہیں تو یہاں مختلف قوموں کے درمیان کشیدگی کی فضا پیدا ہوگئی۔ اور کشیدگی کے کم ہونے کے آثار نظر نہیں آتے۔

اقتصادی لحاظ سے نیو یارک بہت ہی جاندار شہر ہے۔ بیسویں صدی میں بے شمار بڑے شہروں میں اہم تبدیلیاں آئیں مگر نیو یارک' شکاگو اور لاس اینجلس کی طرح آج بھی زبردست اقتصادی سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اکیلا مین ہٹن لاکھوں لوگوں کو روزگار مہیا کرتا ہے۔ ان امیر ابھی ہیں درمیانہ طبقہ کے لوگ بھی اور غریب بھی عام طور پر نیو یارک اوسط درجے کے لوگوں کا شہر سمجھا جاتا ہے۔

نیو یارک شہر کو 1970 کے عشرے میں زبردست کساد بازاری کا سامنا کرنا پڑا۔ تب وفاقی حکومت نے اس کی بڑی مدد کی اور پالیسیوں میں نمایاں تبدیلیاں کی گئیں۔

یہاں صنعتوں کا ایک جال بچھا ہوا ہے جہاز سازی اور اسلحہ انڈسٹری کے علاوہ کیمیکل انڈسٹری' کپڑا سازی' پرنٹنگ اور پبلشنگ کی صنعتیں اہمیت رکھتی ہیں۔ اس شہر میں جہاں مالدار اور دنیا کے امیر ترین لوگوں کی کثرت ہے وہاں انتہائی غربت بھی دیکھنے میں آتی ہے۔ اور لاکھوں سیاہ فام سوشل سیکورٹی کے گذارہ الاؤنس پر زندگی بسر کر رہے ہین۔ عام طور پر نیو یارک کا شمال مشرقی اور مڈویسٹ کا علاقہ برفانی طوفانوں کی زد میں رہتا ہے۔ بعض شدید طوفانوں میں سمندری لہریں بھی شہری آبادیوں پر چڑھ آتی ہیں کیونکہ سمندر ہر جگہ شہریوں کا قریب ترین ہمسایہ ہے۔ طوفان سے بپھر جانے کے بعد یہ کسی ہمسائیگی کا لحاظ نہیں کرتا اور بعض اوقات یہ طوفان برق و باد امریکہ جیسے ملک میں بھی بجلی کا نظام ناکارہ بنا دیتا ہے۔ ایسے میں تمام کاروبار زندگی معطل کر کے ایمرجنسی نافذ کر دی جاتی ہے۔ اگر گھروں کو گرم رکھنے کے لئے گیس کا متبادل نظام نہ ہو تو لاکھوں افراد سردی کی شدت سے مر جائیں۔ بلا کی سردی اور طوفانی موسموں میں سب وے پر پناہ لینے والے اور پارکوں وغیرہ میں پڑے رہنے والے کئی غریب امریکی پھر بھی موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ امریکہ کے رضا کار ادارے اور پولیس و ہنگامی امداد کے مراکز بلا امتیاز ہر ایک کی مدد کے لئے دن رات سرگرم نظر آتے ہیں۔

ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر جب یہ اعلان شروع ہوتا ہے کہ فلاں سمت سے کوئی شدید طوفان نیویارک کی طرف بڑھ رہا ہے اس کے ساتھ ستر اسی فٹ تک بلند سمندری لہریں بھی ہوں گی اور شدید برفباری کا بھی امکان ہے یہ طوفان برف و باد تین دن تک شہری و دیہی علاقوں پر یلغار جاری رکھے گا تو شہریوں میں قطعاً خوف و ہراس پیدا نہیں ہوتا۔ اتنا ضرور ہوتا ہے کہ وہ طوفان آنے سے پہلے گھروں میں پہنچ جاتے ہیں۔ اور کھانے پینے کی چیزیں جمع کر لیتے ہیں۔ پھر آسمان شفق رنگ اور اس کے بعد سرمئی ہوتا ہے۔ تیز تیز ہوائیں چلنا شروع ہو جاتی ہیں اور پھر گھپ اندھیرے کے ساتھ ہی قدرت کی ناموافق طاقتوں اور انسانی عزم و ہمت میں خوفناک جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ جب طوفان گذر جاتا ہے تو آناً فاناً ایمرجنسی والے متاثرہ لوگوں کی مدد کو پہنچ جاتے ہیں اور تین چار دن کے اندر طوفان کا تباہ کاریوں کے آثار بھی نہیں رہتے۔ ہر چیز معمول کے مطابق پھر سے رواں دواں نظر آتی ہے۔

نیویارک کی عظیم الشان مصروف ترین بندرگاہ میں گودیاں' مال گودام اور جہاز راں کمپنیوں کے دفاتر امریکہ جیسے عظیم ملک کی درآمدات و برآمدات کا زبردست کام انجام دے رہے ہیں۔ نیویارک کا شہر 368 مربع میل پر پھیلا ہے جبکہ یہاں کا اوسط درجہ حرارت 33 درجے فارن ہائٹ جنوری کے دوران اور 74 درجے فارن ہائٹ جولائی کے دوران رہتا ہے۔ یہاں کے میئر و میٹروپولیٹین کونسل کی میعاد چار سال ہوتی ہے اور کونسل کے ارکان کی تعداد 35 ہے۔

ثقافتی مرکز کی حیثیت سے پورے امریکہ میں نیویارک کا کوئی ثانی نہیں ہے بہت سی پبلشنگ فرمیں جو ملک کی کتابوں و اخبارات و جرائد کا بڑا حصہ چھاپتی ہیں اسی شہر میں ان کے صدر دفاتر واقع ہیں۔ شہر کی مشہور براڈوے سٹریٹ پیشہ ور تھیٹروں کا بڑا مرکز ہے اس کے علاوہ نیویارک ملک کے سب سے بڑے میوزیم (عجائب گھروں) اور آرٹ گیلریوں کا شہر بھی ہے۔ یہ نہایت قدیم' تاریخی اور فنی تعمیرات کے لحاظ سے نادر روزگار کلیساؤں اور فن تعمیر کے شاہکاروں کا مرکز بھی ہے۔ ڈانسنگ' ڈرامہ کمپنیوں اور اوپیرا ہاؤسز کی بڑی تعداد بھی لنکن سنٹر میں اپنے فن کے روزانہ مظاہرے کرتی ہے۔ اپنے ثقافتی اور تفریحی مراکز کی شہرت کی وجہ سے نیویارک کو ''بگ ایپل'' کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

اپنی تمام تر عظمت و شکوہ کے باوجود نیویارک کے ساتھ بعض نہایت سنجیدہ مسائل بھی وابستہ ہیں۔ ہزاروں تارکین وطن جو بہتر زندگی کی امید لے کر اپنے گھر بار سے دور یہاں آ کر آباد ہوئے' انہیں ابھی تک ان کی توقعات کے مطابق معیار زندگی میسر نہیں آیا۔ دس لاکھ سے زیادہ باشندے ایسے ہیں جنہیں روزگار حاصل نہیں اور جو حکومت کے عطا کردہ ویلفیئر فنڈ سے گذارہ الاؤنس حاصل کرتے ہیں۔ اور جھونپڑیوں اور گندے علاقوں میں رہنے پر مجبور ہیں۔ دیگر مسائل میں بڑھتی ہوئی آبادی سے پیدا ہونے والے

مسئلے' سڑکوں پر بے اندازہ ٹریفک اور اس کا جام ہو جانا' جرائم' منشیات کی لعنت' نسلی امتیاز وغیرہ یہ اور اسی قسم کے ہزاروں مسائل کا بے شمار خاندانوں خاص طور پر سفید فام اوسط درجے کا خاندانوں کو سامنا ہے۔ جو شہروں کے نواح میں سستے علاقوں میں رہائش رکھنے پر مجبور ہیں۔ اس کے باوجود نیو یارک شہر انتہائی دلچسپ' پر کشش اور حیران کن شہر ہے۔ اور بہت سے لوگ اسے امریکہ ہی کا نہیں دنیا بھر کا سب سے حیرت انگیز شہر سمجھتے ہیں۔

اٹلی کے ملاح ویرازونو (VERRASONO) نے سب سے پہلے نیو یارک کی خلیج دریافت کی تھی۔ 1524 میں ایک انگریز ہنری ہڈسن اس خلیج میں داخل ہوا اور اس نے اس خلیج کا نام ہڈسن بے (BAY) رکھا۔ 1614 میں ڈچ لوگوں نے مین ہٹن (MANHATTAN) کو آباد کیا چند سال بعد ان ڈچ لوگوں نے یہ علاقہ مقامی ریڈ انڈین باشندوں سے صرف 24 ڈالر میں خرید لیا اور دوسرے علاقے سے لوگوں کو لا لا کر یہاں آباد کرنے لگے اور اس کے گرد ایک دیوار تعمیر کر دی۔ 1664 میں انگریزوں نے اس علاقے کو فتح کر لیا۔

نئی دنیا کا یہ دارالحکومت پرانی دنیا کے لوگوں کے لئے پورے کا پورا عجائب گھر کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں قدم دھرتے ہی آنے والے مجسم حیرت بن جاتے ہیں۔ یہاں کا ٹریفک اور سڑکوں کا نظام ہی انگشت بدنداں کر دیتا ہے۔ بیک وقت چار پانچ کشادہ اور تیز رفتاری کے قابل سڑکیں آنے والوں کے لئے اور دوسری طرف اتنی ہی سڑکیں جانے والوں کے لئے بنی ہوئی ہیں گاڑی خراب ہو جائے تو علیحدہ پارک کرنے کے لئے جگہ مخصوص ہوتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ تمام سڑکیں جنگلوں سے نکلتی ہیں اور گھنے جنگلوں ہی میں گم ہو جاتی ہیں سڑک کے دونوں طرف گھنے جنگل' جھیلیں' دریا اور سمندر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان جنگلوں میں ہرن تک پائے جاتے ہیں مگر کیا مجال جو اسلحہ ہونے کے باوجود کوئی کسی جنگلی حیات کو نقصان پہنچائے۔ قانون کی پابندی سختی سے کی جاتی ہے اور خلاف ورزی پر بھاری جرمانے بھی ہوتے ہیں۔

نیو یارک کا شہر نیو یارک ریاست کے جنوب مشرقی کونے پر دریائے ہڈسن کے دہانے پر واقع ہے۔ اس کے 268 مربع میل رقبے میں 67 مربع میل رقبہ آبی ہے جو خشکی میں گھرا ہوا ہے۔ یہ شہر 5 انتظامی آبادیوں (BOROUS) میں یعنی مین ہٹن' برانکس' کوئنز' بروکلین اور سٹیٹن آئی لینڈ پر مشتمل ہے ان میں سے ہر ایک نیو یارک ریاست کی سیاسی آبادی COUNTY کہلاتی ہے۔

مین ہٹن (MANHATTAN) رقبے کے لحاظ سے سب سے چھوٹی کونٹی ہے اور 34 مربع میل علاقے پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ ایک لمبے' تنگ جزیرے پر آباد ہے جو مغرب میں دریائے ہڈسن کے ساتھ ساتھ چلا گیا ہے۔ مشرق میں ایسٹ ریور واقع ہے شمال اور

شمال مشرق میں ہرلیم (HERLEM) دریا واقع ہے اور جنوب میں دریائے ہڈسن کے دہانے پر خلیج نیویارک ہے۔

برانکس BRONX کی آبادی دریائے ہرلیم کے آر پار 50 مربع میل پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ دریائے ہڈسن کے ساتھ شمال کی جانب اور ایسٹ ریور کے ساتھ مشرق کی جانب پھیلتی چلی گئی ہے۔ یہ وہ واحد بارو (آبادی) ہے جو اب سٹیٹ نیویارک کے ساتھ پانی سے کٹی ہوئی نہیں ہے۔

اس علاقے کی سب سے بڑی آبادی (BOROUGH) کوئنز ہے جو لانگ آئی لینڈ کے شمال مغربی خطے میں 126 مربع میل رقبے پر پھیلی ہوئی ہے ایسٹ ریور کوئنز کے علاقے کو شمال میں برانکس سے اور مغرب میں مین ہٹن سے علیحدہ کرتا ہے۔

بروک لین (BROOKLYN) لانگ آئی لینڈ کے جنوب مغرب میں 88 مربع میل علاقے پر محیط ہے۔ یہ کوئنز کے جنوب اور جنوب مغرب میں اور مین ہٹن کے جنوب مشرق میں ایسٹ ریور کے آر پار واقع ہے۔

سٹیٹن آئی لینڈ (STATEN ISLAND) جو شروع میں (BOROUGH OF RICHMOND) کہلاتا تھا 65 مربع میل پر پھیلا ہوا ہے یہ خلیج نیویارک کے اوپر اور لوئر خطوں میں بروکلین کے مغرب میں اور مین ہٹن کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔

نیویارک شہر کی دیہاتی انداز رکھنے والی یہ آبادی (BOROUGH) بڑی حد تک نہری ٹرمینل کا درجہ رکھتی ہے۔ رچمنڈ ٹاؤن دراصل انقلاب سے پہلے کی یادگاروں کو محفوظ کر لینے والا علاقہ ہے جن میں قدیم ترین مذہبی فرقے VOORLEZER کے بانی کا مکان ہے نیز قدیم ترین ابتدائی سکول بھی ہے اس کے علاوہ یہاں اور بھی بہت سی قدیم یادگاریں محفوظ کر لی گئی ہیں۔

◆◆◆

مین ہٹن

مین ہٹن (MANHATTAN) نیویارک شہر کی سب سے پرانی اور اہم آبادی ہے۔ یہ ساڑھے تیرہ میل طویل اور سوا دو میل عرض میں پھیلی ہوئی ہے۔ جو غالباً" چوڑائی کے لحاظ باقی باروز سے سب سے زیادہ ہے۔ اس علاقے میں پندرہ لاکھ سے زیادہ افراد رہائش رکھتے ہیں۔

مین ہٹن (MANHATTAN) سے بھرا ہوا خوبصورت جزیرہ ہوا کرتا تھا اور یہاں تک پہنچنے کے لئے مقامی جنگلی باشندے کھوکھلے تنوں سے بنائے ہوئے CANOE پر یہاں پہنچتے تھے۔ دریائے ہڈسن زیریں مین ہٹن کو چھو کر گذرتا ہے۔ اور اس دریا پر واقع بندگارہ مال بردار جہازوں اور مسافر بردار FARRIES کے لئے ٹرمینل کا کام دیتی ہے 1524 کا زمانہ تھا جب اٹلی کا ملاح GIOVANNI جو شاہ فرانس کا ملازم تھا مین ہٹن کے جزیرے پر اترا۔ تب وہ ایشیا تک پہنچنے کے لئے جو اس زمانے میں سونے کی چڑیا کے طور پر مشہور تھا' آبی راستے کی تلاش میں روانہ ہوا تھا۔ کوئی صدی بعد وہاں پہنچنے والی نسلوں کو پتہ چلا کہ جس سونے کی چڑیا کی تلاش میں ان کے آباؤ اجداد فرانس سے نکلے تھے وہ دراصل ایشیا نہیں مغرب کی یہی دنیا تھی مین ہٹن کے گھنے جنگلات کے پیچھے قدرت کے لامحدود اور عظیم خزانے بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی فطری خوبصورتی کو دیکھتے ہوئے مقامی لوگوں نے جزیرے کو MANNHATTAN آسمانی سرزمین کا نام دیا۔ کم وبیش ایک صدی گذرنے کے بعد ایک انگریز ہنری ہڈسن نے جو ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ملازم تھا اس جزیرے اور دریا کا سراغ لگایا۔ یہ دریا آج بھی اسی کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ 1625 میں ڈچ نوآبادکاروں نے مقامی باشندوں سے اسے صرف 24 ڈالر مالیت کی کوڑیوں اور رنگ دار خوبصورت کپڑوں کے عوض خرید لیا اور اس کا نام NIEVUW AMSTERDAM رکھا۔ 40 سال بعد برطانیہ نے اس پر قبضہ کر لیا اور اس کا نام نیویارک رکھا۔ تب یہ شمالی امریکہ کے سب سے اہم شہر کی حیثیت اختیار کر گیا۔

لوئر مین ہٹن ہی بعد میں نیویارک شہر کی بنیاد بنا جسے امریکی بگ ایپل بھی کہتے ہیں۔ امریکہ کا پہلا صدر اسی شہر سے منتخب ہوا اور اسی شہر کو قوم کے اولین صدر مقام کا اعزاز بھی حاصل رہا۔ یہ شہر کی آبادی کا سب سے پرانا حصہ ہونے کے علاوہ زمانہ قدیم میں بحری جہاز رانی کا اہم مرکز بھی تھا۔ لوئر مین ہٹن پورے نیویارک میں سب سے بڑا مالیاتی مرکز اور مالدار ترین علاقہ بھی ہے مین ہٹن ہی میں

شہر کی سب سے بلند عمارتیں' سب سے بڑے تعلیمی سکول اور کالج اور نہایت مشہور مالیاتی مرکز اور تھیٹر یکل ادارے بھی واقع ہیں۔

مین ہٹن کا علاقہ اپنے کئی تضادات کے لحاظ سے مشہور ہے۔ امریکہ کے بعض مشہور ترین دولت مند گھرانے اسی شہر کے خوبصورت رہائش علاقوں اور پر آسائش بلند عمارتوں میں مقیم ہیں جبکہ بعض انتہائی غریب کنبے بھی اس شہر کی گندی' پرانی اور آسائشوں سے محروم گلیوں میں گذر بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ یہ لوگ کم کرائے کے پراجیکٹوں کے تحت بنائے گئے مکانوں میں رہتے ہیں۔ ایسے بہت سے مکان اب منہدم ہو رہے ہیں۔

مین ہٹن کا بڑا حصہ کنکریٹ کی پختہ عمارتوں اور اسفالٹ سے تعمیر شدہ ہے۔ اس کی بلند و بالا فلک بوس عمارتوں پر چڑھ کر دیکھیں تو شہر کی سڑکیں گرنیڈ کینیاں کا منظر پیش کرتی ہیں یوں لگتا ہے جیسے کسی کنوئیں میں جھانک رہے ہوں۔ اس طرح سڑک پر کھڑے ہو کر کسی عمارت کی اوپر والی منزل تک نظر پہنچانا ممکن ہوتا ہے۔ ٹوپی آج کل پہنی ہی نہیں جاتی اگر پہنی جاتی تو اس کے گرنے کا محاورہ ضرور درست ثابت ہوتا۔ لیکن شہر کے اسی حصے میں ان گنجان آباد محلوں اور فلک بوس عمارتوں کے درمیان ایک وسیع و عریض سنٹرل پارک بھی ہے جہاں تنگ آبادیوں سے نکلتے ہی کھلی' صاف اور کشادہ فضا کا دلکش احساس ضرور ہوتا ہے۔ یہ پارک 840 ایکڑ رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔ یہاں دور تک پھیلے ہوئے سبزہ زار' درخت' پہاڑ اور جنگلات غرض کیا کچھ نہیں ہے۔

مین ہٹن میں دنیا کی بعض ایسی نادر و نایاب اشیا کی دکانیں بھی ہیں جو اور کہیں نہیں ملیں گی۔ یہاں دنیا کے عظیم الشان ڈیپارٹمنٹل سٹورز جو ملک بھر سے تاجروں اور دکانداروں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ نیویارک میٹروپولیٹن کے اس سب سے اہم حصے میں چھوٹی دکانیں اور شاپنگ سنٹر بھی ہیں جو مقامی باشندوں کی ضروریات کو کما حقہ پورا کرتے ہیں۔

نیویارک کا مالیاتی مرکز شہر کے جنوبی سرے پر واقع ہے۔ اور اس کا مرکزی علاقہ وال اور براڈوے سٹریٹ ہیں۔ بہت بڑے بڑے بینک' بروکریج ہاؤسز اور سٹاک ایکسچینجوں کے صدر دفاتر یہیں ہیں۔ عظیم ورلڈ سنٹر بھی اسی جگہ دریائے ہڈسن کے کنارے واقع ہے۔ یہ سنٹر 110 منزلہ دو ایک جیسے (ٹوئن) ٹاورز پر مشتمل ہے۔ جن کے اندر ہزاروں تجارتی کاروباری اور سرکاری عمارتوں کے دفاتر ہیں۔

◆◆◆

نیشنل میموریل

وال سٹریٹ پر ہی ایک یونانی طرز کی عمارت ہے جس کے باہر ایک اونچی کرسی پر جارج واشنگٹن کا مجسمہ نصب ہے۔ گول بھاری بھرکم ستونوں کے عقب میں ایک کشادہ برآمدہ ہے جہاں سے فیڈرل ہال نیشنل میموریل کے اندر جانے کا راستہ ہے۔ یہاں ایک تاریخ کی عکاسی کرنے والا میوزیم بھی ہے جو وال سٹریٹ اور ناسو اسٹریٹ کے سنگم پر لوئر مین ہٹن میں واقع ہے۔ جس کی دیکھ بھال نیشنل پارک سروس کے ذمے ہے۔

یہی وہ جگہ ہے جہاں 1776 میں امریکہ کے اعلان آزادی کا منشور پہلی دفعہ پڑھا گیا اور یہاں پہلی امریکی کانگریس نے پہلے انتخابات کے ووٹوں کی گنتی کی تھی اور یہیں صدر جارج واشنگٹن نے پہلی بار اپنے عہدے کا حلف اٹھایا تھا۔ میوزیم میں صدارتی تقریبات کی یادگار تصاویر پینٹنگز رسمی وردیاں ملبوسات' فرنیچر اور سامان جنگ بھی رکھا گیا ہے۔ بہت سی ممتاز قومی شخصیات کے مجسمے بھی رکھے گئے ہیں۔ یہ عمارت مختلف وقتوں میں قومی کیپیٹل بلڈنگ امریکہ کا کسٹم ہاؤس اور خزانے کا دفتر بھی رہی ہے۔

اسی سڑک پر آگے چل کر ٹرینٹی چرچ کی شاندار عمارت ہے۔ اس جگہ پہلے ایک گرجا ہوتا تھا جسے 1698ء میں تعمیر کیا گیا مگر 1839ء میں آگ لگنے سے تباہ ہو گیا 1846ء میں اسے دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ گوتھک چرچ کے طور پر یہ امریکہ کا عظیم ترین چرچ ہے۔ اس کے اندر بھی میوزیم ہے جس میں تاریخی نوادرات محفوظ ہیں۔

◆◆◆

ایمپائیر سٹیٹ بلڈنگ

مین ہٹن کے قلب میں اس عظیم الشان عمارت کی تعمیر 1931ء میں شروع ہوئی اور چار عشروں تک یہ دنیا کی بلند تین عمارت تسلیم کی گئی۔ سیاح اس کے اندر سے شیشے کی دیواروں کے ذریعے باہر دور دور تک کا نظارہ کرتے ہیں اس کا ابزرویشن ٹاور سیاحوں کی سہولت کے لیے رات کو بھی کھلا رہتا ہے۔ تاکہ تھیٹروں اور ریستورانوں سے نکلنے کے بعد اس طرف آئیں تو انہیں مایوسی نہ ہو۔ اس کی اونچائی 222 فٹ کے ٹی وی ٹاور سمیت 1472 فٹ ہے۔ اچھے موسم میں اس کی چھت پر سے سیاح چالیس پچاس میل تک کا فضائی منظر دیکھ سکتے ہیں۔ ایمپائیر سٹیٹ بلڈنگ میں داخل ہوتے وقت آپ کو گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ کا ایگزی بیشن سنٹر بھی نظر آئے گا۔ اسے دیکھنے کے لیے بھی ٹکٹ لینا ہوگا۔ سیاحوں کے لیے دلچسپی کا یہ بھی بہت بڑا مرکز ہے۔

شیشے اور ماربل کی یہ شاندار عمارت طرز تعمیر میں یورپ کے اثرات اور مقامی امریکی نقوش کا دلکش امتزاج ہے۔ اس میں ثقافتی تعلیمی مرکز' آرٹ سنٹر' سٹیٹ لائبریری' ٹاور ابزرویشن' ڈیک اور سٹیٹ ویٹ نام میموریل بھی قائم ہیں۔ یہاں سے شہر کے مختلف حصوں کو سیاحوں کے لیے گائڈڈ ٹور بھی چلتے ہیں۔ اس کے پرفارمنس آرٹ سنٹر EGG میں سارا سال ہی خوبصورت ڈرامے' رقص اور کھیل و فلمیں چلتی رہتی ہیں۔ ایمپائیر سٹیٹ ہی کے قریب نیویارک سٹیٹ میوزیم ہے جس میں شہر کی چار سو سالہ تاریخ محفوظ کر لی گئی ہے اس میں ایڈیرانڈیک کی جنگلی حیات سے لے کر فائیر انجن تک سب دیکھے جا سکتے ہیں۔

ایمپائیر سٹیٹ بلڈنگ کی نیچے کی منزل میں بہت بڑے ہال ہیں جنہیں (CON COURSE) کہا جاتا ہے ان میں سات عجائبات عالم کی قد آدم سے بھی بڑی تصاویر دیواروں پر آویزاں ہیں۔ اٹھویں تصویر جدید دنیا کے عجوبے ایمپائیر سٹیٹ بلڈنگ کی ہے جس کے ساتھ یہ دعوی درج ہے کہ یہ دنیا کی سب سے بلند عمارت ہے اگرچہ یہ دعوی اب درست نہیں رہا۔ 102 منزلہ اس بلڈنگ کا افتتاح 1931 میں ہوا تھا۔ تب یہ یقیناً سب سے بلند عمارت تھی۔ اس کے اندر سیاحوں کو اوپر نیچے لے جانے کے لیے 73 ایلی ویٹر اور لفٹ لگے ہیں۔ اس عمارت میں ساڑھے چھ ہزار کھڑکیاں ہیں جو سب کی سب شیشے کی ہیں جن سے باہر کا نظارہ ہو سکتا ہے اس کی تعمیر میں 60 ہزار ٹن فولاد استعمال کیا گیا تھا گزشتہ برس 25 لاکھ لوگوں نے اس عمارت کو دیکھا گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ اس عمارت ہی کے بالکل سامنے ہے اور اسی کا حصہ ہے اس کے اندر سینکڑوں شوکیس مجسمے' کھیلنے کے سامان اور دوسری چیزیں بھری پڑی ہیں جنہیں دنیا میں ریکارڈ کی حیثیت حاصل ہے۔ دنیا کے سب سے وزنی آدمی کا مجسمہ بھی ہے جو پچاس من بھاری تھا۔ یہ آٹھ فٹ

11انچ کا ایک مرد تھا۔ اس کے برابر 3فٹ کی ایک بونی عورت کا مجسمہ ہے۔ جس نے اپنے تمام عریاں جسم پر نقش و نگار (TATTOO) بنوا رکھے تھے اور جس کا نصف انچ حصہ بھی اس سے خالی نہ تھا۔ ایک مرغی بھی ہے جس نے 246دنوں میں 371انڈے دیئے۔ کھیلوں کے عالمی ریکارڈ قائم کرنے والوں کے مجسمے بھی نصب ہیں اس کے علاوہ خلا میں جا کر ریکارڈ قائم کرنے والے خلانوردوں کے مجسموں کے ساتھ ان کے عظیم کارناموں کی تفصیلات بھی درج کی گئی ہیں۔ موسیقاروں اور ان کے سینکڑوں آلات موسیقی بھی اور ان کی تفصیلات بھی محفوظ کر لی گئی ہیں۔ یہاں پر لفٹ میں 16 آدمی سوار ہو سکتے ہیں۔ لفٹ میں سوار ہو کر سب سے اوپر کی 102ویں منزل تک جایا جا سکتا ہے۔ ہر قسم کے کھانے پینے کا سامان ہوٹل اور ریستورانوں پر میسر ہے۔

مشرقی جانب دریا کے کنارے کرائسلر بلڈنگ اور اقوام متحدہ کی عمارت نظر آتی ہے۔ وہائٹ سٹون برج بھی یہاں سے صاف نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ ٹرائی برو برج اور تھراک نیک برج بھی ہے جو مین ہٹن کو بروک لین سے ملاتا ہے۔ مغرب میں دریائے ہڈسن اور سامنے نیو جرسی ہے۔ اور نیچے ہڈسن سکوائر گارڈون کا کنونشن سنٹر ہے۔ قریب ہی وال سٹریٹ ہے۔ شمال کی جانب راک فیلر سنٹر اور جارج واشنگٹن برج صاف نظر آتا ہے۔

ہیڈ کوارٹر اقوام متحدہ

اقوام متحدہ کی عمارت فرسٹ ایونیو میں 42اور 48سٹریٹ کے درمیان واقع ہے۔ 39منزلوں کی 505فٹ اونچی یہ عمارت تمام کی تمام سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے۔ اس کے اندر جانے کا راستہ تیسری منزل پر ہے جہاں ایک کھلے پانچ فٹ اونچے پلیٹ فارم پر ایک بہت بڑا پستول کا ماڈل رکھا ہے جس پر بہت بڑا قفل پڑا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ دنیا کے مسائل جنگ سے نہیں اسلحہ کے زور سے نہیں بلکہ میز کے گرد بیٹھ کر حل ہونے چاہئیں۔ عمارت 18ایکڑ رقبے پر محیط ہے۔

اس عمارت میں اقوام متحدہ کے رکن ممالک کے وفود کے دفاتر' لائبریریاں' ریسٹورنٹ اور جنرل اسمبلی کا سیکریٹریٹ ہے۔ اقوام متحدہ کے صدر دفاتر میں سیاحوں کا داخلہ 46سٹریٹ کے فرسٹ ایونیو سے ہوتا ہے۔ یہاں گائیڈ کی خدمات حاصل کی جا سکتی ہیں جو سیاحوں کو جنرل اسمبلی ہال اور سلامتی کونسل چیمبر میں لے جاتے ہیں۔ اقوام متحدہ کو دنیا بھر سے ملنے والے شاہکاروں کے عطیات بھی یہاں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس کے اندر جانے کا باقاعدہ ٹکٹ لینا پڑتا ہے۔

◆◆◆

فن وثقافت کا سب سے بڑا مرکز

لنکن سنٹر اس وقت نیو یارک کی گیارہ پرفارمنگ کمپنیوں کا مرکز ہے۔ جن میں نیو یارک فل ہارمونک سنٹر بھی شامل ہے۔ سنٹر کی تین بڑی عمارتیں ہیں جو ڈراموں وغیرہ کے لیے وقف ہیں۔ اس سنٹر میں سارا سال ہارمونیم' جاز' سرکس' اوپیرا' فلم' چیمبر میوزک اور تھیٹر وغیرہ ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں نمائشیں' مذاکرے' لیکچر' ریہرسل اور تقریباً 500 آرٹس ایونٹس جاری رہتے ہیں۔

پلازہ کی تینوں خوبصورت عمارتوں کے درمیان ایک فوارہ اور اس کے گرداگرد پانی کا تالاب ہے جس میں عمارتوں کا عکس بڑا منظری حسن پیدا کرتا ہے یہاں آنے والے سیاح میٹروپولیٹن اوپیرا ہاؤس' نیو یارک سٹیٹ تھیٹر۔ (نیو یارک سٹی بیلے اینڈ نیو یارک سٹے اوپیرا) اور ایوری (AVERY) فشر ہال (ہارمونک سمفنی) اور اس کے سوا اور بہت کچھ دیکھ سکتا ہے۔ یہاں بھی گائیڈ کی رہنمائی میں ٹور بہتر رہے گا۔

سرکل لائن

43 سٹریٹ سے بحری جہاز دریائے ہڈسن کی سیر کے لیے روانہ ہوتے ہیں۔ اور ایسٹ ہارلم ہڈسن دریا اور اوپر نیو یارک بے (BAY) کا 35 میل کا سفر 3 گھنٹے میں مکمل کرتے ہیں۔ 18 ڈالر فی کس کرایہ ہے اس میں سیاح نیو یارک شہر کے گرداگرد سفر کر کے اس کو ہر جانب سے بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔ یہ نیو یارک کے 22 پلوں کے نیچے سے گزرتے ہیں۔

امریکن میوزیم آف موونگ امیجز

35 ایونیو اور 36 سٹریٹ پر تاریخی استوریا سٹوڈیوز کمپلکس دیکھنے کی جگہ ہے۔ یہ ملک کا پہلا عجائب گھر ہے جو آرٹ' ہسٹری اور موشن فلموں و ٹیلی ویژن اور ویڈیو کی ٹیکنالوجی کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے۔ یہاں ہر دور کے کیمرے پروجیکٹروں' ملبوسات اور تصاویر و میگزین وغیرہ بطور یادگار محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ یہاں متعلقہ فلمیں بھی سکرین پر دکھائی جاتی ہیں۔

نیو یارک ہال آف سائنس

فلشنگ میڈوز کرونا پارک کا یہ ہال سائنس و ٹیکنالوجی سے متعلق ہے اس میں جو چیزیں دکھائی جاتی ہیں ان میں ایٹم کی دنیا'

سٹرکچرز و بایالوجی لائٹ اور فیڈ بیک خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ٹائم اسکوائر

براڈوے اور سیونتھ ایونیو کے مقام اتصال پر 42ویں سے 47 سٹریٹ تک کے علاقے میں پھیلا ہوا ٹائم سکوئر اخبار ٹائم کی عمارت کا دفتر بھی ہے۔ اس عمارت کے اوپر کمپیوٹر اور لائٹ سسٹم کے ذریعے ہر لمحے دنیا کی تازہ ترین خبر جلی حروف میں درج ہوتی رہتی ہے۔ اور اس علاقے سے گزرنے والے اشخاص کو تازہ اور اہم ترین خبروں سے آگاہ رکھنے کا یہ خودکار نظام رات کے اوقات میں بھی چالو رہتا ہے اس کے علاوہ جگمگاتے تھیٹر' فلک بوس عمارتیں اور بعقہ نور بازار اس علاقے کی خصوصیت ہیں۔

ساراٹوگہ سٹیٹ پارک

یو ایس 9 اور نیو یارک 50 سٹریٹ پر 2 میل جنوب میں گھنے جنگلات کے دو ہزار ایکٹر رقبے پر پھیلا ہوا یہ علاقہ SARATOGA پارک کہلاتا ہے۔ یہ معدنی چشموں کے پانی سے غسل کے لیے مشہور ہے یہاں ایسے بے شمار چشمے ہیں گرمیوں میں یہاں SPA لعل تھیٹر والے ڈانس اور میوزیکل پروڈکشن تیار کرتے ہیں۔ یہ سرگرمیاں جولائی اور اگست میں جاری رہتی ہیں۔ معدنی پانی کے چشمے اگرچہ بے شمار ہیں لیکن ان کی خوبی یہ ہے کہ ہر چشمے کے پانی کا ذائقہ اور خوشبو مختلف ہے۔

راک فیلر سنٹر

راک فیلر سنٹر نیو یارک کی شہرت کی دوسری بڑی وجہ ہے۔ یہ سنٹر 125 ایکڑ رقبے پر پھیلا ہوا ہے اور 21 عمارتوں پر مشتمل ہے۔ اسے دنیا کا سب سے بڑا نجی ملکیت کا کاروباری اور تفریحی سہولتیں مہیا کرنے والا مرکز کہا جاسکتا ہے۔ سنٹر کی عمارتوں میں آر سی اے کی 850 فٹ بلند بلڈنگ بھی شامل ہے۔ اس میں 5900 نشستوں کا حامل ریڈیو سٹی میوزک ہال نیز دنیا کا سب سے بڑا ان ڈور تھیٹر بھی ہے۔ نیو یارک شہر کے بہت سے عمدہ اور نفیس سٹورز ففتھ ایونیو کے ساتھ ساتھ شمال اور جنوب کی سمت پھیلے ہوئے ہیں۔ 47 سے 52 سٹریٹ کے درمیان پانچویں اور ساتویں ایونیو تک پھیلے ہوئے علاقے میں راک فیلر سنٹر کو شہر کے اندر شہر کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ شاندار اور عظیم الشان کاروباری اور تفریحی مرکز زیر زمین وسیع و عریض تفریح گاہوں' سرمائی و گرمائی انڈوز کھیلوں اور دیگر سرگرمیوں کی آماجگاہ ہے۔ زیر زمین اور زمین کے اوپر یونانی دیوتا پرومیتھس کے سنہری مجسمے کے سامنے سیاحوں کے بیٹھنے کے لیے خوبصورت باغ کے درمیان بہت سی جگہیں بنی ہیں جہاں ریسٹورنٹ انہیں ہر قسم کے کھانے اور مشروبات مہیا کرتے ہیں۔ اس سنٹر میں نیشنل براڈ

کاسٹنگ کارپوریشن کے ٹیلی ویژن سٹوڈیوز اور ریڈیو سٹی میوزیکل ہال انٹرٹینمنٹ سنٹر بھی ہے۔ اب معلوم ہوا ہے کہ (1995) اس کے مالک نے عدالت میں اپنے دیوالیہ ہونے کا کیس داخل کر دیا ہے۔

گرین وچ ویلج

گرین وچ ویلج براڈوے کے مغرب میں لوئر ایسٹ سائڈ پر واقع ہے۔ یہ علاقہ بھی آرٹسٹوں' لکھاریوں' موسیقاروں اداکاروں اور فنون لطیفہ سے تعلق رکھنے والے دوسرے لوگوں کے لیے کشش کا باعث ہے نیویارک کے کاروباری مرکز میں یہاں آپ کو ایک نئی دنیا ہی آباد ملے گی۔ اس کے افق پر نظر ڈالیں تو نیویارک کی فلک بوس عمارتیں صاف نظر آئیں گی اور جب گردوپیش دیکھیں تو دورویہ درختوں سے گھری سڑکیں اور ان پر متنوع طرز کے مکانات کی قطاریں عجب منظر پیش کر رہی ہوں گی۔ 14 سٹریٹ سے شمال کی جانب آگے بڑھیں تو 18 ویں اور 19 ویں صدی کے طرز تعمیر کی عمارتیں آپ کے قدم تھام لیں گی۔ ہاؤسٹن سٹریٹ سے جنوب کی طرف جائیں تو مغرب میں ہڈسن دریا اور مشرق میں براڈوے ہے۔ مارک ٹوئن' ٹینسی ولیمز' ایلز' روز ویلٹ' جیکسن پولاک جیسی روز لی اور ڈسٹن ہاف مین جیسے معروف افراد' مورخ' مصنف اور دیگر فنکاروں نے گرین وچ ویلج کو اپنی رہائش کے لیے منتخب کیا۔ عصر حاضر میں یہاں میخائل بیری شنکوف (BARY SHINKOF) گریگری ہائنس جیسے معروف لوگ اقامت رکھتے ہیں۔

اس گاؤں کی دو بڑی خصوصیتیں یہاں کے تھیٹر اور جاز ہیں۔ تھیٹروں میں ایک مشہور و معروف ڈرامہ فنٹاسٹک ہے جو دنیا میں سب سے طویل عرصے سے مسلسل سٹیج کیا جانے والا واحد کھیل ہے۔ یہ ڈرامہ ماضی میں سلیوان سٹریٹ پلے ہاؤس میں 14 ہزار مرتبہ سٹیج ہو چکا ہے یہ محبت اور موسیقی کی لازوال کہانی ہے جس کو بار بار دیکھنے پر بھی جی نہیں بھرتا۔

گرین وچ ویلج میں عام دلچسپی کی بہت سے دکانیں' آرٹ گیلریاں اور کئی سینما ہاؤسز بھی ہیں۔ آرٹس کے شعبوں سے تعلق رکھنے والے بہت سے فنکار اس کے جنوب میں سوہو (SOHO) کے علاقے میں رہائش رکھتے ہیں۔ گرین وچ ویلج میں سیاح اور طالب علم بڑی تعداد میں نظر آئیں گے۔ نیویارک کے وسطی علاقے میں اس کی اہمیت مسلمہ ہے۔ یہ بہت خوبصورت شاپنگ سٹی ہے۔ یہاں چھوٹے بڑے ریستوران اور کھانے پینے و کتابوں کے سٹال بکثرت ہیں۔ انارکلی کے کتابوں کے لنڈا بازار کی طرح یہاں بھی فٹ پاتھوں اور ریڑھیوں پر پرانی اور کم قیمت کتابیں فروخت ہوتی ہیں۔ یہاں شام کو بہت زیادہ رونق اور چہل پہل ہوتی ہے۔ اور اس چہل پہل کی روح رواں فنکار اور طلباء و طالبات ہی ہوتی ہیں۔

ہال آف سائنس

دی نیویارک ہال آف سائنس نئی پود کو سائنس کے کرشموں' عجائبات اور مبتدیات سے آگاہ کرنے کے لیے اہم خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس کو دیکھنے والے بچوں میں خود بخود سائنس سے دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ میلان طبع انہیں آگے چل کر ہونہار اور اچھے سائنسدان بننے میں مدد دیتا ہے۔ اسے ہم نیویارک میں سائنس اور ٹیکنالوجی کا واحد میوزیم کہہ سکتے ہیں۔

1964-65 میں نیویارک میں عالمی میلے کے سلسلے میں اس ہال کا قیام عمل میں آیا تھا۔ 1980 میں اسے بند کر دیا گیا اور اس میں وسیع پیمانے پر ردوبدل اور توسیع اور اضافے کے پراجیکٹ پر عمل درآمد شروع ہوا۔ 1986 میں اسے عوام خصوصاً نئی نسل کے لیے پھر کھول دیا گیا اب ہر سال تقریباً ڈھائی لاکھ افراد اسے دیکھنے آتے ہیں اور یہاں ڈیڑھ سو سائنسی نمائشیں منعقد ہوتی ہیں یہاں آنے والے بچوں کی حیرت کی اس وقت انتہا نہیں رہتی جب وہ طاقتور مائیکروسکوپ کے ذریعے تالاب کے پانی کے ایک قطرے میں جراثیم اور بیکٹیریا کی ایک بھرپور دنیا آباد دیکھتے ہیں۔ ماحول انسانی زندگی پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے؟ جہاز اور انجن کیسے پرواز کرتے اور چلتے ہیں' صابن اور پانی کے ایک بلبلے میں روشنیاں کیسے منعکس ہوتی ہیں' ہم روزمرہ جو پانی پیتے اور استعمال کرتے ہیں اس میں کیا کچھ ہمارے اندر چلا جاتا ہے' ہوا چکی اور پن چکی کا بنیادی فارمولا کیا ہے' انجن چلنے کا قدیم وجدید فارمولا کیا ہے' ایٹم کسے کہتے ہیں' اس کا تھری ڈائی مینشن ماڈل حیرتوں کے باب کھول دیتا ہے۔

ریڈیو اور ٹیلی ویژن براڈ کاسٹنگ کی ٹیکنالوجی کیا ہے کلوز سرکٹ کیسے کام کرتا ہے۔ خلائی پرواز کیونکر ممکن ہوئی۔ بے وزنی کی کیفیت سے کیسے عہدہ برآ ہوتے ہیں اور خلا بازوں کو کون کون سے امتحانوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ الغرض یہ سارے سائنسی علوم نمائشوں اور تجربات کے ذریعے دیکھنے والوں خصوصاً نئی نسل کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں اور سائنس دان اپنی قوم کو یقین دلاتے ہیں کہ: "WHAT EVER WE THINK, WE CAN DO."

ہال آف سائنس تک پہنچنے کے لیے فلشنگ کرونا پارک نزد شیا (SHEA) سٹیڈیم' کوئنز زد اور کوئنز میوزیم آف آرٹس کے بالکل قریب اور مین ہٹن کے وسط سے نصف گھنٹے کی ڈرائیو پر 111 سٹریٹ اور 46 ایونیو کے سنگم پر واقع ہے۔ اندر جانے کے لیے ٹکٹ ہے۔

سنٹرل پارک

سنٹرل پارک جو 59 اور 110 سٹریٹ تک پھیلا ہوا ہے۔ ففتھ ایونیو اور سنٹرل پارک ویسٹ کے درمیان مین ہٹن کی اپر ایسٹ

سائڈ اور اپر ویسٹ سائڈ کو جدا کرتا ہے۔ اپر ویسٹ سائڈ عرصہ ہوا مین ہٹن کے سب سے فیشن ایبل علاقے میں تبدیل ہو چکی ہے۔ کسی زمانے میں اس علاقے میں بہت سے مالدار شہریوں کے مکانات ہوا کرتے تھے آج کل اس علاقے میں ثقافتی تنظیموں اور اقوام متحدہ میں دوسرے ممالک کے وفود کی پر تکلف قیام گاہیں ہیں۔ اپر ویسٹ سائڈ بڑی حد تک درمیانے طبقے کے لوگوں کے مکانوں پر مشتمل ہے اس میں رہائشی اپارٹمنٹ، فلیٹس، رہائشی بنگلوں کے لمبے لمبے بلاک اور ہوٹل بنے ہوئے ہیں جو اینٹوں اور براؤن سٹون سے تعمیر کیے گئے ہیں۔

نیو یارک والے سنٹرل پارک کو باغ عدن (GARDEN OF EDEN) کا نام بھی دیتے ہیں۔ شہر کے قلب میں واقع اس پارک کو 1850 میں مشہور ماہر باغات فریڈرک لا اولمسٹڈ اور کارلورٹ واکس نے تعمیر کیا تھا۔ دیگر بہت سی خصوصیات کے علاوہ اس میں ایک قلعہ، کشتی رانی کے لیے جھیل، 20 کھیلوں کے میدان، ایک چڑیا گھر، ٹینس کورٹس اور سنٹرل واٹر ریزروائیر کے گرد اگرد ڈیڑھ میل طویل جاگنگ ٹریک بھی ہے۔ پارک میں گھومتے پھرتے اور پکنک مناتے ہوئے سیاح اوپن ائیر تھیٹر میں مفت شیکسپیئر کے سٹیج ڈرامے ALL IS WELL THAT END IS WELLL بھی دیکھ سکتے ہیں۔ اس پارک کا رقبہ 1834 ایکٹر ہے اور یہ پہاڑی راستوں، باغوں اور جھیلوں والے علاقے کے سنٹرل پارک کی صورت میں تعمیر کیا گیا ہے اس سے پہلے یہ سارا علاقہ صرف گھنا جنگل ہوا کرتا تھا جس میں جنگلی جانوروں کے سوا کچھ نہ تھا۔ اب یہ شہریوں اور سیاحوں کے لیے ایک بہترین تفریح گاہ ہے۔ چمکیلی دھوپ والے دنوں میں یوں لگتا ہے جیسے سارا نیو یارک اسے دیکھنے کے لیے امڈ آیا ہو۔ یہاں ہر عمر کے لوگ سائیکلیں چلاتے، جاگنگ کرتے اور سکیٹنگ میں مصروف نظر آئیں گے۔

پارک کے اندر سڑکوں پر ٹریفک بند ہے اس میں بیس بال، فٹ بال، ٹینس لان باؤلنگ پتنگ بازی اور دیگر کھیلوں کی سہولتیں موجود ہیں۔ بچوں اور خواتین کے لیے سائیکلیں کرائے پر بھی ملتی ہیں۔ پر فضا ماحول میں ریسٹورنٹ ہیں۔ اور ہر قسم کے مشروبات اور کھانے دستیاب ہوتے ہیں۔ کوئی کھیل کھیلنا چاہیں یا کسی میوزیکل کنسرٹ میں جانا چاہیں یا گھوڑا گاڑی اور بگھی کی سیر کرنا چاہیں تو گیٹ کے قریب 59 سٹریٹ پر قطار میں کھڑے ہو جائیں آپ کی باری جلد ہی آ جائے گی۔

امریکہ میں نیشنل پارک، قومی ساحلی تفریح گاہیں اور قومی تاریخی مقامات کی سیر کے لیے جانے والوں کو گولڈن ایگل، ایج اور گولڈن ایکسیس سپیشل پاسپورٹ بھی جاری کیے جاتے ہیں جن کے تحت یہ پاسپورٹ رکھنے والے کسی شخص کو ان مقامات پر داخلے کی فیس معاف کر دی جاتی ہے۔ گولڈن ایگل پاسپورٹ ایک کیلنڈر سال کے لیے ہوتا ہے اور اس کی فیس 25 ڈالر ہوتی ہے۔ گولڈن ایج

پاسپورٹ 62 سال یا اس سے اوپر کی عمر کے لوگوں کو جاری کیا جاتا ہے اور گولڈن ایکسیس پاسپورٹ معذور لوگوں کے لیے ہوتا ہے۔ ان دونوں درجوں کے لوگوں کو یہ پاسپورٹ مفت جاری کر دیئے جاتے ہیں۔ سنٹرل پارک میں داخلہ فیس 2 ڈالر فی کس ہے۔

یہاں اب جرائم بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ دن رات گھوڑ سوار امریکی پولیس کے گشت کے باوجود یہاں شام کے بعد کوئی نہ کوئی ضرور کسی جرائم کے ہاتھ چڑھ کر جان عزت یا دولت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اس لیے سیاحوں کو رات کے اندھیرے میں بہت محتاط رہنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔

◆◆◆

چائنا ٹاؤن

نیو یارک کی دو ممتاز لسانی آبادیاں وسطی حصہ کے مضافات میں زیریں مین ہٹن کے قریب واقع ہیں۔ چائنا ٹاؤن کینال سٹریٹ کے نیچے والے علاقے میں چیتھم (CHATHAM) سکوائیر کے نواح میں ہے۔ یہاں عبادت گاہیں' چینی طرز کی دکانیں اور سستے چینی ریسٹورنٹ ہیں جن میں سے بعض دن رات کھلے رہتے ہیں۔

دوسری لسانی آبادی (LITTLEITALY) ہے۔ جس کے جنوب میں چائنا ٹاؤن اور مغرب میں سوہو (SOHO) کی آبادیاں ہیں۔ یہ کینال سٹریٹ کے بالائی علاقے میں ہے۔ لٹل اٹلی میں بہت سے اطالوی طرز کے فوڈ سٹورز (پیسٹری شاپس) اور تازہ پھلوں کی مارکیٹیں ہیں۔ کچھ پیزا (PIZA) ریسٹورنٹ بھی ہیں جہاں سیاح بڑے شوق سے پیزا کھانے کے لیے آتے ہیں۔

چائنا ٹاؤن ایک پھلتے پھولتے اور وسعت پذیر مغربی دارالحکومت کے عین پہلو میں ایشیائی طرز معاشرت اور مزاج کا حامل محلہ یا آبادی دیکھ کر گمان گزرتا ہے کہ ہم نیو یارک سے میلوں دور چلے آئے ہیں۔ یہاں سڑکوں' گلیوں اور محلوں میں چپٹے ناک اور پستہ قد والے چینی اور کوریائی باشندے' مرد اور عورتیں' مغربی لباس کی پروا کیے بغیر اپنے قومی لباس میں گھومتے پھرتے اور شاپنگ کرتے نظر آئیں گے۔ یہاں ٹیلی بوتھ کے اوپر پگوڈا بنے ہیں اور دکانوں کے سائن بورڈ انگریزی میں کم اور چینی زبان میں بکثرت ہیں۔ گزشتہ دس برسوں میں چائنا ٹاؤن کے 29 بلاکوں کی تعداد بڑھ کر 70 ہوگئی ہے اور آبادی 70 ہزار سے تجاوز کر کے ایک لاکھ 50 ہزار تک پہنچ گئی ہے اور یہ غالباً مشرق سے باہر چینیوں کی سب سے بڑی آبادی ہے۔ یہاں تھائی لینڈ' ملائشیا' برما اور ویت نام کے باشندے بھی چینیوں میں گھل مل کر رہتے ہیں۔ مخلوط کلچر ثقافت اور معاشرے کا ایک زندہ و جیتا جاگتا نمونہ دیکھنا ہو تو اسے ضرور دیکھیں۔ اس کو شہر کے اندر شہر کا درجہ دے سکتے ہیں۔

بیجنگ میں 91 میں طلباء کی بحالی جمہوریت کی تحریک کو ٹینکوں کے ذریعے کچلنے کے بعد سے وہاں کمیونزم کو بچانے کے لیے نوجوانوں پر بے پناہ تشدد کا دور شروع ہوا جس کے بعد خوفزدہ آبادی نے راہ فرار اختیار کی۔ ایسے میں امریکہ نے فرار ہو کر امریکہ آنے والوں کے بارے میں ویزے اور سیاسی پناہ دینے کی بڑی فراخدلانہ پالیسی اختیار کی۔ اور جو بھی چینی کسی بھی ذریعے امریکہ آنا چاہتا اس کو اس بات کی اجازت دے دی جاتی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تائیوان کے راستے اور دوسرے ملکوں کے ذریعے دو تین برسوں میں

لاکھوں چینی باشندوں کو امریکہ میں سیاسی پناہ یا مستقل قیام کی اجازت مل گئی اب حالت یہ ہے کہ نیو یارک میں کہیں بھی چلے جایئے چینی آپ کو بکثرت ملیں گے۔ نیو یارک پر ہی کیا موقوف ہے امریکہ کی تقریباً ہر ریاست میں چینی پہنچ چکے ہیں اور تقریباً ہر جگہ یہ یکجا ہو کر رہتے ہیں اور انہوں نے ہر بڑے شہر میں چائنا ٹاؤن کے نام سے اپنی الگ بستیاں قائم کر رکھی ہیں۔ نیو یارک میں چینیوں کے علاوہ تائیوانی اور کوریا کے باشندے بھی بکثرت آ چکے ہیں اور ہر روز ان ملکوں سے بھرے ہوئے ہوائی جہاز پہنچ رہے ہیں۔ یہ چینی زیادہ تر اپنا کاروبار کرتے ہیں ہوٹل کا بزنس اور جوتوں کا کاروبار ان کا پسندیدہ پیشہ ہے۔ نیو یارک میں ان کی اتنی بڑی تعداد کو دیکھ کر لٹل چائنا ان امریکہ کا گمان گزرتا ہے۔ چونکہ چین سے ہر قسم کے لوگ فرار ہو کر یہاں آباد ہوئے ہیں ان میں جرائم پیشہ افراد بھی بکثرت ہیں۔ اور اسی وجہ سے نیو یارک میں جرائم پیشہ لوگوں میں سیاہ فاموں کے بعد چینیوں کا دوسرا نمبر ہے۔

◆◆◆

جیکسن ہائٹس

کوئنز کے علاقے میں 37 ایونیو پر جیکسن ہائٹس کی آبادی ہے۔ یہ خالصتا ایشیائی باشندوں خصوصاً پاکستان' ہندوستان اور بنگلہ دیش کے لوگوں کا رہائشی وکاروباری علاقہ ہے۔ جیکسن ہائٹس میں متعدد سڑکوں پر لمبے لمبے بازار اور دکانیں ہیں۔ اوران کے اوپر کی بیشتر عمارتیں رہائشی مقصد کے لیے استعمال ہوتی ہیں اگرچہ اب بازار کی وسعت ان رہائشی فلیٹوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے رہی ہیں۔ غالباً لندن کا ساؤتھ ہال کا علاقہ اسی طرح کا ہوگا۔ یہاں سڑکوں اور گلیوں میں ہندو سکھ اور مسلمان اردو پنجابی بولتے عام ملیں گے۔ وہی ہمارے ملکوں کی طرح بازاروں میں جگہ جگہ لوگوں کے جمگھٹے لگے ہوتے ہیں جہاں اونچے لہجے میں بے تکلف پنجابی بولی جارہی ہوتی ہے۔ دوطرفہ دکانوں پر اردو اور ہندی میں لکھے ہوئے لمبے لمبے بورڈ لگے ہوئے ہیں۔ دوسڑکوں کے سنگم پر عام طور پر آپ کو سبزی اور فروٹ کی دکانیں ملیں گی۔ ان میں سے بیشتر دکانیں پاکستانیوں کی ہیں دکانوں پر آپ ''سبزی منڈی'' کا بڑا سا بورڈ دیکھ کر پریشان نہ ہوں۔ ان میں آپ کو کٹے ہوئے تربوز اور خربوزے سے لے کر آم اور ہر قسم کا پھل اور سبزی ترکاری ملے گی۔ ٹماٹر یہاں بہت بڑا اور گول ہوتا ہے۔ کیلے اور کھیرے بھی بہت بڑے سائز کے ہوتے ہیں۔

ہندوؤں اور سکھوں اور بہت کم مسلمانوں کی بڑی بڑی دکانیں ہیں جو عام طور پر ساڑھیوں' شادی بیاہ کے گوٹہ کناری اور کام والے سلے اور بغیر سلے کپڑوں' سوٹ کیسوں' بکسوں' بجلی خصوصاً الیکٹرانکس کے سامان اور کیمروں سے بھری ہوئی دکانیں ملیں گی جن میں جا کر آپ کو خریداری کرتے وقت بالکل اپنے وطن جیسا ماحول ملے گا۔ ہندوؤں اور سکھوں کے پورے پورے خاندان ان دکانوں کو چلا رہے ہیں۔ سکھ نوجوان عورتیں بڑی بی بیاں اور بزرگ سب ہی کائنٹروں پر کھڑے مول تول کرتے ملیں گے۔ یہ لوگ آپس میں تو پنجابی بول رہے ہوں گے لیکن جب آپ جائیں گے تو انگریزی میں بات کریں گے۔ اگرچہ آپ کی پنجابی یا اردو سمجھ لیں گے۔ زیادہ تر کاروبار بمبئی' مدراس اور کیرالہ یا مشرقی پنجاب کے لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ پاکستانیوں نے کھانے پینے کی دکانوں مثلاً دہی' لسی' مٹھائی' سموسوں اور پکوروں یا ہوٹلوں کو اپنے لیے پیشہ کے طور پر پسند کیا ہے۔ یہاں گرما گرم پکوڑے اور سموسے دیکھ کر آپ کا کھانے کو جی چاہے گا۔ نصف ڈالر کا ایک سموسہ دیں گے لیکن وہ بات کہاں جو پاکستان میں آپ کو ملے گی۔ اسی طرح مٹھائی کی دکانوں پر جلیبی اور برفی ولڈو عام ملیں گے لیکن جب آپ قیمت سنیں گے تو کانوں کو ہاتھ لگالیں گے۔ آٹھ ڈالر کی ایک پونڈ برفی دیتے

ہیں۔ جیکسن ہائٹس میں عورتیں ساڑھیوں یا شلوار قمیص میں ملبوس نظر آئیں گی۔ مرد عام طور پر پتلون قمیص اور کچھ پاجاموں شلواروں اور دھوتیوں میں بھی ملیں گے۔ پاکستان اور ہندوستان کے بازاروں کی طرح یہاں بھی زیادہ قیمت بتا کر چک چکا کرنا پڑتا ہے۔ نیو یارک میں کہیں سے بھی کوئی چیز خریدیں سیلز ٹیکس ساڑھے آٹھ فیصد علاوہ چارج کیا جاتا ہے۔ جیکسن ہائٹس کے دکاندار رسید نہ دینے کے وعدے پر یہ ٹیکس چھوڑ بھی دیتے ہیں۔ یعنی یہ ایشیائی لوگ اپنے ساتھ کئی بری عادتیں بھی لائے ہیں۔

یہاں ہمارے ملک کی طرح ''ہر مال ملے گا''..... کی دکانیں بھی ہیں۔ ان دکانوں کے باہر بڑے بڑے پوسٹر لگے ہوتے ہیں۔ ہر مال ملے گا 99 سینٹ۔ ساتھ والی دکان پر بورڈ لگ جاتا ہے ہر مال ملے گا 98 سینٹ۔ کاروباری مقابلہ زوروں پر ہوتا ہے لیکن یہ صرف یہاں کی ہی نہیں نیو یارک کے تمام بڑے بڑے بازاروں کی ریت ہے۔ مین ہٹن میں بھی اس قسم کی دکانیں عام نظر آئیں گی۔

لانگ آئی لینڈ سٹی

کوئنز بارو (QUEENS BOROUGH) کا ایک شاندار علاقہ لانگ آئی لینڈ سٹی ہے۔ یہ 134 میل کی لمبائی میں پھیلا ہوا ہے اور ایسٹ ریور کے ساتھ ساتھ اس میں بے شمار صنعتی یونٹ بھی واقع ہیں جن میں ایف 14 ٹام کیٹ طیارہ ساز فیکٹری بھی ہے جس میں تین ہزار کارکن کام کرتے تھے اور روس سے محاذ آرائی ختم ہونے اور زیادہ جدید طیارے ایجاد ہونے کے بعد اسے بتدریج بند کیا جا رہا ہے۔ لانگ آئی لینڈ کا علاقہ نیو یارک شہر کی سب سے خوبصورت اور عالیشان آبادی تصور کیا جاتا ہے۔ یہاں رہائشی مکان ایکڑوں پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اور ان کے کرائے بہت زیادہ ہیں مکانوں کے گرد وسیع سرسبز لان اور سوئمنگ پول ہیں۔ علاقے میں سکول، کالج، جدید ترین ہسپتال اور یونیورسٹیاں ہیں۔ مال (بازار) بے پناہ خوبصورت ہیں اور یہاں صرف امریکیوں کا مالدار طبقہ یا ایگزیکٹو کلاس ہی رہتی ہے تمام آبادی قریب قریب سفید فاموں کی ہے جو اپنے علاقے میں سیاہ فاموں یا رنگ دار لوگوں کی رہائش کو نا پسند کرتے ہیں۔ اس کا صنعتی علاقہ شہری آزادی سے بالکل الگ تھلگ ہے۔ سڑکیں بہت کشادہ اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر خوبصورت پارک اور جھیلیں ہیں۔ میٹروپولیٹن اس علاقے پر خصوصی توجہ دیتی ہے۔ یہاں ٹیکس بھی زیادہ ہیں اور کارپوریشن اس پر خرچ بھی بہت زیادہ کرتی ہے۔

ہرلیم (HARLEM) امریکہ میں سیاہ فاموں کا مشہور و معروف علاقہ سنٹرل پارک کے شمال میں واقع ہے۔ یہ گذشتہ ستر برسوں سے سیاہ فاموں کی کاروباری اور ثقافتی سرگرمیوں کا مرکز چلا آ رہا ہے۔ ہرلیم کے شمالی سرے پر دریائے ہرلیم کے ساتھ ساتھ

نمونے کے رہائشی مکانات کے پراجیکٹوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ ہرلیم کے مغرب میں اور دریائے ہڈسن کے ساتھ کے درمیانی علاقے میں مختلف تعلیمی ادارے' مذہبی تنظیموں کے دفاتر اور ثقافتی مراکز قائم ہیں۔ نیو یارک سٹی یونیورسٹی کا سٹی کالج' مارننگ سائڈ ہائیٹس کے شمال میں واقع ہے۔ یہ وہ علاقہ ہے جو کسی زمانے میں امریکی مدبر و سیاستدان الیگزنڈر ہملٹن کی ملکیت ہوتا تھا۔

واشنگٹن ہائٹس (HEIGHTS) اور جنگلات کا درمیانی علاقہ مین ہٹن کا شمالی خطہ ہے۔ یہ بوڑھے لوگوں کی رہائش گاہ اور جدید ترین ہاؤسنگ پراجیکٹوں پر مشتمل ہے۔ کولمبیا پریس' بائی میڈیکل سنٹر' یاشیوا یونیورسٹی اور قرون وسطی کے آرٹ کے شاہکاروں والے میوزیم واشنگٹن ہائٹس کا طرہ امتیاز ہیں۔

لانگ آئی لینڈ کا دیہی علاقہ انگور کی کاشت کے لیے بڑی شہرت رکھتا ہے یہاں میلوں تک انگور کے باغات ہیں جن سے اعلیٰ قسم کی انگور کی شراب کشید کی جاتی ہے۔

◆◆◆

نیاگرافالز

دنیا میں نیاگرافالز سے بھی بلند بہت سے آبشار ہیں لیکن بہت کم اس جیسے سنسنی خیز اور حیرت واثر انگیز ہوں گے۔ یہ لیک ایری (ERIE) اور لیک اونٹاریو (ONTARIO) کے درمیان میں جہاں نیاگرا دریا دونوں جھیلوں کو ملاتا ہے 2 سوفٹ کی بلندی سے 45 لاکھ ملین گیلن پانی فی منٹ کی مقدار میں گرتا ہے۔ امریکہ کی جانب سے اسے دیکھنے کے لیے 280 فٹ بلند ایک آبزرویشن ٹاور قائم کیا گیا ہے۔ یہاں ایک برقی متحرک پلیٹ فارم سیاحوں کو لے کر نیچے جاتا ہے۔ گوٹ آئی لینڈ 170 ایکڑ رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔ اور آبشار کے تین طرف احاطہ کرتا ہے۔ سیاح اس پارک میں گھوم پھر کر نیاگرافالز کو بہت قریب سے دیکھ سکتے ہیں۔ یہ امریکہ کو کینیڈا سے جدا کرتا ہے۔ گویا اس کا ایک رخ امریکہ سے اور دوسرا کینیڈا سے دیکھا جاسکتا ہے۔ کینیڈا کی طرف سے لونا آئی لینڈ پر سے اس آبشار کا نظارہ کیا جاسکتا ہے۔ یہاں سے کوئین وکٹوریہ پارک سے اس آبشار کا منظر بڑا حیران کن ہوتا ہے۔ آبزرویشن ٹاور بڑے صاف و شفاف مناظر پیش کرتے ہیں۔ مزید تفصیلی جائزے کے لیے سیاحوں کے لیے کشتیوں کا انتظام بھی ہے۔ کیبل کار (فضائی) ایلی ویٹر سرنگیں یا پیدل سیاحت کے بھی معقول انتظامات ہیں۔ رات کو آبشار روشنیوں سے جگمگا رہا ہوتا ہے۔ جو سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی جل اٹھتی ہیں اور تمام رات سارے منظر کو بقعہ نور بنائے رکھتی ہیں۔

نیاگرافالز خودکشی کرنے والوں کا پسندیدہ مقام ہے۔ زیادہ تر وارداتیں گولڈن گیٹ اور برج سان فرانسکو پر سے ہوتی ہیں۔ اس جگہ سے خودکشی کے رجحان میں برابر اضافہ ہو رہا ہے گذشتہ 11 برسوں میں 65 افراد نے امریکہ کی جانب سے آبشار میں کود کر خودکشی کی جبکہ 85 افراد نے کینیڈا کی جانب سے ایسا کیا۔ خودکشی کرنے والوں میں عورتیں بھی ہوتی ہیں جن کی اوسط تعداد 40 فیصد ہے۔ زیادہ تر خودکشیاں محبوبوں کی بے وفائی کی وجہ سے کی جاتی ہیں۔ اور زیادہ وارداتیں اگست کے مہینے میں ہوتی ہیں۔

نیاگرا ایکوریم

701 ورل پول سٹریٹ پر آبی مخلوقات کا ایک ایکوریم بھی ہے جس میں پنگوئن، برقی مچھلیاں اور دریائی اود بلاؤ وغیرہ کھلے ماحول میں رکھے گئے ہیں۔ ڈولفن اور سی لائن (سیل مچھلیاں) بھی یہاں موجود ہیں۔ مئی سے ستمبر تک عام لوگ انہیں دیکھ سکتے ہیں۔

آرٹ پارک

رابرٹ مونس پارک وے سے فورتھ سٹریٹ پر نیویارک سٹیٹ پارک میں تھیٹر' ڈانس' جاز' مجسمے ' دستکاریوں کے مراکز اور عوامی دلچسپی کی دیگر چیزیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ یہ نمائش سارا سال لگی رہتی ہے۔

بروک مانیومنٹ

نیاگرا پارک وے کے جنوب میں کوئنز ہائٹس پارک میں نیاگرا جھیل پر 1812 کی جنگ کو لنڈن ہائٹس کے ہیرو سر آئزک بروک کا مجسمہ نصب ہے جو 185 فٹ بلند ہے اس کی بلندی تک چکردار سیڑھیاں جاتی ہیں۔ جہاں سے نیاگرا دریا اور آس پاس کے علاقوں کا نظارہ کیا جاسکتا ہے۔

آبزرویشن ٹاور

فالز ایونیو پر 350 فٹ لند یہ ٹاور میپل لیف کے گاؤں میں واقع ہے یہاں ایک انڈور ڈیک (عرشہ) ہے جس پر نیاگرا کے علاقہ کا بخوبی جائزہ کیا جاسکتا ہے۔ جون سے اگست تک یہ سیاحوں کے لئے کھولا جاتا ہے۔

سکائی لائن ٹاور

رابنسن سٹریٹ پر 520 فٹ بلند ٹاور عظیم الشان نیاگرا فالز کے تمام منظر کا احاطہ کرتا ہے۔ ٹاور کی اوپر کی منزلوں میں گردش کرنے والے اور ساکت ریسٹورنٹ' شیشے کے ایلی ویٹر' ان ڈور اور آؤٹ ڈور مشاہدہ گاہیں اور ان کے علاوہ دکانیں اور تفریحی مرکز بھی واقع ہیں۔ مئی سے وسط اکتوبر تک سیاحوں کے لئے کھلا رہتا ہے۔

ونٹر گارڈن

رینیو بلیوارڈ پر کنونشن سنٹر اور آبشار کے درمیان واقع ہے۔ سات منزلہ اس استوائی باغ میں حوض' آبشار اور سات ہزار سے زیادہ درخت وغیرہ کو شیشے کے پیچھے سے دیکھا جاسکتا ہے۔

راچسٹر

جینی سی GENESEE ریور کے علاقے میں اور لیک اونٹاریو کے قریب واقع یہ جگہ پکچرسٹی کے نام سے مشہور ہے اس میں مشہور

عالم کوڈک کمپنی کے بانی جارج ایسٹ مین کی ایجادات اوران کے جدوجہد سے متعلق تصاویر اور فلمیں محفوظ کر لی گئی ہیں جو سیاحوں کی معلومات کے لئے انہیں دکھائی جاتی ہیں۔

یہ جگہ نیوجرسی سے 350 میل اور نیویارک شہر سے 450 میل کے فاصلے پر ہے۔ نیاگرافالز دیکھنے کیلئے سیاح نیوجرسی۔ سیراکیوز اور راچسٹر بفلیو کا کار کا سفر پسند کرتے ہیں۔ سپر ہائی وے۔ تیز رفتار سفر کے لئے موزوں ہے جبکہ خوش منظر علاقہ شہروں کے درمیان یا قریب سے گزرتا ہے۔ مسافت قدرے زیادہ ہوتی ہے لیکن ایہ انگور' سیب' آڑو' داخ اور سٹرابیری وبلیو بیری سے لدے ہوئے باغات کے درمیان سے جاتا ہے اور سیاحت کے شائق اس سینک وی (SCENIC VIEW) کو بہت پسند کرتے ہیں۔ نیاگرافالز راچسٹر سے 2 گھنٹے کی ڈرائیو پر ہے۔

نیویارک کو قدرت نے خوبصورتی' دلنوازی اور کشش کے بے پناہ خزانے عطا کئے ہیں جو پوری ریاست کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ سارا علاقہ نیویارک شہر اور اس سے ملحقہ جزیرے لانگ آئی لینڈ سے لے کے اوپر دریائے ہڈسن کی وادی اور کیٹس کل CATSKILL کے پہاڑی علاقوں نیز ی ایڈی رانڈیک (ADIRONDACK) پارک کے علاقے تک ہزاروں جزیرے اور ہاتھوں کی انگلیوں کی طرح سینہ ارض پر پھیلی ہوئی جھیلوں سمیت نیویارک کا سارا علاقہ ہر آنے والے سیاح کو حیرتناک خوابوں کی دنیا میں پہنچا دیتا ہے یہی نہیں' یہاں سے بفیلو اور عظیم الشان نیاگرافالز تک کا علاقہ اس حسین وجمیل ریاست کی وسعتوں کو محیط کر رہا ہے اور یہ وسعتیں حسن قدرت کے مداحوں کے علاوہ شہری سماجی وثقافتی عظمتوں کے متوالوں کو بھی اپنی جانب متوجہ کئے اوران کے ذوق تجسس کی تسکین کئے بغیر نہیں رہتیں۔

راچسٹر ایک ابھرتا ہوا صنعتی شہر ہے جو دریائے جینی سی (GENESEE) کے کنارے پر آباد ہے۔ انگور اور سیب سے شراب کشید کرنے والی ایک بہت بڑی فیکٹری بھی اسی دریا کے ساتھ واقع ہے۔ شہر میں داخل ہوتے وقت دوسری سب سے بلند عمارت جو نظر آتی ہے وہ ایسٹ مین کوڈک کمپنی کا ہیڈ آفس ہے ہے جو 1880 میں ایسٹ مین کی بانی فیملی نے قائم کیا تھا۔ انیسویں صدی کے اوائل میں یہ شہری کاروباری اور صنعی لحاظ سے بڑی تیزی سے ترقی کر رہا تھا۔ تب یہ آبادی جینی سی دریا کے بالائی علاقے سے پھیلنا شروع ہوئی جہاں دریا مختلف سطحوں پر خوبصورت آبشار بناتا ہوا نیچے اترتا ہے۔ یہ شمالی نصف کرے کے ان معدودے چند دریاؤں میں سے ایک ہے جو جنوب سے شمال کی جانب بہتے ہیں۔ شہر لیک اونٹاریو کے کناروں تک پھیلا ہوا ہے۔ فریڈرک ڈوگلس یہاں 1840 میں آباد ہوا اور نارتھ سٹار نیوز پیپر شائع کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد اس شہر کو زیر زمین ریلوے نظام سے بھی منسلک کر دی

گیا۔کوڈک کمپنی کے بانیوں جارج ایسٹ مین اوران کے خاندان نے یہاں زیرزمین ریلوے قائم کرنے ڈیم بنانے۔صنعتی تحقیقی مراکز کے قیام۔تھیٹر۔ثقافت اورآرٹ کے مراکز قائم کرنے میں بڑی مدد دی۔یہ کمپنی آج بھی یہاں پھل پھول رہی ہے۔آئی میکس تھیٹراورکئی عجائب گھراس کی مالی سرپرستی میں چل رہے ہیں۔اس فرم کے ہیڈکوارٹر میں کم وبیش 32ہزارافرادکوروزگارحاصل ہےاوراس کے احسانات کی وجہ سے یہاں کےلوگ آج بھی اس خاندان کوعزت وتوقیر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔یہاں کی آبادی دس لاکھ کےقریب ہے۔جس میں گیارہ ہزارمسلمان بھی ہیں۔مسلمانوں میں اکثریت سیاہ فاموں کی ہے۔بوسنیا کے پانچ سواور پاکستان کے 600خاندان یہاں آبادہیں ایک اسلامی سنٹربھی ہے۔پاکستان کے مسٹرافتخاراحمداس کے ناظم ہیں اوراسلام آبادفیصل مسجد کے سابق موذن وامام جناب خورشیدعلی مسجد کی امامت کےفرائض ادا کرتے ہیں۔راجسٹر میں کوئی ایک ہزار کےقریب ہندوخاندان بھی رہتے ہیں۔یہاں کچھ عرب اورترک خاندان بھی مقیم ہیں۔حلال گوشت کی صرف ایک دکان ہے جوترک چلاتا ہےاورمقابلہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ گوشت تین چارگناہ زائد قیمت پرفروخت کرتا ہے۔اس شہرکوکوڈک فلموں کے بانی کی مناسبت سے پکچرسٹی اوررنگارنگ پھولوں کےتہواروں کی وجہ سے فلاورسٹی بھی کہتے ہیں۔یہاں وسط مئی میں سفیدنرم ونازک پھولوں کا میلہ بھی لگتا ہے۔مناظری خوبصورتی کےلحاظ سے اس شہرکاجواب نہیں۔

◆◆◆

نیویارک سٹیٹ

سولہویں صدی کے آغاز میں ہنری ہڈسن نے اس سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد دریائے ہڈسن اور اس کی بے پناہ خوبصورت وادی کا پتہ لگایا اسی دوران ایک دوسرے مشہور نوآبادکار سیموئل ڈی چیمپلین (SAMUEL DE CHAMPLAIN) نے اس وادی کے جنگلات' پہاڑوں اور جھیلوں پر تحقیق کی۔ چنانچہ جھیل چیمپلین کی دریافت کا سہرا اسی محقق کے سر ہے۔

1624 کا زمانہ تھا جب وادی ہڈسن اور لانگ آئی لینڈ میں ہالینڈ کے نوآبادکاروں نے اپنی بستیاں قائم کیں۔ اس کے بعد مقامی ریڈ انڈین باشندوں اور فرانسیسی نوآبادکاروں نے نیویارک کے سرزمین پر خونریز جنگیں لڑیں۔ اس سرزمین کو شروع شروع میں نیوایمسٹرڈم کا نام دیا گیا تھا۔ نیویارک کا نام اسے 1664 میں اس وقت دیا گیا جب انگریزوں نے اس کا کنٹرول حاصل کیا۔ تب اسے ملک کا پہلا صدر مقام ہونے کا اعزاز حاصل ہوا یہی وہ شہر تھا جہاں دوسو سال پہلے جارج واشنگٹن نے ملک کے پہلے صدر کے عہدے کا حلف اٹھایا۔

امریکیوں نے اپنی ریاستوں اور شہروں کو پیار کے نام (NICK NAME) بھی دے رکھے ہیں۔ نیویارک کا دوسرا نام بگ ایپل (BIG APPLE) ہے۔ اور لانگ آئی لینڈ اس بگ ایپل کا دل ہے جو اپنے اندر خود ایک بڑے اور جاندار شہر کی تمام تر وسعتیں سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ پیدل اور کاروں پر گھومنے پھرنے والے سیاحوں کے لئے جنت ہے۔ نیویارک کی جان' اس کے عظیم کاروباری مرکز مین ہٹن (MANHATTAN) کے زیریں علاقے بیٹری پارک سے نیویارک کی بندرگاہ تک باآسانی جایا جا سکتا ہے۔ پھر وہاں سے مجسمہ آزادی (STATUE OF LIBERTY) ایلس آئی لینڈ اور سٹیٹن آئی لینڈ (STATEN ISLAND) تک پہنچنے کے لئے وقفے وقفے سے چلنے والے جہازوں (FERRY) کی سروس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ مین ہٹن بلکہ نیویارک کا طائرانہ جائزہ لینے کے لئے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے ٹوئن ٹاورز میں سے ایک پر چڑھ جایئے اور امریکی نوآبادکاروں اور جدید دور کے معماروں کے حسن ذوق کی داد دیجئے۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے قریب ہی نیویارک سٹاک ایکسچینج کی عمارت ہے اس کو دیکھنے کے بعد ساؤتھ سٹریٹ پر چہل قدمی کرتے ہوئے دریائی بندرگاہ اور پھر وہاں سے چائنا ٹاؤن پہنچ جایئے۔ یہاں سے پیدل سائیکل پر یا کسی ٹیکسی کار وغیرہ کے ذریعے بروک لن پل پر سے گذر کے بروکلین فیری سٹیشن اور بروکلین کی مشہور سیرگاہ میں داخل ہوا جا سکتا

ہے۔ جہاں سے شہر اور بندرگاہ کا واضح نظارہ ہوسکتا ہے۔

نیویارک کی نواحی آبادیاں اپنا انفرادی نسلی تشخص رکھتی ہیں۔ مثال کے طور پر زیریں مشرقی جانب ٹربیکا (TRIBECCA) اور سوہو (SOHO) کی اطالوی طرز کی بستیاں ہیں۔ گرین وچ ویلیج بھی اسی طرز معاشرت کا غماز ہے۔ جبکہ ٹائم سکوئر نے بری تیزی سے جدی رنگ و انداز اپنایا ہے۔ براڈوے تھیٹر کا علاقہ اپنے قدیم روایتی انداز کا امین ہے اور یہاں اب بھی پہلے کی طرح تھیٹر شو ہوتے رہتے ہیں۔ ففتھ ایونیو خرید و فروخت کا بہت بڑا مرکز ہے یہاں مشہور زمانہ ایمپائیر سٹیٹ بلڈنگ فن تعمیر کا حسین و جمیل مرقع راک فیلر سنٹر بلڈنگ' سینٹ پیٹرک کیتھڈرل میوزیم رائل' کارنیگی ہال (CARNEGIE)' لنکن سنٹر' سنٹرل پارک بروکلین بوٹانکل گارڈن' دی برانکس زو (BRONX ZOO) اور بہت سے تفریح و سیر کے دیگر مراکز واقع ہیں۔

مزید سیر و تفریح کے لئے لانگ آئی لینڈ کی بہت سی خوبصورت (BEACHES) کیا جاسکتا ہے۔ ساحل سمندر پر میلوں تک (SEACLIFF) سے لے کر (FIRE ISLAND) بے شمار خوبصورت آبادیاں ہیں جہاں ہوٹل' ریستوران' قیام گاہیں اور تفریح کے بے شمار مراکز بکھرے پڑے ہیں۔ کوئی بھی شخص یہاں سیر اور آرام کرسکتا ہے۔

نیویارک اپ سٹیٹ

نیویارک شہر کے شمال میں اپ سٹیٹ کا وادی ہڈسن کا خوبصورت علاقہ ہے۔ اس علاقے کو ہم جرمنی کی وادی رائن (RHINE VALLEY) سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ یہاں شروع شروع میں ہالینڈ سے آئے ہوئے لوگ آباد ہوئے تھے۔ اسے مشہور مصنف واشنگٹن آئرونگ نے اپنی کہانیوں خصوصاً ''رپ ران ونکل'' اور ''دی لیجنڈ آف سلیپی ہالو'' کا موضوع بنایا ہے۔ نیو پالٹز (NEW PALTZ) اور کنگسٹن جیسی آبادیوں میں ابھی تک قدیم تاریخی و معاشرتی اثرات دیکھنے میں آتے ہیں۔ موخرالذکر کبھی ریاست کا دارالحکومت اور بندرگاہی شہر ہوا کرتا تھا۔ دریائے ہڈسن کے کناروں پر انیسویں صدی کی عمارتوں کے سلسلے بکھرے ہوئے ہیں۔ ان میں روز ویلڈ کا قدیم تاریخی مکان بھی ہے۔ مغربی کنارے پر 1802 کی ایک فوجی تربیت کی اکیڈمی کی عمارت بھی اب تک موجود ہے۔

کیٹس کل (CATSKILL) کے پہاڑی سلسلے قدیم و جدید طرز کے تفریحی مقامات کا خوبصورت امتزاج ہیں۔ چھوٹے چھوٹے دیہات' سرکاری پارک' دریا اور چشمے' گھروں سے باہر تفریح کے بے شمار حسین مواقع فراہم کرتے ہیں۔ قدیم نوادرات کے نیلام گھر بھی یہاں موجود ہیں۔

البنی (ALBANY)

یہ دریائی شہر جو کہ ریاست نیو یارک کا صدر مقام بھی ہے تاریخی لحاظ سے بڑا اہم ہے اور اس میں ایمپائیر سٹیٹ کا صدر مقام ہونے کی بڑی خصوصیات بھی ہیں۔ 1825 میں جب (ERIE) نہر کے ذریعے اس شہر کو بفیلو اور گریٹ لیکس سے ملا دیا گیا تھا یہ ایک بڑا اہم تجارتی مرکز بن چکا تھا۔ جمن فرینکلن نے 1754 میں جب البنی پلان کا اعلان کیا تو یہ شہر بڑی سیاسی حیثیت اختیار کر گیا۔ آج کل البنی ایک ابھرتا ہوا ثقافتی مرکز ہے۔ اور یہاں تاریخ' آرٹ اور ثقافت کے بڑے مراکز' فنی تعمیر کے شاہکار' سٹی ہال 1833 اور سٹیٹ یونیورسٹی پلازہ 1918 جیسی عمارتیں اور عظیم الشان ادارے موجود ہیں۔

البنی سکول آف ہسٹری اینڈ آرٹ امریکی تاریخ کا قدیم ترین میوزیم ہے یہ دریائے ہڈسن کے خوبصورت مناظر ڈچ نوآبادیاتی دور کی مصوری کے شاہکاروں اور دیگر آرائشی مصنوعات اور فن پاروں کے لئے اپنا ثانی نہیں رکھتا۔

البنی (ALBANY) میں داخلے سے پہلے ٹول (روڈ ٹیکس) کی ادائیگی بہت ضروری ہے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی شخص نے ادائیگی سے بچنے کی کوشش کی ہو۔ اس شہر میں داخل ہوتے ہی بلند عمارتوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ یہ مین ہٹن سے ڈیڑھ سو میل کے فاصلے پر سراٹوگا (SARATOCA) کے چشمے کے قریب واقع ہے۔ جو برفیں پگھلنے کے بعد اگست کے دوران پھر سے رواں دواں ہو جاتا ہے اور ایڈیرنڈیک (ADIRONDAK) کے محفوظ عظیم الشان ساٹھ لاکھ ایکڑ رقبے پر پھیلے ہوئے جنگلات کا رخ کرتا ہے۔ سراٹوگا کا یہ شاندار سرچشمہ آب پانچ پہاڑی سلسلہ ہائے کوہ کا احاطہ کرتا ہے جو سب کے سب دیودار اور کائل کے جنگلات سے پٹے پڑے ہیں۔ یہ جنگلات شمالی علاقوں کو عمارتی لکڑی مہیا کرنے کا بھی بہت بڑا ذریعہ ہیں ان میں جنگلی جانوروں کی بہتات ہے اور یہ دو ہزار دو سو جھیلوں' تالابوں اور خوبصورت مناظر کی دولت سے مالا مال ہیں۔ ان جھیلوں میں سرانک (SARANCA) اور جیارج (GEORGE) قابل ذکر ہیں جن کی خوبصورتی مثالی ہے تمام پہاڑی سلسلوں میں آپ کو جگہ جگہ ہرنوں کے ڈار قلانچیں بھرتے نظر آئیں گے۔ جن کی تعداد ہر سال جب ہزاروں سے بڑھ جاتی ہے اور برفانی موسموں میں ان کے لئے چارہ کا خاطر خواہ انتظام نہیں ہو سکتا تو محکمہ حیوانات مخصوص تعداد میں ان کے شکار کی اجازت دے دیتا ہے۔ ایڈیرانڈیک فی الحقیقت مناظر قدرت سے پیار کرنے والوں کی جنت ہے۔ اس علاقے کا سفید پہاڑ دار صل یہاں کی ان چالیس چوٹیوں میں سے ایک ہے جو چار ہزار فٹ سے زیادہ بلند ہیں۔ اس تمام علاقے کا بڑا حصہ مستقل طور پر محفوظ جنگلی حیات کا علاقہ قرار دیا جا چکا ہے۔

ایڈیرانڈیک کا شمال مغربی علاقہ سینٹ لارنس دری اکے ساتھ ساتھ کینڈا کی سرحد بناتا ہے۔ یہاں یہ دریا کم و بیش 50 میل کی

وسعتوں میں پھیل کر بہہ رہا ہے اور اس طرح اٹھارہ سو کے قریب بڑے چھوٹے جزیرے تشکیل پاتے ہیں۔ جزیروں کی اس سرزمین کی چھوٹی کشتیوں کے ذریعے سیر کی جاسکتی ہے۔ سیاح الیگزنڈریا بے (ALEXANDRIA BAY) سے ہارٹ آئی لینڈ (HEART ISLAND) کے لئے موٹر بوٹس یا فیری بھی حاصل کر کے پہاڑی سلسلوں کے بل کھاتے ان چشموں اور دریاؤں کی سیر سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ یہاں (BOLD T. CASTLE) اور قدیم جہاز سازی کا عجائب گھر بھی سیاحوں کی دلچسپی کی چیزیں ہیں۔

ریاست کے مرکزی حصے میں ہاتھ کی انگلیوں کی طرح پھیلی ہوئی جھیلیں ہیں۔ گیارہ روپہلے پانیوں سے چمکتی ہوئی جھیلیں سرسبز و شاداب فارموں اور انگور کی بیلوں سے ڈھکے چھپے ہوئے پہاڑی سلسلوں کے درمیان سے گذرتی ہیں یہاں زمانہ قدیم میں مقامی ریڈ انڈین باشندے اسے خدا کی ارضی جنت اور ان جھیلوں کو خدا کی انگلیوں کا نام دیتے ہیں۔ بلاشبہ یہ سارا پہاڑی و دریائی علاقہ اپنے ندی نالوں چشموں اور آبشاروں کے ساتھ آبی و برفانی کھیلوں کے متوالوں کی انتہائی پسندیدہ جگہ ہے۔ یہاں سیاح کشتی رانی' کیمپنگ' ماہی گیری' پیراکی اور ہائکنگ کے لئے بھی بکثرت آتے ہیں۔

اس مغربی وسطی علاقے میں (LETCHWORTH) سٹیٹ پارک بھی ہے پارک کے اندر 17 میل تک دریا چلا گیا ہے۔ بعض جگہوں پر پہاڑی ٹیلے چھ سو فٹ تک بلند ہیں۔ جنہیں مشرق کے گرینڈ کینن (GRAND CANYON) بھی کہا جاتا ہے۔ یہ تمام تر علاقہ جسے کسی زمانے میں (ERIE CANAL) کہا جاتا تھا عام لوگوں کے لئے کھلا ہے۔ اور یہ کم و بیش پچاس پارکوں پر مشتمل ہے۔

ریاست کے شمال مغربی حصے میں لیک ایری کی آخری حدوں پر بفیلو (BUFFALO) کا ریاست کا دوسرا بڑا شہر ہے۔ یہ شہر اتنی تیزی سے پھیلا کہ اس کو پانی مہیا کرنے والی ایری کینال 1825 میں یہاں پہنچ کر ختم ہوگئی تھی اور البنی اس کے پانی سے یکسر محروم ہو کر رہ گیا۔ آج کل بفیلو کا ڈاؤن ٹاؤن (وسطی علاقہ) از سر نو تعمیر کیا جا رہا ہے۔ اور یہ بہت جلد پھر تجارتی لحاظ سے بڑا مرکز بن رہا ہے۔ اس میں آرٹ' میوزیم' تھیٹر میوزک اور آرٹ پارک وغیرہ سب کچھ تعمیر پا چکے ہیں۔ یہاں سالانہ میلوں کا بھی اہتمام ہوتا ہے۔ نواح میں نیاگرا آبشار کے علاقے میں دریائے نیاگرا پر امریکن فالز (آبشار) اور کینڈین (ہارس شو) فالز واقع ہیں۔

یہ قدرتی عجائبات ہیں جن کا منظر ہر پہلو سے خواہ وہ کینڈا کی جانب سے کوئین وکٹوریا پارک سے ہو یا نیچے کی جانب سے کشتی پر سے ہو بڑا سحر انگیز ہوتا ہے گوٹ آئی لینڈ (GOAT ISLAND) کے پارک سے جو کینڈا اور امریکہ کے آبشاروں کو الگ کرتا

ہے کا نظارہ اور بھی دلفریب ہوتا ہے۔

مین ہٹن کا فلک بوس عمارتوں سے نیاگرا کے عظیم مظاہر قدرت کا نظارہ بلاشبہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اور یہ صلاحیت بھی نیو یارک ہی کو حاصل ہے کہ وہ دنیا بھر کے عوام کو انسان اور قدرت کے شاہکاروں کو اس طرح یکجا دیکھنے کو موقع بہم پہنچاتا ہے۔

ایڈیرانڈیک پارک (ADIRONDACK PARK) کے 25 لاکھ ایکڑ رقبہ پر پھیلے ہوئے ان پہاڑی سلسلوں اور جنگلوں کو نیویارک سٹیٹ کے آئین کی رو سے مستقل طور پر جنگلی حیات کا محفوظ خطہ قرار دیا ہے۔ اس میں ایڈیرانڈیک پہاڑوں کا بڑا حصہ بھی شامل ہے۔ ایڈیرانڈیک پارک مجموعی طور پر ساٹھ لاکھ ایکڑ رقبے پر محیط ہے جس میں محفوظ جنگلات اور نجی ملکیت کی اراضی بھی شامل ہے لیکن اس میں کسی قسم کا ترقیاتی کام نہیں ہوسکتا۔ یہ سارے پارک پر اجمالی یا طائرانہ نظر ڈالنے کے لئے آئی 87 پر بذریعہ کار سفر بہتر رہے گا لیکن سارے خطے کو ایک نظر دیکھ لینے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ایڈیرانڈیک پارک تو کم وبیش دو ہزار چوٹیوں، دو ہزار دو سو جھیلوں، تالابوں بے شمار سبزہ زاروں مرغزاروں، گلزاروں، لاکھوں پرندوں اور ہزاروں جنگلی جانوروں کی سرزمین ہے اس کا نصف خطہ تو مکمل طور پر گھنے جنگلوں سے اٹا پڑا ہے۔ جبکہ باقی نصف علاقے کو بہت چھوٹی تنگ کشتیوں CANOE کے ذریعے یا صرف پیدل چل کر ہی دیکھا جاسکتا ہے۔

جھیل PLACID اور SARNAC کے نواح میں واقع ایڈیرانڈیک کی بلند چوٹیاں مشکل اور سخت دشوار گذار چڑھائیاں رکھتی ہیں۔ اس علاقے میں WHITE FACE MONT 4867 فٹ اور MOUNT MERCY 5344 ہیں۔ موخرالذکر نیویارک ریاست کی بلندترین چوٹی ہے۔ اس کے نواح میں QUIN ALGON کی 5112 فٹ بلند GIANT MONT کی 4622 فٹ بلند اور LIGHT SKY کی 4920 فٹ بلند چوٹیاں ہیں۔ ماؤنٹ مرسی کے جنوب مغرب کی ڈھلوانوں کی جانب جھیل ''بادلوں کے آنسو'' واقع ہے جو دریائے ہڈسن کی ایک شاخ کہی جاسکتی ہے۔

خلیج الیگزنڈریہ اور ہزاروں جزیرے

سینٹ لارنس دریا کے ساتھ ساتھ کم وبیش 1800 جزیرے بکھرے پڑے ہیں شروع شروع میں فرانسیسی محققین نے جو مغربی امریکہ کے لئے تجارتی راستے کی تلاش میں نکلے تھے پہلے پہل ان پہاڑی اور دریائی سلسلوں میں بکھرے ہوئے ہزاروں جزیروں کا پتہ لگایا تھا IROQUOIS اور ALGONQUIN قبائل کا خیال تھا کہ یہ خوبصورت سرزمین ہی باغ عدن ہے بہت سی دیو مالائی روایتوں میں سے ایک یہ بھی کہ اس خوبصورت خطے پر قبضہ کرنے کے لئے دو عظیم وطاقتور دیوتاؤں میں عرصہ تک جنگ جاری

رہی اورانہوں نے بڑی بڑی چٹانیں ایک دوسرے پر لڑھکائیں جس سے دریا میں جگہ جگہ کٹاؤ آ گیا اور جزیرے بن گئے۔

سینٹ لارنس دریا امریکہ اور کینیڈا میں حد فاصل بناتا ہے اور دریا کے درمیان بعض جزیرے ایک ملک کے اور بعض دوسرے ملک کے حصے میں آتے ہیں۔ امریکی شہری کو کینیڈا میں داخل ہونے کے لئے کسی پاسپورٹ کی ضرورت نہیں البتہ اس کو پیدائش کا سرٹیفکیٹ' ووٹ رجسٹریشن کارڈ یا شہریت کا کوئی دوسرا ثبوت پیش کرنا ہوتا ہے۔ اگر کینیڈا میں آپ کا قیام 48 گھنٹے سے زیادہ کا ہو تو اپنے ساتھ 400 ڈالر کا ڈیوٹی فری سامان لانے کی اجازت ہوگی۔

الیگزنڈریہ بے سے سیاحوں کو لے کر کشتیاں اور چھوٹے جہاز ایمپائیر بوٹ ٹورز پر روانہ ہوتے رہتے ہیں۔ یہ تمام ٹورز BOLD CASTLE کی بھی سیر کراتے ہیں۔ یہ ٹور آبزرویشن ٹاور بھی جاتے ہیں جو چار سو فٹ بلند ہے اور جہاں سے ہزاروں جزیرے چاروں طرف بکھرے ہوئے صاف نظر آتے ہیں۔ نیز یہاں سے ان جزیروں میں آباد ہزاروں جنگلی حیات کو بھی آزادی سے جنگلوں میں گھومتے پھرتے دیکھا جاسکتا ہے۔

ریاست نیویارک کا دوسرا سب سے بڑا شہر بفیلو (BUFFALO) ہے۔ یہ سرد برفانی شہر کے طور پر مشہور ہے۔ جہاز رانی کا بڑا مرکز ہے۔ اور شہر کو قدیم سے جدید دور میں لانے کے لئے نت نئے منصوبوں پر توجہ دی جارہی ہے۔ یہاں میٹرو ریل لنک کی سہولتیں بھی حاصل ہیں اور بفیلو یونیورسٹی بھی ہے۔

بفیلو کا شاپنگ سنٹر (مال) امریکہ کے مشہور ترین شاپنگ سنٹروں میں سے ایک ہے اور اسے دیکھنے کے لئے سیاح اور امریکی شہری دور دور سے آتے ہیں۔ راچسٹر سے لیکر اونٹاریو کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے سیراکیوز کے راستے یہ شہر 80 میل کی مسافت پر واقع ہے۔ شہر میں داخل ہوتے وقت آپکو ایک بہت بڑا فلائی اوور نظر آئے گا جس کے آغاز میں امریکہ اور کینیڈا کے دو بڑے پرچم یکساں بلندی پر لہرا رہے ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ پل اوور دونوں ملکوں کی مشترکہ ملکیت ہے اور اس پل نما سڑک پر سفر کرتے ہوئے کوئی بھی مسافر کینیڈا میں داخل ہوسکتا ہے۔ جن کے پاس ویزا نہیں ہوتا آگے جاکر روک لئے جاتے ہیں تا ہم کینیڈا کے لئے ویزے بفیلو سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ یہی فلائی اوور نیاگرا فالز کی امریکی حدوں تک جاتا ہے جس کے لئے پل کی مسافت 15 میل ہوتی ہے۔

◆◆◆

ہڈسن ویلی

1609 کا زمانہ تھا جب ہنری ہڈسن ایک طاقتور اور پرشور دریا کے دہانے پر پہنچا اور شمال کی جانب اس کے ساتھ ساتھ سفر کا آغاز کیا۔ اس کے نتیجے میں اس نے دنیا کی ایک بہت بڑی دریائی وادی کا انکشاف کیا تب سے امریکی تاریخ کے بعض مشہور ابواب اسی وادی میں رقم ہوئے جو زمانہ جنگ و امن میں اہم کردار و واقعات کا باعث بنے۔ امریکی خانہ جنگی کے دوران بعض مشہور جنگیں اس دریا کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی وادیوں میں لڑی گئیں۔ امریکی تاریخ میں نام پیدا کرنے والی کئی مشہور شخصیتوں نے ان وادیوں کو اپنا مسکن بنایا اور تاریخ کے اوراق پر اپنا نام اور کارنامے ثبت کئے مشہور مصنف واشنگٹن ارونگ کی طلسماتی کہانیوں کا ماحول اور ہڈسن ریور سکول کے آرٹ کے فنکاروں نے اپنے موقلم اور برش سے یہاں کی دریائی وادیوں کے مناظر کو ہدایت بخش دی۔

اس عظیم الشان وادی کے طلسم کشا مناظر کی سیر کرنی ہو تو دریائے ہڈسن کے ساتھ ساتھ چلتے جایئے اور جغرافیہ کے ساتھ ساتھ تاریخ کے دھاروں سے گذرتے ہوئے آپ کے چشم و دل و دماغ پر حیرت افزا باب کھلتے چلے جائیں گے۔

نیویارک شہر سے بذریعہ کار، بذریعہ موٹر بوٹ، بذریعہ بس یا بذریعہ سیاحتی خوبصورت ٹرین ایمٹریک سے دریائے ہڈسن کی وادی میں داخل ہونے کے لئے اس کی پہلی آبادی WEST CHESTER COUNTY کا رخ کریں۔ اس تاریخی وادی میں ویسٹ چیسٹر کے علاوہ پٹنم PUTNAM ڈچز DUTCHESS کولمبیا COLUMBIA راک لینڈ ROCKLAND آرنج ORANGE السٹر ULSTER اور گرینے GREENE کی آبادیاں ہیں۔ تمام علاقہ جنگلات، جھیلوں، ندی نالوں، جزیروں اور جنگلی جانوروں سے بھرا ہوا ہے۔ اس ساری وادی کو 1886 میں قانون کے تحت محفوظ علاقہ قرار دے دیا گیا تھا اور یہ قدیم مقامی ریڈ انڈین باشندوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ اگرچہ یہاں دوسرے نو آبادکار بھی رہائش پذیر ہیں۔ یہاں کا اصل موسم سرما ہوتا ہے جب ستمبر سے لے فروری تک یہاں جگہ جگہ جشن اور میلوں کا سماں ہوتا ہے۔ ہر طرف گزوں کے حساب سے برف پڑی ہوتی ہے اور برفانی کھیلوں کے شائقین بڑی تعداد میں ادھر کا رخ کرتے ہیں۔ چھٹیاں گزارنے اور پک نکیں منانے والے بھی بڑی تعداد میں آتے ہیں۔ تمام ہوٹل موٹل اور ریستوران بھرے ہوتے ہیں جبکہ مارچ اپریل سے اگست تک جب برفیں پگھل جاتی ہیں۔ یہاں آنے والوں کو نہ سڑکوں اور پارکوں میں کوئی انسان نظر آتا ہے اور نہ کوئی دکان یا ہوٹل کھلا ہوا ملتا ہے۔

ہاں تو ذکر ہو رہا تھا وادی کی پہلی آبادی ویسٹ چیسٹر کا یہاں داخل ہونے کے بعد ٹیری ٹاؤن (TARRY TOWN) دو افسانوی جگہوں پر نظر ٹھہر جاتی ہے۔ ایک طلسماتی کہانیوں کے مصنف واشنگٹن ارونگ کی مشہور زمانہ قیام گاہ سنی سائڈ (SUNNY SIDE) ہے جو طویل و عریض سبزہ زاروں اور مرغزاروں پر مشتمل ہے۔ انہی مرغزاروں میں ارونگ کی انیسویں صدی کی عالیشان رہائشی عمارت بھی ہے جس کے بارے میں خود اس نے "بے حساب کونوں اور زاویوں والی تعمیر" کا اشارہ دیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک گاتھک ریوئیول چرچ ہے۔ یہاں سینٹ پال چرچ کی تاریخی عمارت بھی ہے۔ اور امریک کے پہلے چیف جسٹس اور سیاستداں اور ان کے بعد آنے والوں کی رہائش گاہیں بھی ہیں جو ماضی میں وفاقی طرز کے مکانوں اور انداز و بود و باش کا پتہ دیتی ہیں۔

پٹنم کاؤنٹی میں لب دریا کولڈ سپرنگ کی بستی انیسویں صدی کی عمارتوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ یہاں ایک ڈیڑھ سو سال پرانا سکول بھی ہے جس میں اب فاؤنڈری سکول میوزیم قائم کیا گیا ہے۔ باسکوبل (BASCOBLE) میں 19 ویں صدی کی عمارت اور نہایت قیمتی باغات کو ان کی تمام شان و شوکت کے ساتھ بحال رکھا گیا ہے۔ گیریزن سے کانسٹیٹیوشن آئی لینڈ دیکھنے کے لیے کشتی کرائے پر لی جا سکتی ہے۔ یہ روکنے کے لئے دریا میں پیش قدمی کرتے ہوئے برطانوی بحری بیڑے کو روکنے کے لئے دریا میں آر پار ایک بھاری بھرکم زنجیر باندھ دی گئی تھی۔ جس کا دوسرا سرا ویسٹ پوائنٹ میں باندھا گیا تھا۔

اور جن کاؤنٹی کی طرف جانے کے لئے بیئر ماؤنٹین (BEAR MOUNTAIN) کا پل عبور کریں تو کئی ایسے مقامات آتے ہیں جہاں وادی ہڈسن میں تاریخی معرکے ہوئے۔ اس کے علاوہ ویسٹ پوائنٹ میں ہائی لینڈ فالز پر یو۔ ایس ملٹری اکیڈیمی بھی ہے۔ SCENIC کیمپس میں انقلابی دور کا قلعہ اور فوجی میوزیم بھی دیکھنے کی جگہیں ہیں۔ ہفتے کی صبح کو یہاں اس دور کی وردیوں میں فوجی پریڈ ہوتی ہے جو زمانہ حاضر میں عہد ماضی کی جھلک پیش کرتی ہے۔

نیو ونڈسر کنٹونمنٹ میں جارج واشنگٹن کا آخری فوجی پڑاؤ ہوا کرتا تھا۔ نواحی علاقے نیو برگ (NEWBURG) ایک اور تاریخی جگہ جارج واشنگٹن کے ہیڈ کوارٹر کی یاد دلاتی ہے جسے اب نیشنل پارک بنا دیا گیا ہے۔

دریا کے پار ڈچز کاونٹی میں شمال کی جانب شاہراہ 9 پر سفر کیجئے تو کروڑ پتی امریکیوں کے بنگلوں اور فارموں کی قطاریں نظر آئیں گی۔ یہ سلسلہ دریا کے کنارے پر جا کر ختم ہوتا ہے جہاں ماضی کے امریکی بیوروکریٹس نے اپنی نہایت قیمتی اور غیر معمولی قیام گاہیں تعمیر کر رکھی تھیں ان کے دور کو امریکہ کا سنہرا زمانہ کہا جاتا ہے۔

اب ہائڈ پارک میں فرینک ڈی روز ویلٹ کی تاریخی یادگار سے پھر آغاز کیجئے۔ یہ امریکہ کے 32 ویں صدر کی رہائش گاہ تھی

جہاں انہوں نے اپنی زندگی کے کئے سال گذارے اور یہاں آخر روز گارڈن میں ہی دفن ہوئے۔اس سے ملحقہ لائبریری اور اس سے ملحقہ میوزیم بھی دیکھنے والی جگہیں ہیں۔اس سے ملحقہ عمارت فریڈرک وانڈربیلٹ اسٹیٹ ہے۔یہ بھی قدیم تاریخی مقام ہے۔اس عمارت کے 54 کمرے ہیں جو BEAUX آرٹس سٹائل کا شاندار نمونہ ہے۔سٹاٹسبرگ (STAATS BURG) کی ملز مینشن 65 کمروں پر مشتمل ہے۔یہ تاریخی عمارت کسی زمانے میں سرمایہ کار اور مشہور مخیر آڈگین ملز (ODGEN) اور اس کی بیوی رتھ لونگسٹن کی رہائش گاہ تھی۔

اناڈیل ANNADALE میں منٹگمری پلیس PLACE ہے جو لونگسٹن فیملی کی ملکیت ہوا کرتی تھی۔اس میں رہائشی عمارت کے علاوہ 400 ایکڑ پر پھیلے ہوئے باغات' سبزہ زار' مرغزار' جنگلات اور حسن قدرت کے دیگر شاہکار بکھرے ہوئے ہیں جو سیاحوں کے قلب ونظر کو فرحت وتازگی بخشتے ہیں۔

اس سے آگے رائن کلف (RHINE CLIFF) برج پر سے گذر کر کنگسٹن کا تاریخی واٹر فرنٹ ڈسٹرکٹ ہے۔جہاں ہڈسن ریور میری ٹائم میوزیم ہے جس میں دریائی طرز زندگی کی بھرپور عکاسی کرنے والے مصوری کے شاہکار رکھے گئے ہیں۔ایک ٹرالی میوزیم بھی ہے جس میں اس زمانے کی یادگاریں محفوظ ہیں جب لوگ گھوڑا گاڑیوں پر سفر کیا کرتے تھے۔لب دریا ایک کنگسٹن پارک بھی ہے۔اپ ٹاؤن میں امریکہ کی سب سے قدیم سرکاری عمارت ابھی تک قومی یادگار کے طور پر محفوظ ہے جو 1676 میں سینیٹ ہاؤس کے طور پر استعمال کی گئی تھی اور جہاں نیویارک سٹیٹ کی سینیٹ کا اولین اجلاس منعقد ہوا تھا یہاں بھی جان وینڈرلائن کی مصوری کے شاہکاروں کی حامل ایک آرٹ گیلری بھی ہے۔جنوب میں NEW PALT کا گاؤں ہے جس میں داخل ہو کر امریکہ کی سب سے پرانی سڑک HUGUE NOT ST پر چہل قدمی کی جا سکتی ہے اس کے دونوں طرف قدیم زمانے کے پتھروں کے مکانات اور ایک گرجا ابھی تک موجود ہے جو سیاحوں کو زمانہ قدیم کی جھلکیاں دکھاتا ہے۔

شمال کی جانب بڑھیں تو (GREENE) گرینی کاؤنٹ کا خوش منظر علاقہ ہے۔یہاں کیٹس کل (CATSKILL) کی نیلی پہاڑیوں کے سلسلے پھیلتے چلے گئے ہیں اس سے آگے ایسٹ ڈرہم (EAST DURHAM) کا گاؤں ہے جہاں بڑی تعداد میں آئرلینڈ سے نقل مکانی کر کے آنے والے لوگ آباد تھے اس گاؤں میں ان لوگوں کا ایک ثقافتی میوزیم بھی ہے۔سیزن میں یہاں آئرش لوگوں کی ثقافت کے میلے ٹھیلے بھی ہوا کرتے ہیں۔نواحی علاقے کاکس سیکی (COXASACKIE) میں برانک میوزیم ہے۔جو ڈچ نوآبادیاتی دور کے مکانات پر مشتمل ہے۔

کولمبیا کاؤنٹی میں جانے کے لیے رپ وان ونکل (RIPVAN WINKLE) کا پل CATSKILL کے مقام پر عبور کریں تو جرمن ٹاؤن میں دریا کے کنارے پر بنا ہوا چانسلر رابرٹ لونگسٹن کا مکان ہر دیکھنے والے کو تصور ہی تصور میں اس دور میں لے جاتا ہے جب جرمن نو آبادکار یہاں پر اترے اور انہوں نے اپنے طرز زندگی کے مطابق یہاں خوبصورت کمروں والے رہائشی مکان سبزہ زار اور پھولوں سے آراستہ باغات تیار کئے۔

شمال کی جانب OLANA ہے جہاں پہاڑ کی چوٹی پر فریڈرک ای چرچ کا ایرانی طرز کا خوبصورت مکان ہے یہ ہڈسن ریور سکول کا نامور مصور ہوا کرتا تھا یہاں حد نظر تک خوبصورت مناظر پھیلے ہوئے ہیں گھوڑا گاڑیوں کے چلنے کے راستے' تالاب اور گھنے جنگلات ہیں۔ مکان کئی منزلہ اور بہت خوبصورت رنگ دار ٹائلوں سے مزین ہے۔ اس کے بڑے منقش دروازے کے باہر "مرحبا" کا لفظ لکھا دیکھ کر ہم دنگ رہ گئے۔ نقشی رنگ دار ٹائلوں سے بالائی منزل ک سجا ہوا یہ مکان واقعی ایک مصور خانہ تھا جہاں مغل طرز تعمیر کی جھلک خاص طور پر نمایاں تھی۔ مصور کے دور کا فرنیچر اور سمان اب بھی اسی طرح سجا ہوا ہے۔

کنڈرہک (KINDER HOOK) کا خوبصورت گاؤں تاریخی مکانوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ اس میں سب سے اہم جگہ لنڈن والڈ (LINDENWALD) کی 36 کمروں والی عمارت ہے جو امریکہ کے آٹھویں صدر مارٹن وان بورن (MARTIN VAN BVREN) کی رہائش گاہ ہوا کرتی تھی۔

مختصر یہ کہ ہڈسن ویلی میں صدیوں کی تاریخ اپنی حیرت افزا جھلکیاں اپنے دامن میں سمیٹے جانے کب سے سیاحوں کی مشتاق نگاہوں کی منتظر ہے۔

◆◆◆

کیٹس کل (CATS KILL)

کیٹس کل (CATS KILL) ہڈسن ویلی کا غالباً سب سے خوبصورت اور خوش منظر علاقہ ہے اس کے ایک طرف GREENE(شمال میں) جنوب میں ULSTER اور جنوب مغرب میں SULLIVAN اور DELAWARE کی کاؤنٹیز ہیں۔ایک لحاظ سے اسے پہاڑوں کی بجائے سطح مرتفع قرار دیا جاسکتا ہے۔جو جگہ جگہ نہروں اور جھیلوں سے کٹا پھٹا ہے۔اس کی سینکڑوں برف پوش چوٹیوں پر گلیشئر چمکتے رہتے ہیں۔یہ پہاڑی سلسلے جنگلات کی دولت سے مالا مال ہیں اور ان چشموں کی بہتات ہے جو ہاتھ انگلیوں کی طرح پورے علاقے میں بکھرے ہوئے ہیں ایسے چشموں سے بہہ نکلنے والی جھیلوں کی لمبائی کم وبیش ڈیڑھ ہزار میل ہے اور ان میں ٹراؤٹ مچھلی بے اندازہ پائی جاتی ہے۔یہاں آنے والے سیاحوں کا سب سے دلچسپ مشغلہ ٹراؤٹ مچھلی کا شکار ہوتا ہے۔اس علاقے کی سب سے بلند چوٹی السٹر کاؤنٹی کے سلائڈ ماؤنٹین کی ہے جس کی بلندی 4180 فٹ ہے۔گذشتہ صدی کے اختتام پر ایک مشہور امریکی رائٹر ٹی مورس نے انہیں دیکھ کر کہا۔"یہ علاقہ اتنا پرسکون اور آرام دہ ہے جتنا گھر۔" اور یہ پہاڑی سلسلے کار اور گاڑیاں دوڑانے کے لئے نہیں بلکہ رہائشی بنگلوں اور ان کے خوبصورت پھولوں بھرے باغات کے لئے موزوں ہیں۔یہ علاقہ نیویارک سے 90 میل کی مسافت پر واقع ہے۔اٹھارہویں صدی میں سیاح یہاں سٹیج کوچز (گھوڑا گاڑیوں) اور سٹیم بوٹس (کشتیوں) میں آیا کرتے تھے ایک دوسرے مشہور مصنف واشنگٹن اورنگ یہاں آیا اور یہیں کا ہو رہا۔وہ 20 سال تک مقیم رہا اور اس دوران اس نے بڑے بڑے کلاسیکی شاہکار تصنیف کئے۔شمالی کیٹس کل کے پہاڑوں سے پھوٹنے والے چشمے ہر سیاح کی طرح اسے بھی عزیز تھے۔اس کی چوٹیاں اس کا مسکن اور چشموں کے ساتھ ساتھ چلنے والی پگڈنڈیاں اس کی راہگذر ہوا کرتی تھیں۔ صدیوں سے یہ جگہ یہودیوں کی پسندیدہ تفریح گاہ رہی ہے۔اور اب بھی یہاں کی عمارتیں، ہوٹل، ریستوران اور کلب زیادہ تر انہی کی ملکیت ہیں۔اس کے علاوہ یہ علاقہ اپنی خوبصورتی کی وجہ سے امریکی مصوروں، قلم کاروں اور فنکاروں کا مسکن بھی رہا ہے۔

شمالی امریکہ کے پستہ قد چوٹیوں کے سلسلے دریائے ہڈسن کے ساتھ ساتھ چار ہزار مربع میل تک پھیلے ہوئے ہیں۔اور ان سلسلوں کے پہاڑی دامنوں میں جہاں جھیلوں میں ٹراؤٹ مچھلیاں بکثرت ہوتی ہیں وہاں ڈیری فارموں کا پیشہ بھی خوب فروغ پا رہا ہے۔ یہاں چھوٹے چھوٹے گاؤں ہیں جن میں گرجا گھر اور سفید دودھ جیسے دروازوں والے مکانات ہیں یہ سب دلفزا مناظر و مقامات

دیکھنے ہوں تو نیویارک کے ٹائمز سکوائر سے صرف دو گھنٹے کی ڈرائیو کرنا ہوگی۔ اور یہ سفر شمال کی جانب ہوگا۔

آپ نیویارک شہر ہی میں نہیں کسی بھی شہر کسی بھی امریکی سے کیٹس کل جانے کا ذکر کریں اس کی آنکھیں اچانک ایک خوش کن احساس سے چمک اٹھیں گی۔ جن میں تحیر بھی ہوگا اور آپ کی خوش نصیبی پر رشک کے احساسات کی جھلک بھی۔ یہاں پہنچ کر جدھر بھی آپ نظر اٹھا کر دیکھیں گے کہیں نہ کہیں ضرور آپ کو جنگلوں میں' چوٹیوں پر' دریاؤں' جھیلوں اور ندی نالوں کے کنارے نیچر سے محبت کرنے والوں کے ہٹ' مختصر مکانات یا ایکڑوں میں پھیلے ہوئے بنگلے ضرور نظر آئیں گے۔ ان میں سے بیشتر 1980 کی دہائی میں تعمیر ہوئے تھے جب یہاں کے مقامی لوگوں کو مزید مکانات تعمیر کرنے کی عام اجازت دے دی گئی تھی۔ کیٹس کل کے لوگ اپنی گذر بسر کے لئے مویشی بانی کے علاوہ دو تین اضافی کام بھی کرتے ہیں۔ جب وہ شہر سے آئے ہوئے لوگوں کو پانی کی طرح ڈالر بہاتے دیکھتے ہیں تو قدرتی طور پر ان میں حسد کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور یہ جذبات اس وقت تک پیدا ہوتے رہیں گے جب تک مقامی باشندوں کی اقتصادی حالت بہتر نہیں ہو جاتی۔

کیٹس کل مجموعی طور پر چار کاؤنٹیز کا علاقہ ہے۔ جن کی آبادی 3 لاکھ 40 ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ ان کاؤنٹیز کی اپنی اپنی شناخت ہے۔ گرینی کاؤنٹی کے لوگ خود کو کیٹس کل کے حقیقی اور اصلی باشندے سمجھتے ہیں۔ ان کے پاس برفانی کھیلوں کے مراکز ہیں۔ جبکہ سلی وان (SULLIVAN) اور السٹر (ULSTER) شہر کے نواحی اور مضافاتی علاقوں کی حیثیت سے تیزی سے ترقی کر رہے ہیں اور ڈیلاوئر (DELAWARE) کاؤنٹی بڑی حد تک دیہاتی مزاج رکھتی ہے۔ اس جگہ کی ایک اور دلچسپ بات یہ ہے کہ CATSKILL کی طرح یہاں باقی جگہوں کے نام بھی ڈراؤنے ہیں قدیم سے یہ نام چلے آ رہے ہیں پتہ نہیں ان کے رکھنے میں کس قبیلے کی کون سی مصلحت کارفرما تھی مثال کے طور پر

KAATERSKLILL CLOVE, HELL HOLE, DEVIL'S LAKE, DEVILS KITHCEN,

KAATERSKILL FALLS, SOLITARY TO THE NETEHER WORLD.

نیویارک کے بلند ترین مقام پر 110 فٹ کی بلند سے پانی ایک دھارے کی صورت میں گرتا ہے۔ اور سٹیپ لے کر پھر 85 فٹ کی بلندی سے ایک اور آبشار بنانے کے بعد جنگل کی تاریکیوں میں کھو جاتا ہے 1915 میں WOODSTOCK کے مقام پر پہلی دفعہ ایک عوامی میلہ لگا تھا جس میں شرکا ایک دعوت میں خانہ بدوشوں' ڈاکوؤں اور ملاحوں کے بھیس میں شریک ہوئے۔ موسیقی گانے اور رقص کا بھی اہتمام ہوا اور خوب ہلہ گلہ رہا۔ تب سے یہ میلہ تاریخی حیثیت اختیار کر گیا اور آج کل بھی ہر سال ہوتا ہے سب سے مشہور

میلہ یہاں سے 50 میل دور میکس لیسکو رز ڈیری فام میں لگا کرتا ہے۔

1950 SULLIVAN کاؤنٹی میں تقریباً 500 ہوٹل تھے جن میں سے بیشتر یہودیوں نے اپنے فارموں میں بنار کھے تھے۔اور یہ جگہ اب تک یہودیوں کی تفریح گاہ کے طور پر مشہور ہے جنہیں اکثر حالات میں دوسرے تفریحی مقامات پر جا کر ٹھہرنے کی اجازت نہیں تھی۔یا یہ کہ انہیں عام طبقے میں ناپسند کیا جاتا تھا۔

آج کل اس علاقے میں صرف 5 بڑے تفریحی ریستوران یا سیاح گھر ہیں جبکہ 51 چھوٹے ہوٹل یا موٹل ہیں۔پہلے لوگ زیادہ دنوں کے لئے آتے تھے اور بعض تو ہفتوں بلکہ مہینوں ٹھہرتے تھے۔لیکن اب ان کی تعداد اور قیام کے دن گھٹ گئے ہیں۔یہی سبب اس علاقے میں تفریح گاہوں کے کاروبار میں مندے کے ہے۔متعلقہ لوگ 1950ء کے عشرے کو سنہرے دنوں کے نام سے یاد کرتے ہیں جب لوگوں کے پاس بے پناہ فالتو دولت اور وقت ہوتا تھا اور وہ اسے استعمال اور خرچ کرتے تھے۔ہوٹلوں والے اپنے کمروں کی تعداد بڑھاتے چلے جاتے تھے اور بعض بڑے ہوٹلوں میں تو کمروں کی تعداد چھ سات سو تک ہوا کرتی تھی۔پھر سائنس کی ترقی نے شہری علاقوں میں مکانوں کو ایئر کنڈیشننگ کی سہولتیں مہیا کر دیں اور کاروباری مصروفیتوں نے لوگوں کے وقت اور فرصت کے لمحات مختصر کر دیئے۔نیز دوسری جنگ عظیم کے بعد یہودیوں پر بند دروازے دنیا بھر میں کھول دیئے گئے اور ان کے لئے بے شمار تفریح گاہیں وجود میں آگئیں اور پھر فضائی سفر کی آسانیوں نے کیٹس کل آنے والے دولت مندوں کا رخ کریبلین کی طرف موڑ دیا۔یہ سب کچھ ہوا لیکن کیٹس کل کی مناظری خوبصورتی اور شفاف و دھلا دھلایا موسم ــــــ اور اس کی روح پرور فضائیں ان کا دنیا میں کہیں جواب نہیں۔

◆◆◆